عبرت کدۂ سندھ

زوالِ سندھ کے چشم دید حالات و واقعات

ڈی لیوز فرم ینگ ایجپٹ

کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

سید محمد ضامن کنتوری

نفیس اکیڈمی

بلاسس اسٹریٹ ——— کراچی

زوالِ سندھ کی عبرت ناک داستان

محمد اقبال سلیم گاھندری

حیدرآباد کے دربار پر انگریزوں کی پہلی للچائی ہوئی نظر اس وقت پڑی جب میسور کا شیر سلطان فتح علی ٹیپو سرنگا پٹم کے قلعہ میں دفن ہو چکا تھا۔ بمبئی سے سنگا پور تک ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کا ڈنکا بج رہا تھا۔ مرہٹے اور راجپوت ملکہ معظمہ کی سلطنت کے حاشیہ نشین اور پنجاب کا مہاراجہ رنجیت سنگھ انگریز کا حلیف تھا۔ ۱۸۰۹ء میں لارڈ منٹو کا پہلا سفیر حیدرآباد کے دربار میں حاضر ہوا وہ گورنر جنرل بہادر کی طرف سے امیر سندھ کے نام دوستی کا پیغام لایا تھا۔ مہمان نواز امیر نے اس "بن بلائے" معزز مہمان کی طرف بڑی گرمجوشی سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس طرح کلکتہ اور کراچی کے درمیان بظاہر بے غرض پر خلوص اور پائیدار دوستی کا معاہدہ طے پایا۔ ان معاہدات میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے ۱۸۳۲ء میں مزید ترمیمات کیں اور دو سال بعد ۱۸۳۴ء میں نیا معاہدہ کیا جو فوجی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا اور یہی معاہدے امیران سندھ اور امیران خیرپور کی تباہی و تاراجی کا باعث ثابت ہوئے۔

یہ سفرنامہ جو آج سے سوا سو سال پہلے "ڈری لیوز فرم ینگ ایجپٹ" کے نام سے شائع ہوا تھا اس کی اشاعت کی غرض مصنف یہ بیان کرتا ہے کہ۔ جب سندھ کے امیروں کے وکلا اس ملک (لنڈن) میں دادرسی پانے کی جملہ کوششوں میں ناکام رہے تو میں نے یہ سوچا کہ خیرپور کے بدنصیب امیروں کے ساتھ ہم شروع ہی سے ناقابل برداشت سختی سے پیش آئے اور مجھے یہ معلوم کر کے سخت رنج ہوا کہ ہمارا قوی دوست اور مددگار میر صوبہ دار خاں اس کی ماں اور اس کے بیٹے نے کلکتہ میں قید و بند میں جان دیدی میں بقیہ قیدیوں کی جانب سے انگلستان کے عوام الناس سے اپیل کر رہا ہوں کہ ان معزول امیران سندھ و خیرپور کے ساتھ انصاف کیا جائے۔" اس سفرنامہ میں انگریزوں اور سندھ کے حکمرانوں کے درمیان میانی اور حیدرآباد کے مقام پر ہونے والی خوں ریز جنگوں کی تمام تفصیل بیان کی گئی ہے اور سر چارلس نیپئر نے والیانِ خیرپور اور امیرانِ حیدرآباد پر جو مظالم کئے تھے اور جس طریقہ پر ایذائیں پہنچائی تھیں وہ تمام واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اس کتاب کا مصنف انگریز ہونے کے باوجود انگریزی پالیسی کا ہمنوا نہیں ہے اس نے کھل کر اپنے اختلافات کا اظہار کیا ہے اور بڑی فراخدلی کے ساتھ یہ اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے امیران سندھ اور والیان خیرپور کے ساتھ

شروع ہی سے ناقابل برداشت سختیاں برتی ہیں ۔ اس سفر نامہ میں جا بجا انگریزوں نے جو اخلاقی الزامات امیران سندھ پر عائد کئے ہیں اس کی جگہ جگہ پر تردید کی ہے جو مصنف کی فراخدلی کا ثبوت ہے ۔ تاریخ کا طالب علم خوب جانتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کی زمین کا ایک انچ بھی فاتحانہ یلغار کے ذریعہ فتح نہیں کیا تھا اور نہ عوام کی رضامندی سے ان پر قبضہ کیا تھا یہ تو سوداگر بچوں کی سازش اور تاج برطانیہ کی حمایت سے تقریباً دو سو برس میں انگریزی حکومت کے نقشے اس زمین پر ابھارے گئے تھے انگریز کبھی شمالی سرکار کا معاہدہ کر کے نظام دکن سے کڑپا اور کرنول چھینتے ہیں کبھی برار کا دوامی پٹہ لکھواتے ہیں کبھی راجپوتانہ کی ریاستوں پر قبضہ کرتے ہیں ۔ کبھی سندھ کے غافل امیروں پر سختی بے انصافی اور دھوکہ دہی کے ذریعہ اپنا اقتدار جماتے ہیں ۔

یہ کتاب "عبرت کدۂ سندھ" انگریز پولیٹکل ایجنٹ مسٹر ای بی ایسٹ وک کا وہ سفر نامہ ہے جو انہوں نے ۱۸۳۹ء میں اپنے چشم دید واقعات و حالات پر مشتمل لکھا ہے انھوں نے خود سندھ کا سفر کیا ہے ۔ حالات سے پوری طرح واقف ہیں اور ان تمام بد دیانتیوں کے عینی شاہد ہیں جو امیران خیرپور اور امیران حیدرآباد کے ساتھ انگریز کرتے رہے ہیں اس میں سندھ کے مقامی رسم و رواج اور تہذیب و شائستگی پر بھی کافی بحث کی گئی ہے ۔

اس سیاسی یادداشت کا اردو ترجمہ ۱۹۰۳ء میں ضامن کنتوری نے کیا تھا اس وقت جبکہ سندھ کی تاریخ پر عالمانہ اور محققانہ کام ہو رہا ہے اور ہمارے اساتذہ اور طلباء ہر ضروری یادداشت کو مرتب کر رہے ہیں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اس وقت کے سب سے قابل اعتبار بیان اور مکمل یادداشت کو شائع کر دیں ۔ یقینی طور پر ہمارے ملک کی تاریخ کا یہ ایک اہم ترین باب ہے جس سے ہم سب کو واقف ہونا ضروری ہے ۔

یوں بھی سفر نامہ علمی و ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ یہ واحد صنفِ ادب ہے جس کا تمام اہم معاشرتی علوم سے گہرا تعلق ہے ، مورخوں ، سوانح نگاروں اور جغرافیہ دانوں نے اس صنف سے بہت فائدہ اٹھایا ہے ۔

ہمیں توقع ہے کہ اس سفر نامہ سے جہاں تاریخ کا طالب علم صحیح واقعات اخذ کرے گا وہاں ناظرین بھی تاریخ سندھ سے پوری پوری واقفیت حاصل کریں گے ۔ سندھ کی یہ عبرتناک داستان سبق آموز ہے ۔

فہرست مضامین

باب ۱۱

معرکہ سیبی ۱۷۷

دیباچہ مترجم

زوال دولت سندھ کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا اور وہاں کی شاہی شان و شوکت کے بچشم خود دیکھنے والے اب تک زندہ موجود ہیں جن میں ایک ہمارے معزز اور محترم بزرگ قوم عالی جناب سید اسد اللہ صاحب عرف میر نواب ہیں۔ جن کا تاریخی مذاق اور علمی دلچسپی ہمیشہ اُن کو اس پر آمادہ رکھتی تھی کہ سندھ کے عروج و زوال کے جو متضاد حالتیں بچشم خود دیکھی تھیں اُن کو تاریخی پیرایہ میں قلم بند کریں۔ لیکن اس خیال نے ابھی عملی صورت اختیار نہیں کی تھی کہ کتاب "ڈلیورز فرم ینگ ایجپٹ" جو ایک ایسے انگریز پولٹیکل افسر کی تصنیف ہے جو خود اُن معرکوں میں شریک تھا دستیاب ہو گئی اور جناب ممدوح نے مجھے اُس کے ترجمہ پر مامور فرما کر اس کی اشاعت و طباعت کے اخراجات کا بار کمال عالی ہمتی سے اپنے ذمہ لیا۔

چونکہ سید اسد اللہ صاحب کو ریاست سندھ سے بھی ایسا ہی قوی تعلق تھا جیسا اب سرکار عالی سے ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اُن کے مختصر سے حالات بھی اس موقع پر مدرج کر دیئے جائیں۔

سید اسد اللہ صاحب ابن سید محمد حسین شاہ عرف میر نواب ۵ رماہ رجب روز پنج شنبہ ۱۲۵۵ھ کو شہر حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً آپ کے جد امجد میر عبد الہادی صاحب اصفہان سے سندھ تشریف لائے تھے۔ امیر وقت نے اُن کی قدر افزائی فرما کر کراچی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اُن کے بعد آپ کے والد ماجد سید محمد حسین شاہ صاحب بھی اُسی خدمت پر سرفراز ہوئے۔ اور اپنی مفوضہ خدمات کو اس حسن لیاقت کے ساتھ انجام دیا کہ بمبئی میں وکیل ریاست کی ممتاز اور معزز خدمت پر مامور کئے گئے۔ زوال دولت تک اسی عہدۂ جلیلہ پر سرفراز رہے۔

زوال دولت سندھ کے بعد سید اسد اللہ صاحب میر نواب کو اُن کی والدہ ماجدہ کے ساتھ بمبئی روانہ کر دیا۔ اس وقت میر نواب صاحب کی عمر سات سال کی تھی۔ چودہ برس کی عمر تک یہ بمبئی میں اپنے خالو مرزا علی محمد خان کے زیر تعلیم رہے۔ ۱۲۶۹ھ میں مرزا علی محمد خان، جو نواب سراج الدولہ مرحوم وزیر دکن کے چچازاد بھائی تھے، حیدر آباد دکن میں آئے۔ اور اپنے ہمراہ میر نواب کو بھی لیتے آئے۔ یہ زمانہ نواب سالار جنگ اوّل کے عہد وزارت کا تھا۔ مرزا صاحب نے میر نواب کو نذر کے لئے پیش کیا۔ نواب صاحب مرحوم کمال عنایت سے پیش آئے اور بہ نظر پرورش سو روپیہ کا منصب اُن کے نام پر جاری فرما دیا اور جب مجلس مال گزاری قائم ہوئی تو اُن کو آغا محمد صاحب میر مجلس کے سپرد کر کے کار آموزی کا حکم فرمایا۔ چند روز کے بعد آغا محمد صاحب صدر تعلق دار مقرر ہوئے اور میر نواب کو تحصیل داری پر بھیج دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حسن کارگزاری کے صلہ میں ان کی ترقی نلگنڈہ کی سوم تعلقداری پر ہوئی۔ ۱۲۸۵ھ میں نواب سر سالار جنگ نے ان کو وہاں سے بلوا کر نواب ہمت یار جنگ کی صاحبزادی کے ساتھ شادی کر دی اور اطراف بلدہ کا منصرم اول تعلقدار مقرر فرمایا۔ تین چار سال کے بعد میدک کے دوم تعلق دار ہو گئے۔ ۱۲۹۰ھ میں بیدر کے اول تعلق دار مستقل مقرر ہوئے اور اُس وقت

سے برابر سنہ ۱۳۱۱ھ تک اسی خدمت جلیلہ کو نہایت نیک نامی اور لیاقت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

آپ کی تصنیفات میں سے تاریخ بیدر مطبوعہ موجودہ ہے۔ یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے اور اس میں محمد آباد کے آثار قدیمہ کے حالات نہایت تحقیق اور قابلیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

اب آپ خانہ نشین اور سرکار عالی کے پنشن خوار ہیں۔ حج بیت اللہ اور زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہیں اور عنقریب ہندوستان سے جانب مکہ معظمہ ہجرت کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔

بالآخر میں اپنے ناظرین سے اس بات کی معافی مانگتا ہوں کہ چونکہ جناب ممدوح کو اس کتاب کی اشاعت میں نہایت عجلت تھی اس وجہ سے اس کے ترجمہ کی نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی اس لئے جہاں کہیں کوئی سقم یا غلطی نظر آئے اُس سے چشم پوشی فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔

(ض۔ ک)

دیباچہ مصنف

اس یادداشت کی اول سطر سے معلوم ہوگا کہ اس کی ابتدا تین سال قبل اُس وقت کی گئی تھی جب سندھ کے امیروں کے وکلا اس ملک میں دادرسی پانے کی جملہ کوششوں میں ناکام رہے۔ میں نے اس امر کے ثابت کرنے کی امید سے کہنا شروع کیا تھا کہ خیرپور کے بدنصیب امیروں کے ساتھ اوائل ہی سے ہم لوگ ناقابل برداشت سختی سے پیش آئے اور اس لئے چونکہ ہم لوگوں کی جانب سے پہلے زیادتی شروع ہوئی ہم کو اس قدر انھیں ایذا دہی مناسب نہ تھی جیسی کہ ہم نے دی اگر ان کی عداوت پہلے سے نمایاں بھی ہوتی اور اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ثابت کی جاتی جیسی کہ سرکاری کتاب میں ہوئی ہے۔ میں نے اس خیال سے قلم ہاتھ سے رکھ دیا کہ اس امر کو اچھی طرح میں نہ انجام دے سکوں گا۔ مگر اب کہ یہ خبر معلوم ہو چکی ہے کہ وہ شخص جو ہمارا کسی زمانے میں قوی دوست اور مددگار تھا۔ یعنی میر صوبہ دار خاں اور اُس کی ماں اور اُس کے بڑے بیٹے نے کسی قدر دلی صدمہ سے اور کچھ بنگالہ کی ناموافق آب و ہوا سے قضا کی تو اب یہ مناسب موقع معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار اور بقیہ قیدیوں کی جانب سے انگلستان کے عوام الناس سے استدعا کی جائے۔ اس لئے میں نے اپنی ضعیف شمع اُس وسیع روشنی میں شامل کرنے کی ہمت کی ہے۔ جو پہلے سے اس معاملہ پر لوئرم اور سلیون جیسے لوگوں نے پھیلا رکھی ہے۔ اگر میں اس بات میں کامیاب ہوں کہ جو لوگ امیران معزول کے پہلے حامی تھے وہ ان کے معاملہ کی جانب پھر رجوع ہوں تو میرا مطلب حاصل ہو جائے گا۔

باب ۱

آغاز سفر

سلسلہ بانا سے دریائے سندھ کا علاقہ

یہ زمانہ ۱۸۳۹ء کا تھا جب کہ میں نے وہ سفر شروع کیا جس کے ذریعہ سے مجھے سندھ کے کثیف مگر تاریخی دریا کا نظارہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اس سفر میں میری طبیعت اس قدر منغض تھی کہ میں ہر وقت کسی ہم سفر کے ملنے کا آرزومند رہتا تھا۔ اس لئے میں اپنی کتاب کے پڑھنے والوں ہی سے اس کی خواہش کرتا ہوں کہ وہ تھوڑی دور میرے ساتھ چلیں اور تھوڑی دیر کے لئے نقشہ پر نظر دوڑائیں۔ دلیسا سے سلسلہ بانہ تک ریگستان ہی ریگستان نظر آئے گا مگر کہیں کہیں کچھ ببولوں کے جھنڈ اور رانڈ کی جھاڑیاں اور سبزہ بھی دکھائی دے گا، مگر بہت ہی کم۔ سلسلہ بانا سے دریائے سندھ تک کوئی ندی یا جھیل نہیں ہے البتہ جابجا گندے پانی کے کنویں مسافروں کی پیاس بجھانے کے لئے مل جاتے ہیں اور آسٹریلیا کے بعض مقامات کی جانب یاد دلا دیتے ہیں۔ یہ زمین خراب ہے اور یہاں کے باشندے اس سے بھی زیادہ خراب ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ملکی لڑائیاں اور حملے جو اکثر اقوام کی حالت میں تغیر و تبدل پیدا کر دینے والی چیزیں ہیں وہ یہاں بہت کم واقع ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سے یہاں پھر کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔

دلیسا کا علاقہ

مجھے سخت حیرت تھی۔ گورنمنٹ نے دلیسا جیسے ویران مقام کو کیوں ہماری پیدل رجمنٹوں کا

کیمپ مقرر کیا ہے۔ اگر ناگر پر کار کے ڈاکوؤں کا استیصال مدنظر ہے تو اُس کے لئے رسالوں کی زیادہ ضرورت تھی۔ پیدل سپاہی اس ریگستان میں کہاں تک ان کے پیچھے دوڑے دوڑے پھریں گے۔ تاہم یہاں دو پیدل رجمنٹیں متعین ہیں۔ ایک گوروں کی گرمی سے تباہ حال اور ڈاکوؤں کے تعاقب میں سرگرداں جن سے ہر شب یہ کھٹکا رہتا تھا کہ آج ضرور ڈاکہ ماریں گے۔ اور دوسری دیسیوں کی۔ دیسا ایک نہایت گرم و خشک اور کم آباد مقام ہے جو عرض ۱۵ اور جے ۲۴ دقیقے پر دائرہ راس الجدی سے باہر واقع ہے۔ ہمارا شفیق دوست سال تیزی کے ساتھ اس ویرانے میں آرہا ہے اُس کو اس کی ضرورت ہوئی ہے کہ سر کو دھوپ کی تیزی سے محفوظ رکھنے کے لئے ٹوپی پر ململ کی پگڑی کو تہ در تہ پیٹے۔ اور صرف سر ہی کی یہ حالت نہیں ہے پاؤں کی بھی بُری کیفیت ہے جو جلتی ہوئی ریت میں چھ چھ انچ دھنسے جاتے ہیں جس کی حدت سے خون تیزی نہیں بلکہ گھبراہٹ کے ساتھ رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

افسوس ہے اُن آنکھوں کی حالت پر جو انگلستان کے سبزہ زاروں کے لطف اٹھانے کی عادی ہیں مگر اس پر بھی شکار کے شائقوں کے لئے یہ جگہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ مہینر نیزے اور توڑے دار بندوقیں یہاں کسی وقت بے کار نہیں رہتیں۔ شکار کے لئے زیادہ جستجو کی حاجت نہیں بلکہ الامان والله اگر تم شکار نہ کھیلو تو خود شکار ہو جاؤ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے شیر نر کے پاؤں کے نشان ہسپتال کے گرد دیکھے ہیں کیمپ سے چند ہی میل کے فاصلے پر وہ مقام ہے جہاں وہ ہندوستانی شکاری رہتا ہے جس نے جوشِ جرأت کو ظاہر کرنے کے شوق میں (گو اس کا دل اندر سے نرجا تھا ہو) اپنا سر خونخوار شیر نر کے منہ میں دے دیا تھا اور قریب تھا کہ وہ چکنی ڈلی کی طرح اسے چبا ڈالے مگر اتنے میں دوسرے شکاری کی گولی شیر کا منہ بند ہونے سے پہلے ہی اس کے حلق کے اندر جا لگی۔ اُس کو ملک الموت کے پنجہ سے چھڑا لیا۔ میں ایسے واقعات کی نسبت اپنے ذاتی تجربے سے کچھ نہیں بیان کر سکتا کیونکہ مجھے چند ہی روز دیسا میں آ کر گذرے تھے کہ بقول میرے دوست صوبیدار غلام علی کے مجھے سیاہ پوشی کا اعزاز بخشا گیا۔ اور میں منہ سے کالے دیگلے والا کر دیا گیا۔ جس خدمت کے اُس زمانے میں لوگ آرزو مند رہتے تھے اور پولیٹیکل افسروں کی عام بربادی کی بھی اُس وقت تحریک نہیں ہوئی تھی۔

کوہ آبو کا سفر

اپنے مستقر پر جانے سے پہلے میں نے کوہ آبو کے سفر کا ارادہ کیا کیونکہ میری طبیعت نے کسی طرح اس امر کو قبول نہ کیا کہ جن عجائبات کا دیکھنا فی الحال آسانی سے ممکن ہے۔ بغیر اُن کو ایک نظر دیکھے ہوئے چلا جاؤں۔ اس کے علاوہ مجھے روانگی کی بھی جلدی تھی معلوم نہیں کہ کونسی بات ہے جو سفر کو باوجود راہ کی سختیوں اور تکلیفوں کے خوش گوار بناتی ہے میں خیال کرتا ہوں کہ سفر کی حالت میں ہر شخص خستگی اور ماندگی سے بے چین اور بے آرام رہتا ہے۔ لیکن ختم سفر پر اُس کا خیال پھر اُسی راستہ پر پلٹتا ہے تمام دلچسپیاں نظر آنے لگتی ہیں اور تمام کسل راہ اور سفر کی زحمتیں مطلق بھول جاتی ہیں۔ یہی حال میرا تھا کہ باوجود کہ آبو کے سفر میں بہت زیادہ مصیبت اٹھانی پڑی تھی، مگر پھر میرا شوق اُسی طرف کھینچ رہا تھا۔

آبو کوہ کی ایک شاخ ہے جو اُس سے جدا ہو گئی ہے اور جو راجپوتانہ کے ارض مرتفع کو انہل واڑہ کے میدان سے الگ کرتا ہے اور دیسا کے جنوب مشرقی جانب چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کوہ آبو قرب و جوار کی چٹانوں سے اس طرح بلند ہے جیسے کوئی لمبے قد کا افسر اپنی صف کے آگے ہو۔ مجھے یہاں تک پہنچنے میں زیادہ مدت نہیں صرف ہوئی کیونکہ ہندوستان میں میلوں کا راستہ بہت جلد طے ہو جاتا ہے۔ اگر تمھارے پاس ذاتی گھوڑے نہیں ہیں تو اپنے دوستوں سے مستعار لے سکتے ہو۔ اور اس میں کچھ مضائقہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی وقت تمھاری بھی باری آئے گی۔ اور یہ دادو ستد اس قدر عام ہے کہ بعض چالاک لوگ محض اس ضرورت کے لئے نہایت خراب زین اور لگام کی اور بہت ہی خراب ٹٹو پال رکھتے ہیں۔ "کیا تمھارا صاحب اس گدھے پر سوار ہوتا ہے؟" میں نے ایک سائیس سے پوچھا جب کہ وہ مجھے ایک ایسے چھوٹے سے ٹٹو پر سوار کرا کے چلا جو پچھلے پاؤں ٹیک کر فریادی کتے کی طرح سائیس کے پیچھے پیچھے چلنا چاہتا تھا۔ اُس نے جواب دیا "نہیں صاحب! میرا صاحب اس پر نہیں سوار ہوتا بلکہ اُس نے اس کو مسافروں کو مستعار دینے کے لئے پال رکھا ہے۔" دیسا کے کیمپ سے تین میل کے قریب میں بناس ندی سے پار اُترا جو بوجہ وسط مارچ ہونے کے تقریباً خشک ہو گئی تھی۔

بھیلوں کا گاؤں انندورہ

اُس کے کناروں کا جنگل درندوں سے بھرا ہوا ہے اور زیادہ حیرت کا

ڈرانے والی یہ بات ہے کہ شیر اور ببر ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ صحرا کے بادشاہ ایک مقام پر کم ہوتے ہیں اور گویا اُن کا عمل اس قدیم قول پر ہے (کہ سلطنت کو باہم تقسیم کر لو) دامن کوہ کا بقیہ راستہ ایک ریتیلے میدان سے ہو کر گذرا ہے جس میں کہیں کہیں سنندھ اور جھلیل کی جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کوہ آبو کے نیچے چار میل کے فاصلہ پر بھیلوں کا ایک گاؤں ہے جس کو انند درہ کہتے ہیں۔ یہاں مسافر قیام کرتے ہیں اور اُن کو دودھ وغیرہ میسر آجاتا ہے۔ اگر وہ اُس سے اعراض کریں تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ کیونکہ آبو کی چوٹی تک پہنچنا جس کو دلیسا کی چوٹی کہتے ہیں آسان کام نہیں اور میرے خیال میں جو اس چوٹی تک پہنچ جائے وہ بے شک دلیسا ہے یہ چار ہزار فٹ کی بلندی پر ہے اگر اس قدر میدانی فاصلہ ہو تو اُس کی اور اس کی طے مسافت میں حیرت انگیز فرق ہوگا۔

میں اپنی سادہ لوحی سے انند درہ سے پیدل روانہ ہوا اور جہاں تک میرے پاؤں نے یاوری کی سوار ہونے کا خیال بھی نہ کیا۔ ایک رہبر جس کو میں دلیسا سے لایا تھا اور ایک گاؤں کا بھیل میرے ساتھ تھا اُس نے اپنے دوست کا دل بہلانے کے لئے ایک راجہ کی کہانی شروع کی جس نے ایک غریب پہاڑی باشندے کی خوبصورت لڑکی سے شادی کی تھی۔ یہ راستہ بلند درختوں کے نیچے نیچے ہو کر گذرا ہے جہاں بہت سے گجراتی بیلوں کے گلے چر رہے تھے اور یہ وحشت میں کسی طرح سانبر سے کم نہیں تھے جن کے ڈکرانے کی آوازیں تھوڑی دور پر ہم کو سنائی دے رہی تھیں۔ جب ہم قریب پہنچے تو وہ ہماری آہٹ پا کر سب کے سب ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس طور پر گویا اُن کا ارادہ حملہ کرنے کا تھا۔ اور اس کا تعجب بھی نہیں کیونکہ یہ جگہ شیروں کا مسکن ہے۔

کوہ آبو پر چڑھائی

آخر کار ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اور اگرچہ میں اب تک بہت سے دشوار گذار مقامات پر چڑھ چکا تھا۔ لیکن ایسا کوئی مقام میرے خیال میں نہیں ہے۔ اس مقام پر کوئی جگہ یا کوئی ڈھال نہیں ہے جس سے تم اپنے دل کو اس خیال سے بہلا سکو کہ اب کے پھیر میں راستہ طے ہو جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ پاؤں کو مسلسل ہنڈولے کی طرح گردش رہتی ہے اور ہر قدم پر اتنا پیر اٹھانا پڑتا ہے کہ گھٹنہ تھوڑی سے ملنے کے قریب رہ جاتا ہے۔ میں اب پورے طور

سے تھک گیا اور ایک چٹان کے نیچے پڑ کر بہت جلد بے خبر سو گیا۔ اس عرصہ میں جیسا کہ میرا گمان ہے گاؤں والے بھیلوں نے یہ خیال کر لیا کہ اُن کی خدمت کی ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ جب چونکا تو میں نے اپنے گرد دیکھا کہ اُن کی ایک ٹکڑی بانس کی ایک ڈولی لئے ہوئے موجود ہے تاکہ مجھے اُس میں بٹھا کر اپنے کاندھوں پر رکھ کر اوپر لے جائیں۔ تاہم جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں پیدل چوٹی کے قریب تک گیا مگر بالکل تھک جانے کے بعد ان خوش خلق دیہاتیوں کی درخواست قبول کرنے اور ڈولی میں سوار ہونے پر مجبور ہوا۔ اگر کوئی شخص جی بھر کے ہنسنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ تنگ پتلون پہن کر نہار منہ آبو پر چڑھنے کی کوشش کرے۔

کوہ آبو کا دلکش منظر

الغرض جب میں چوٹی پر پہنچ گیا تو یہ معلوم ہوا کہ ساری محنت کا صلہ مل گیا۔ چنانچہ اب بھی وہ خوبصورت منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ دور تک چٹیل میدان، اطراف و جوانب میں مختلف قسم کے درختوں اور پھولوں سے بھرے ہوئے ٹیلے، عجیب و غریب وضع کی دیولیں اور اُن کی تصویریں اور مورتیں، دل کو فرحت بخشنے والا تالاب جس میں ہندوؤں کے افسانوں کے مطابق اوتاروں کی روحیں منڈلا رہی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو محض دیکھی جا سکتی ہیں مگر بیان نہیں ہو سکتیں۔ میں یہاں دیر تک دھوپ میں، جو سخت نہ تھی بیٹھا ہوا سوچتا رہا اور اُن بہادروں اور شاہزادوں کو یاد کرکے رونے کو جی چاہتا تھا جو یہاں اپنے نام چھوڑ کر اس خیال کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے کہ اُن کی بہادریوں کے افسانے ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ مگر اُن کا پڑھنے والا بھی سوائے ایک اجنبی مسافر کے کوئی نہیں ہے۔ یہ لوگ اُس وقت کے قدیم مشہور خاندان کے راجپوت تھے۔ جب مسلمانوں کا نام بھی نہیں معلوم تھا۔

قدیم ہندو تیرتھ

خیر ایک نام ایسا بھی ہے جو راجپوت اور مسلمان دونوں سے بہتر ہے اور ایسا ہی اس قوم کا نام بھی کسی وقت میں ہو جائے گا۔ اس کی ہم کو نہایت عاجزی سے امید رکھنا چاہیے اور اس پر یقین کرنا چاہیے۔ آبو قدیم سے ہندوؤں کی زیارت گاہ رہا ہے اُس کے قدرتی مناظر اور ان کی خوش نمائی قدیم الایام سے اس کی ساعی رہتی ہیں کہ ایک ایسا مذہب جو پہاڑوں اور ندیوں پر

قربانی چڑھانے پر خوش ہوتا ہے۔ اور فطرت کے عجائبات سے اُس خدا کے وجود کا ثبوت ڈھونڈھتا ہے جس کی ہستی کی شہادت اس دنیا میں کسی غیبی آواز سے نہیں مل سکتی۔ اُس کو اپنی زیارت گاہ بنائے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے اوتار رشیوں اور منیوں نے اس کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی سب سے اونچی چوٹی گرو سکر یعنی دی کی چوٹی کہلاتی ہے۔

راجپوت قوم کی جائے پیدائش

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے اور یہیں اندر رود ایرپا اور شنو نے چھتریوں کی جنگجو قوم کو دوبارہ پیدا کیا۔ جن کو پرشرام نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ جو دیولیں فی الحال آبو کی رونق کا باعث بنیں وہ سب نئی ہیں اور گذشتہ چند صدیوں کے عرصہ میں زیادہ تر قوم جین کے ہاتھ سے تعمیر ہوئی ہیں۔ اکثر اُن میں سے سفید سنگِ مرمر کی ہیں جن پر کثرت کے ساتھ تصویریں اور چتر کاری کی ہوئی ہے۔ ان کا کام اس قدر خوش نما اور باریک ہے جس سے احتمال ہوتا ہے کہ شاید ہی ہندوستان میں کوئی دوسری دیول ان کے مقابلہ کی ہو۔ مگر افسوس ہے کہ اب یہ ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سوائے وحشی بھیلوں اور خانہ بدوش جوگیوں کے کسی کا گذر نہیں اور وہ بھی بدقت وہاں تک پہنچتے ہیں۔

راجپوتوں کی بستی چندراوتی

چودھویں صدی میں یہاں ایک شہر آباد تھا۔ جس کو چندراوتی کہتے تھے۔ یہ کوہ ابو سے مشرق کی جانب چودہ میل کے فاصلہ پر پادہ راجپوتوں کی بستی تھی جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں اس مقدس پہاڑ تک پہنچنا ایسا دشوار نہ ہوگا اور لوگ وہاں آتے جاتے ہوں گے۔ وہ تالاب جو نکھی تالاب کہلاتا ہے، کیونکہ کسی جوگی نے اُس کو ناخن سے کھودا تھا، سطح سمندر سے تقریباً ۳۸۰۰ فٹ بلند ہے۔ یہ تالاب ایک میل لمبا اور پاؤ میل چوڑا اور کہیں کہیں کئی سدم گہرا ہے۔ قریب قریب اس سطح پر یہاں سے نصف میل کے فاصلہ پر جینیوں کی دیولیں مغرب کی جانب ہیں۔ اور سمت شمال میں گرو سکر کی عمودی چوٹی چھ ہزار فٹ تک بلند ہوتی چلی گئی ہے۔

چندراوتی کی آب و ہوا

جو خلاصہ ضمیمہ نمبر۱ میں دیا گیا ہے اُس سے اُس وقت کی آب و ہوا کا اندازہ معلوم

ہوگا جب کہ اطراف دیسا کے میدان کی حالت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس خوبصورت مقام کو پیش نظر پاکر مجھے تعجب ہوا کہ ہماری یوروپین پلٹنیں گرمیوں کے ایام میں ڈیسا میں تکلیف اٹھائیں تو تھوڑے خرچ سے ان کے لئے آرام کی جگہ اس پہاڑی بہشت میں مہیا ہو سکتی ہے۔ اگر قدیم رومیوں کی فوج یہاں ہوتی تو اس نے کس قدر جلد ان پہاڑیوں کو آمد و رفت کے قابل بنا دیا ہوتا۔ اگر تھوڑی سی وہ قابلیت اور مستعدی جو فرانس والے الجزائر کے راستوں میں ظاہر کرتے ہیں یہاں ظاہر کی جائے تو ہمارے آدمی بہت جلد اس آب و ہوا میں رہ سکتے ہیں جو ان کے وطن سے کچھ ہی کم ہے۔ سردی میں یوروپین نیچے رہتے اور قواعد کرتے اور مارچ میں ایک چوڑی سڑک سے جو خود بنائی ہو پہاڑ پر چلے جاتے اور اس سڑک کو بطور ایک قیمتی ورثہ کے اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ جاتے۔

پٹن کو روانگی اس تھوڑے سے وقت میں جو مجھے اس سیر کے لئے مل سکا مجھ سے جس قدر مقامات دیکھے جا سکے دیکھے اور اس کے بعد پھر چلتے ہوئے میدان کی جانب اترنا شروع کیا۔ ڈیسا میں پہنچ کر ایک دن اگلے سفر کی تیاری میں صرف ہوا اور ۱۸ مارچ کو پھر میں وہاں سے چل دیا اور اس شب کو مقام پٹن میں جو اٹھارہ میل کا پڑاؤ ہے جاکر ٹھہرا۔ میری راہ ایسے علاقے سے ہوکر جاتی تھی جس میں وہ قابل نفرت چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں جنہیں مسافر بنگلہ کہتے ہیں۔ یہ بالعموم ایسے مقامات پر بنائے جاتے ہیں جہاں قرب و جوار کی تمام خاک اور مکھیاں جمع ہوتی ہیں اور ان کی عریض سفید دیواروں اور ظاہری ویران صورت سے ایک سخت ہیبتناک اثر بمقابلہ ان خوش نما اور نقش و نگار سے مزین مندروں کے ہوتا ہے جو اپنے کو اپنے بدصورت یوروپین ہمسایہ سے گھنے پتوں کی آڑ میں چھپائے رہتے ہیں۔ میں پٹن میں ایک مکان میں ٹھہرا جو بڑے بڑے برگد کے درختوں کے نیچے تھا جس میں ہزاروں بندر تھے اور جن کے تماشوں سے مجھے برابر لطف حاصل ہوتا رہا۔ اپنا موقع دیکھ کر جس وقت پاس کے کھیتوں کی حفاظت کرنے والے لوگ نہ تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے ان کے اندر کھائی کھود کر داخل ہوئے اور ایک بندر کو پہرہ دینے کے لئے باہر چھوڑ دیا۔ وہاں جاکر سب نے جلدی جلدی تمام اناج کی پوٹلی باندھی کہ اتنے میں لوگوں کی آمد کی خبر انہیں دی گئی مگر قبل اس کے کہ وہ کھیت تک پہنچیں بندر میرے سر پر تھے۔ اور اپنی لوٹ کو تقسیم کر رہے تھے۔

کاٹھیاواڑ کا قحط

مقام پٹن سے میں دوروان کو جو کاٹھیاواڑ میں ہے گیا۔ اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا نہ کوئی امر دلچسپ یا قابل بیان دیکھا۔ یہ ایک سو پچاس میل کا فاصلہ تھا۔ پٹن سے دوسری منزل پر مجھے بہت سے جاتری ملے جو داماجی گائیکواڑ کے ایک تعمیر کردہ مندر میں اکٹھا تھے جس میں کوئی مورت نہ تھی۔ مگر وہ دیوی جی کا مندر ہے اور یہ جماعت اس لئے آئی تھی کہ اپنی دعا سے چیچک کے زور کو دفع کرے۔ برہمنوں نے مجھے مندر کے قریب ایک چشمہ سبز پانی کا دکھایا اور کہا کہ سال میں دوبارہ دیوی کی آمد پر وہ سرخ ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معدنی چشمہ ہے اور پانی کسی قدر گرم ہے۔ جیسا جیسا میں کاٹھیاواڑ کے قریب پہنچتا گیا زمین اور بھی زیادہ بنجر نظر آتی گئی اور ہر موضع کے آس پاس میں نے ہڈیاں بہ افراط پائیں۔ اصل یہ ہے کہ خشک سالی اس قدر سخت ہوئی تھی کہ وہاں کے جملہ مویشی یا تو مر گئے تھے یا انہیں ہانک کر سرحد کے پار کر دیا تھا۔ قحط نہایت زوروں پر تھا۔ والدین اپنے بچوں کو بیچ رہے تھے اور ہزاروں ایسے مر گئے جن کو نہ کسی نے جانا نہ خبر دی ہے

بس گرسنہ خفت و کس ندانست کہ کیست

بس جاں بلب آمد کہ بر وکس نہ گریست

ایسے مصیبت کے موسم کاٹھیاواڑ اور پاس کے ملک کچھ میں اکثر ہوا کرتے ہیں لیکن اگر گورنمنٹ اس طرف متوجہ ہو تو ان مصیبتوں کو روک سکتی ہے کیونکہ اس صوبہ سے چھ لاکھ اسی ہزار۔ ایک سو پانچ روپیہ بطور لگان حاصل ہوتا ہے اور اس کا کوئی جزو بھی تعمیرات میں صرف نہیں کیا جاتا۔ اب بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کے بند باندھ دیئے جائیں۔ تاکہ جب بارش خفیف ہو تو پہلے وہ بہہ کر گھٹ نہ جائیں۔ مانا کہ اس قسم کے کاموں میں اخراجات زیادہ ہوتے ہیں لیکن چند ہی سال میں اصل مع سود کے وصول بھی ہو جاتا ہے۔ ایک موقع پر ایسے بندوں کا صریح فائدہ مجھے صاف صاف نظر آیا۔

راج کوٹ میں گرانی

جب میں مقام راج کوٹ میں ٹھہرا ہوا تھا اور خشک سالی نہایت زوروں کی تھی یہاں تک کہ پانی صرف سوکھی کے اندر گڑھے کھودنے سے نکلتا تھا کہ طوفان مینھ اور بجلی کے ساتھ آیا جس نے چند ہی گھنٹوں کے اندر ندی کو جس میں اس روز لڑکے کھیل رہے تھے اس قدر بھر دیا اور پانی اس قدر زور و شور سے بہنے لگا کہ پار جانا مشکل ہو گیا۔ اگر اس پانی کے روک لینے

کی کوئی صورت ہوتی تو اس کا فائدہ حد سے زیادہ ہوتا مگر وہاں یہ بات نہ تھی پانی جس قدر جلد بڑھا تھا گھٹ گیا اور لوگ اسی پہلی مصیبت میں گرفتار رہے۔ اس مصیبت میں جو خشک سالی میں پڑتی ہے اس قدر اور افزائش ہوتی ہے کہ اناج کے بیوپاری ارزانی کے ایام میں اناج خرید کر زمین کے اندر کھتیوں میں جمع کر رکھتے ہیں اور صبر کے ساتھ اپنا ذخیرہ لئے منتظر بلکہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ خراب موسم آئے جب وہ دن آتا ہے تو یہ لوگ اناج کی قیمت اس قدر بڑھا دیتے ہیں کہ غریب لوگ خرید نہیں سکتے اور لالچی بنیا اپنے ابنائے جنس کی بربادی سے موٹا ہوتا ہے۔ ایک ایسے کمبخت نے ایک غریب خاندان کو تھوڑا غلہ اس قدر گراں دیا تھا کہ وہ لوگ اس کے سخت مقروض ہو گئے۔ اور آخر قیمت کم کر دینے کی گفتگو اس خاندان کی ایک عورت کو بے عزت کرنے کی شرط پر کی۔ مگر باوجود زور دینے اور نازک وقت کے اُن لوگوں نے اپنی بے آبروئی نہ چاہی اور میرے پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب عدالت میں دعویٰ کیا تو بوجہ کسی بے ضابطگی کے دعوے خارج ہو گیا۔ اور اس کی شنوائی نہ ہوئی۔

راج کوٹ میں برطانوی پولٹیکل ایجنسی

۲۲ مارچ کو میں راج کوٹ میں داخل ہوا۔ یہاں ایک چھوٹا سا کیمپ اور پولٹیکل ایجنسی ہے جو چندہ لاکھ بندگان خدا کا انصاف کرتی ہے یہی فی الحقیقت سرچشمۂ عدل ہے۔ لیکن جو انصاف اس سے نکلتا ہے وہ اس وسیع صوبہ کے سروں تک پہنچتے پہنچتے کسی قدر آمیزش حاصل کر لیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کاٹھیاواڑ میں جو محکمہ سول کا ہے وہ بلحاظ اعداد کے اپنے فرائض کے ادا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تین یوروپین افسر انتہا درجہ کی سرگرمی اور محنت ظاہر کریں۔ لیکن ایسے خفیف پٹ سے کل ذخیرہ کا خمیر درست نہیں ہو سکتا۔ ہزار کوشش کریں مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ لوگ کل صوبہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھائیں۔ کاٹھیاواڑ دو سو سے زیادہ ریاستوں پر منقسم ہے اور ہر ایک کا ایک وکیل پولٹیکل ایجنٹ کے دربار میں رہتا ہے جو اسی قدر باتونی اور اپنی نگاہ میں ویسا ہی معزز ہے جیسا کہ کسی اول درجہ کے یوروپین سلطنت کا ویسا ہی عہدہ دار اور اسی قدر شریر بھی۔ ان میں سے ہر ایک شخص اپنا فرض تصور کرتا ہے کہ ہر سال چند شکایتوں کو پیش کرے ورنہ اس کا عہدہ قائم نہ رہے گا اور بدقسمتی سے کاٹھیاواڑ میں ہمسایہ کی نسبت شکایت کرنے کی چند

وجہیں مثلاً جرائم۔ اور بے ضابطگیاں افراط سے ہوتی بھی ہیں جس سے اس کا بازار سرد ہونے کا خوف نہیں ہوسکتا۔

گورنمنٹ بنگال کی ملازمت چونکہ میں قحط کے زمانے میں پہنچا تھا۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ کام بند ہو۔ بلکہ جس قدر کم وجہ نزاع کی تھی۔ اُسی قدر زیادہ نزاعیں بڑھ گئیں۔ میں نے اپنے قیام کے دو مہینے کے اندر تین سو مقدمات کی تحقیقات کی اور میں اوسط درجہ دس گھنٹہ روزانہ کام کرتا رہا۔ جس شخص کو اسٹاف کے عہدوں کا شوق ہو وہ یہ نہ خیال کرے کہ مجھے محنت کے موافق تنخواہ ملتی تھی بلکہ اس کے عوض میں میرے اضافے گھٹا کر پلٹن کے علمبردار سے بھی کم کردی گئی۔ کیونکہ میرا کمپنی کا الاؤنس جاتا رہا اور بجائے اس کے سول ملازمت کی بابت پندرہ روپیہ ماہوار بھتہ ملنے لگے۔ اس میں اس خرچ کو جوڑ لیجئے جو مجھے ایک دور دراز کے سفر کا اپنی گرہ سے دینا پڑا۔ پس میرے خیال میں اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ میرا کالا دگلا نور زیادہ صرف کا باعث ہوا۔

یہی وجہ تھی کہ جب میں نے ایک دن مارچ کے آخر میں بے پروائی سے جرنیلی احکام کو کھول کر پڑھا اور یہ دیکھا کہ میری خدمات گورنمنٹ بنگال کو تفویض ہوئی ہیں تو کوئی افسوس نہ ہوا گو کہ تعجب بہت ہوا۔

راج کوٹ سے روانگی چلئے اب افیونی اور دختر کش راجپوتوں کے ملک کو اپن جانب کی بندگی عرض ہے اور محنت کے لمبے گھنٹوں اور تھوڑی تنخواہ کو بھی سلام ہے۔ دیکھیں اب پردہ غیب سے بقول فارسیوں کے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

۵ رجون کو میں نے راج کوٹ چھوڑا اور جوڑیا پہنچا یہ ایک چھوٹا سا بندرگاہ نوانگر کے جام کا ہے جو ایک راجپوت رئیس مے خواری اور بے باکانہ شہسواری کے لئے مشہور تھا۔ اُس نے اکثر نیزہ بازی میں ہمارے بعض نہایت ہی مشہور سور کے شکاریوں سے بازیاں بدی تھیں۔ شب کی ابتدا طوفان کی آمد سے شروع ہوئی۔ آسمان کو جو موسمی ہوا کے بادلوں سے چھا رہا تھا۔ فاقہ کش رعایا نے اس سے زیادہ مسرت کے ساتھ مبارک باد دی تھی کہ انگلستان میں دھوپ نکلنے پر دی جاتی ہے۔ قلعہ کی دیواروں پہ میں نے چند پرانی جہازی توپیں انگریزی ساخت کی دیکھیں۔

بھوج کے راؤ سے ملاقات

دو دن کے اندر میں بھوج میں داخل ہوا جو انجار کے راستہ پر کچھ کا صدر مقام ہے۔ اس کی ظاہری حیثیت بہت پیاری تھی۔ لیکن مثل بہت سے ہندوستانی قصبوں کے یہاں بھی بہتر قسم کی علیحدہ علیحدہ اور صاف بدبوئیں آتی تھیں بھوج میں مجھ سے اور راؤ سے ملاقات ہوئی جو اپنے ملک کے انتظام سے گورنمنٹ کو خوش رکھنے اور تمام پولٹیکل افسروں کو جو ان کے دربار میں تعینات ہوتے ہیں راضی رکھنے میں بڑی فیاضی ظاہر کرتے ہیں وہ انگریزی بخوبی بولتے ہیں اور میں نے اثنائے گفتگو میں معلوم کیا کہ انھیں ٹھیک حال اپنے ملک کے محصولوں کا اور رنیز کا ٹھیاواڑ کا بخوبی معلوم ہے۔ انھوں نے مجھے اپنا محل دکھایا جہاں اُن کے چچا راؤ بھاڑ مل جی جواب ایک پہاڑی قلعہ میں قید ہیں کسی زمانے میں ظالمانہ افعال کیا کرتے تھے اور جو دنیا کو اب تک نہیں بھولے، حالانکہ دنیا نے اُن کو فراموش کر ڈالا۔

معزول راجاؤں کی زبوں حالی

انگریزوں کو نہایت تعجب ہوگا اگر ایک فہرست تمام معزول اجاؤں شہزادوں اور امیروں کی ترتیب دی جائے جو اس وقت ہماری ہندوستانی سلطنت کے پہاڑی قلعہ میں مصیبت کی روٹی کھاتے ہیں۔ گو کہ بعض حالتوں میں وہ اس کے قابل بھی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ روٹی کڑوی ہے۔ میرے نزدیک ایسے رجسٹر کا رکھنا بہتر ہوگا اور یقین ہے کہ اس میں بعض نام ایسے نظر آئیں گے جن کی نسبت "حبس دوام" کی خوفناک عبارت نہیں لکھی جاسکتی۔ ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ گو بعضوں کی تنخواہ زیادہ ہو اور ان کی حالت مع الوسع اچھی ہو۔ تاہم سب بالاتفاق اس سندھی امیر کے اس قول کو دہرائیں گے جس نے ان فوائد کے ذکر پر کہنے والے کو جواب دیا کہ "افسوس صاحب! اپنے ملک کے درخت کا سایہ بھی جلا وطنی کے محل سے بہتر ہے۔"

رن کچھ عبور کرنے کی ممانعت

بھوج میں مجھے ایک خط ہنری باٹجر کا ملا جو اس وقت کرنیل تھے جس میں انھوں نے مجھے رن عبور کرکے سندھ جانے سے منع کیا کیونکہ سمندر کا راستہ کچھ عرصہ کے لئے بند ہوگیا تھا۔ ہوا کنارے ہی پر چل رہی تھی۔

اہل لکھپت کی بدحالی

چنانچہ ۱۹ اکو میں بھوج سے روانہ ہوا اور ۲۳ کو لکھپت بندر میں پہنچا۔

اس سے دس کوس چل کر راستہ ویران نظر آتا ہے جس کے دونوں جانب کھلے ہوئے چٹانوں کے سوا نہ سبزہ ہے نہ پانی۔ خود لکھپت نصف ویران اور رتیلی ہوئی جگہ ہے۔ قلعہ بڑا ہے جسے وزیر محمد سابق وزیر کچھ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس حوصلہ مند اور لائق شخص کے مرنے پر وہ جگہ جلد خراب ہوتی گئی اور جس قدر آبادی اُس کی زندگی میں تھی اب اس کی تہائی بھی نہیں ہے۔ میرے قیام کے زمانہ میں ہیضہ بڑے زوروں پر تھا اور گندے پانی کا جو ایک ہی چشمہ تھا اُس پر رات دن اس قدر لوگ جمع ہوتے تھے کہ پہرہ بٹھا دیا گیا تھا تاکہ آنے والے باری باری سے پانی لیں۔ دو نہایت میلی عورتوں میں جو گفتگو ہوئی اُس سے کچھ وہاں کی تباہی کی کیفیت معلوم ہوگی۔ ایک نے پوچھا "کیوں بھگیا کیا خبر ہے"؟ اس نے جواب دیا "وہی حال ہے جو پہلے تھا"مصیبت اور پانی کی تکلیف" وہی دھوتی وہی ساری جو آگے تھی سو اَب بھی ہے"

دن کے وقت طپش بہت زیادہ تھی مگر شب کو نہایت تند اور چھبتی ہوئی ہوا چلتی تھی جو خیمہ کے قریب شور کرتی ہوئی گویا اس لئے لڑنے کو آتی تھی کہ اب تک کوئی ذی روح ایسا باقی ہے! جو اس غم ناک خطہ کی ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی انسان وہاں کیونکر رہ سکتا ہے جب کہ دنیا اُس کے سامنے پڑی ہے کہ جہاں چاہے چلا جائے۔ بقول شخصے " ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست۔

رن سندھ (رن کچھ) میں آمد ۱۴ر جون کی صبح کو میں سوار ہوا اور چھ بجے شام کو رن سندھ میں اُترا۔ یہ مقام ایک شاعر کے اس قول کا مصداق ہے کہ "ایک دلدل ہے جہاں نہ تو سمندر ہے اور نہ خشک زمین" کیونکہ جہاں تک نگاہ جاتی تھی کوئی شے بجز ایک بے حد وسیع میدان کے نظر نہ آتی تھی جو اس قدر سطح سمندر کے برابر تھا کہ مجھے فوراً یہ معلوم ہوگیا جیسا کہ میں سُنا کرتا تھا کہ رن کچھ کے دنوں میں وہ پانی سے معمور ہو جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے وہ[1]

---

[1] ذیل کے انتخاب سے جو میں نے سر نہری بانجز کے خط سے کیا ہے جو انھوں نے مجھ کو اس بارہ میں ۸ر جون ۱۸۲۳ء کو لکھا تھا ظاہر ہوگا کہ رن کو اس موسم میں عبور کرنے میں جو مصائب پیش آتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۳۳ پر)

بقول ایک شاعر کے اس قسم کا دلدل تھا جہاں نوح کی نوج غائب ہو گئی۔ چونکہ میں اس امر سے واقف تھا کہ چند روز قبل سات شخص جنھوں نے رن کے عبور کرنے کی کوشش کی تھی ہلاک ہو گئے تھے۔ میں اپنی کشتی کو کنارے سے حسرت کے ساتھ بڑھتا ہوا دیکھنے لگا۔ میرے ساتھ چار سو بارہ اونٹ اور معمولی تعداد ملازمین کی تھی۔ پہلے دو میل میں دشوار وقت پیش آئی کیونکہ کیچڑ اس قدر تھی کہ اونٹوں کو اُس کے اندر سے لے جانے میں بڑی دقت ہوئی۔ اتنے میں آفتاب غروب ہو گیا اور آخرکار ہم لوگ سخت ریت پر پہنچے۔ چاندنی اس وقت چمک رہی تھی اور اُس کی روشنی سے ہم لوگوں کو سمندر اپنے بائیں جانب جوش زن نظر آیا اور سامنے وہی ایک ویران اور لمبا کف دست میدان تھا جسے چند ہی گھنٹے کی بارش لبریز اور ہم لوگوں کو جلد تہ آب کر سکتی تھی۔

یہاں پہلے پہل مجھے قدرت نے اپنی نظر بندی دکھائی یعنی سراب دیکھا۔ ہر چند کہ میں اس دھوکے کی حقیقت سے واقف تھا مگر جب خود دیکھا تو دھوکے میں آ گیا۔ واقعی میں نے تصور کیا کہ وہ سامنے موضع لاہ ہے کیونکہ دور سے کچھ مکانات اور ایک چھوٹا سا جنگل ان کے گرد نظر آیا۔ لیکن جب قریب پہنچے تو گاؤں کے عوض میں اونٹوں کی بوسیدہ ہڈیاں نظر آئیں۔

رن کچھ کا دشوار گزار راستہ | جب آخرکار ہم لوگ لاہ میں پہنچے تو کسی انسان کا مسکن وہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) ان میں میں نے مبالغہ نہیں کیا ہے۔ میری رائے میں کھمپت بندر کے اس جانب جانے کا سفر ایسے موسم میں خطرناک عزم ہوگا۔ میں نے سنا ہے کہ رن میں سیلاب آ جاتا ہے اور دریا کی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور نہریں لبالب بھر جاتی ہیں۔ پس مجھے شک ہے کہ اونٹ چل سکیں گے یا نہیں۔ دو راستے ہیں۔ ایک تو وہ جس سے ہم لوگ گذشتہ ستمبر میں گئے تھے اور دوسرا ٹھٹھہ کی جانب سے ہے تو دونوں دشوار گذار ہیں۔ لیکن میں دوسرے کو پسند کرتا ہوں جس سے لوگوں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے اور آپ کو گھاٹوں پر کشتیاں ملیں گی۔ مگر پہلے راستہ پر نہ میسر آئے گی۔ پہلی منزل بشمول ویلا کے پچاس میل کی ہے اور ایک ہی بار طے ہونی چاہیے۔ تمہارے لئے دو شخص امیر کے اونٹ یا چار سوار بھیج دیے جائیں گے سندھ میں بغیر اس قسم کے لوگوں کے سفر کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہی لوگ رسد رسید کشتیاں وغیرہ مہیا کر سکتے ہیں۔

نہ تھا بلکہ چند ٹنڈ منڈ درخت اور کچھ ٹیلے کٹیلے درختوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ اٹھارہ میل پر کوٹڑو سے تھا جہاں ہم لوگ اترے تھے اور جب ہم لوگ سیر گنڈہ میں پہنچے جو ایک غلیل سندھی موضع پنیاری ندی پر واقع ہے تو قبل ہی سے آفتاب بلند ہو چکا تھا۔ اور طپش زیادہ ہو رہی تھی۔۔ کوٹڑو اور گنڈہ کے درمیان چونتیس میل کا فاصلہ ہے، پانی دستیاب نہیں ہوتا سوائے تھوڑے سے کھارے پانی کے جو آہ میں ملتا ہے اور گنڈہ میں بھی سو سواروں کے لئے پانی مہیا کرنا اگر ناممکن نہ ہوگا تو دقت طلب ضرور ہوگا۔ اس لئے سندھ فوج کے حق میں کچھ کے راستہ سے دشوار گذار متصور ہو سکتا ہے اور تھوڑی سی جماعت کے لئے بھی یہ راستہ خطرناک اور دقت آمیز ہے۔ میرے گذرنے کے دوسرے دن سیلاب سمندر غیر معمولی زیادتی پر تھا اور چونکہ سخت بارش بھی اسی وقت ہوئی اس لئے کل حصہ جس سے میں گذرا تھا لاہ تک تہ آب ہو گیا تھا۔ میں مقام سیر گنڈہ میں شام تک ٹھہرا۔ اس وقت میرے ساتھ کے ساربانوں نے جو سب سندھی تھے آگے چلنے سے انکار کیا۔ چنانچہ میں اپنا سارا اسباب اور ملازمین کو چھوڑ کر دو سواروں کو ساتھ لے کر ٹھٹھہ روانہ ہوا۔

لادی کے سردار کی بے رخی

غروب آفتاب کے قریب ہم لوگوں نے پنیاری کو عبور کیا جو ایک چھوٹا سا کھارا نالہ ہے اور جب سندھیوں سے پوچھا کہ دوسرا موضع کتنی دور ہے تو انھوں نے چار کوس یعنی آٹھ میل بتایا اگرچہ پوچھئے تو وہ کالے کوس تھے اور جس قدر دور ہم لوگ جاتے تھے اتنا ہی فاصلہ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ کیونکہ رات بھر چل کر جب پھر صبح کو پوچھا کہ گاؤں کتنی دور ہے۔ تو جواب ملا کہ چھ کوس ہے۔ گرمی اس وقت سخت ہو رہی تھی اور ہم لوگوں نے کچھ کھانا بھی نہیں کھایا تھا، نہ کوئی مکان نظر آتا تھا اور جن سندھیوں سے ملاقات بھی ہوئی انھوں نے کچھ نہ بتایا۔ شب کے قریب ہم لوگ خوب تھک کر لادی میں پہنچے جو اس راستہ سے جس سے ہم آئے تھے سیر گنڈہ سے پچاس میل تھا۔ چونکہ اس خطہ میں پیشتر کبھی کوئی یوروپین نظر نہ آیا تھا اس لئے کل گاؤں والے فرنگیوں کے دیکھنے کو نکل آئے۔ شیخ حضرت پر سخت برا معلوم ہوتا ہے کہ انسان چھتیس گھنٹوں کا بھوکا پیاسا ہو اور اس کے گرد گھورنے والے لوگ آ کر جمع ہو جائیں اور چھوٹے چھوٹے بچے ایک دوسرے

کو آواز دیں کہ آ کر کافر کو دیکھو۔ کچھ دیر کے بعد گاؤں کا سردار آیا اور چونکہ وہ فارسی بولتا تھا میں نے اُس کو راضی کرنا چاہا تاکہ کھانے کا سامان ہو۔ مگر اُس نے روکھا جواب دیا کہ کچھ نہیں مل سکتا جب میں نے دیکھا کہ میری لساقی کا کچھ اثر نہ ہوا تو میں نے کہا کہ ہم لوگ اس امر کی شکایت امیروں سے کریں گے۔ جس کے جواب میں اُس نے کہا کہ میں سید ہوں گاؤں میرا ہے۔ میں اپنا مالک آپ ہوں۔ امیر نہیں ہیں اور تم لوگوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ کہکر وہ چلا گیا اور ہم لوگوں کو کچھ میسر نہ آیا بجز تھوڑے سے چاولوں کے جو سوار اپنے ساتھ لائے تھے اور یہ تین آدمیوں کے لئے بہت کم غذا تھی۔

ٹھٹھہ کو روانگی دوسرے دن ہم لوگ روانہ ہوئے اور بہادر پور سے گذرے جو تقریباً بارہ میل لادی سے ہے اور وہاں سے چودہ میل اسد پور گئے۔ یہاں ہم لوگ دریا کے قریب پہنچے اور کنارے کنارے چھ میل چل کر اس گھاٹ پر پہنچے جو ٹھٹھہ کے مقابل ہے۔ اس عرصہ میں میں تمازت آفتاب اور بھوک سے بالکل کمزور ہو گیا۔ اور سندھ کو بھی دیکھکر جو ایک قدیم دریا ہے اور جس کی بابت میرے دل میں عجیب وغریب خیالات تھے، ذرہ بھر بھی مجھ میں جوش پیدا نہ ہوا۔ بلکہ برعکس اس کے کہ مجھے اس کی جانب کچھ دلچسپی ہو میں خوف زدہ دیکھتا رہا کہ قریب دو میل کے زرد رو شور کا چکر کھاتا ہوا پانی سامنے ہے اور عقب میں ایک کف دست جلتا ہوا ریگستان۔ کہیں کوئی کشتی یا جان دار شئے نظر نہ آتی تھی اور چونکہ ہم لوگ اس ملک سے ناواقف تھے اور گھوڑوں سمیت تھک رہے تھے، ہماری حالت نہایت ہی نازک تھی۔ شاید یہ امداد الٰہی ہوئی کہ اُن حکام نے جو درے میں تھے ایک قاصد اس وقت دریا کے پار حیدرآباد کو روانہ کیا جس کی بدولت ایک کشتی لہروں پر اچھلتی ہوئی ہم تک آئی اور چندی منٹ کے اندر ہم پھر دریا میں ڈھلکتے ہوئے ٹھٹھہ شہر کی جانب روانہ ہوئے۔

باب ۲

روہڑی میں قیام

جب کوئی شخص کسی نئے ملک میں نیا وارد ہوتا ہے تو اُس کے کچھ خیالات بھی ہوا کرتے ہیں۔ اگر چارلس ڈکنز یہاں ہوتے تو ان کے کیا خیالات ہوتے تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کے لوگوں کے ہاتھوں میں چارلس ڈکنز کی ایک جدید تصنیف ہوتی جس میں اُن کے خیالات سندھ کے بارے میں نظر آتے انھوں نے قبل اس کے کہ کوئی کوڑھ مغز ایک باب بھی اس ملک کے جمادات یا معدوم مچھلیوں کے بارے میں لکھ سکے تین جلدیں ایسے مختلف امور کی دھر گھسیٹی ہوتیں جن میں بیش یا افتادہ نمایاں باتیں اور عجیب و غریب خیالات اس طور پر مخلوط ہوتے جیسے شیشے کے ٹکڑے کسی نگار خانے میں ہوں۔

سندھیوں کا کرخت لہجہ

میرا پہلا خیال یہ تھا کہ سندھیوں کی آواز میں چار شخصوں کی طاقت ہے وہ ایسے کرخت لہجہ میں بولتے تھے کہ پہلے میں نے خیال کیا کہ انھیں کچھ رنج پہنچا مگر مجھے تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم ہوگیا کہ یہ ان کا خلقی لہجہ ہے اور ٹھٹھ سے گذر کر میری ملاقات چندہ پور کے ایک امیر سے ہوئی جس کی آواز کے مقابلہ میں اس کے ہم وطنوں کی آواز محض سرگوشی کا درجہ رکھتی تھی۔ جہاں سب چلانے والے تھے وہ سب کا سردار تھا۔ میں نے اس شخص سے دور رہنے کی غرض سے سفر میں بہت کچھ پھیر کھایا اور ایک مرتبہ جب میں بخار میں مبتلا تھا اُس نے بے رحمی سے مجھے آ گھیرا اور میری مزاج پرسی اس زور سے کی کہ بہت دیر کے بعد مجھے ہوش آیا۔ پس آپ کہہ سکتے

ہیں کہ میرا پہلا خیال مسرت خیز نہ تھا اور نہ دوسرا ہی ہوا۔ جس طرح میرے کانوں کو کریہہ آوازوں سے صدمہ پہنچا تھا۔ اُسی طرح میری آنکھوں کو لگاتار باریک ریت کے جھونکوں سے تکلیف ہوتی تھی جو ہماری کشتی کے ساتھ ساتھ دوسرے کنارے تک برابر اڑتی جاتی تھی اور جونہی زمین پر قدم رکھتے تھے۔ اس جانب بھی ہماری منتظر رہتی تھی۔

ریت اور مچھروں کی بھرمار

یہ مصیبت آٹھ بجے صبح ہی سے شروع ہوتی اور شام تک رہتی تھی۔ اس وقت ریت کا طوفان تھم جاتا ہے اور انسان کی ایذارسانی کا کام مچھروں اور ریت کی مکھیوں کے سپرد کرتا ہے جس کے ڈنک اس وقت تک بیکار رہتے ہیں جب تک وہ رہتا ہے۔

سندھیوں کے یہاں ایک عجیب روایت اس کے بارے میں مشہور ہے۔ ان کا قول ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام جن و بشر و حیوان پر فرماں روا تھے تو مچھروں نے اُن سے ہوا کی شکایت کی کہ وہ عداوت سے ان کے ساتھ پیش آتی ہے اور اُن کو اپنے جائز کام کے کرنے سے روکتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کی شکایت بہ غور سنی اور ان کا انصاف کرنا چاہا مگر اُن سے یہ کہا کہ "تم لوگ جانتے ہو کہ انصاف اس کا متقاضی ہے کہ جانبین کے بیانات سنے جائیں پس مدعاعلیہم طلب ہوں۔ کہتے ہیں ہوا اندر داخل ہوئی اور بے چارے مستغیث ایک ہی لمحہ میں غائب ہوگئے۔

ٹھٹھہ کے مقابر

دریا کے کنارے سے ٹھٹھہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہاں سے وہ تین میل دور ہے کسی زمانے میں دریائے سندھ اسی قدیم شہر سے ملا ہوا تھا اور وہاں دولت اور تجارت کو نفع پہنچاتا تھا مگر نہ معلوم انگریزی گورنمنٹ کی طرح اُسے زیادہ محصول کا لیا جانا ناگوار گذرا یا محض براہ تلون اُس نے شہر کو افلاس، غلاظت اور عوارض کے پنجہ میں چھوڑ دیا ہے۔ میں نے اُسے اسی حالت میں پایا۔ ہر چند کہ وہاں چمکتے ہوئے گنبدوں اور میناروں کی لمبی قطاریں اور ہماری پلٹنوں کی بلند بارکیں ہیں جن سے دور سے آبادی اور آسائش کی شکل نظر آتی ہے۔ مجھے تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم ہوگیا یہ تمام عمارات مقبرے ہیں۔ ایک تو وہ جو پرانے اور اہل قبور سے آباد ہیں دوسرے نئے اور فوراً مصرف ملیں

لانے کے لئے تیار کئے ہیں۔

ٹھٹھہ کی عمارات

جب میں جولائی کے شروع میں وہاں پہنچا تو سولہ سو جوانوں میں سے جن کی طبیعتیں امنگوں پر تھیں، تو مبر کے وسط تک پچاس بھی کام کے قابل نہ رہے۔
ٹھٹھہ کے سندھی باشندے پانچ ہزار سے کچھ زاید ہیں۔ ان میں کوئی شخص صاحب رتبہ یا ذی علم نہیں ہے ایک سندھی جس کی نسبت بیان کیا گیا تھا کہ فارسی بولتا ہے میرے روبرو پیش کیا گیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی لیاقت بجز لفظ یار کے جسے وہ مختلف لہجہ سے کہتا تھا۔ اور زیادہ نہیں ہے۔ مقبرے کسی قدر قابل دید ہیں جو اینٹوں کے خوب بنے ہوئے ہیں اور سامنے رنگین سفالی نہایت ہی عمدہ قسم کے لگے ہیں۔ واقعی امر یہ ہے کہ یہاں زندہ لوگوں کے مکانات مردہ سے بدتر ہیں۔ مکانات مٹی کے ہیں اور چھت مسطح ہے۔ یہاں ہر شخص چھت پر سوتا ہے جس کے باعث بعض اوقات عجیب تماشے نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ صبح کے وقت جب میں اپنی آنکھیں مل رہا تھا اور ایجنسی کے دفتر کو دیکھ رہا تھا کہ ایک گوری عورت میری نگاہ کے سامنے ایک نیچے کی چھت پر آہستہ آہستہ گذری۔ چونکہ میں اس قسم کی صورتیں دیکھنے کا عادی نہ تھا اس لئے میں نے اپنے کو منطقی قاعدے سے اس امر کا یقین دلایا کہ وہ ایک سندھی عورت ہے جو اور کوئی پوشش بجز اپنی جلد کے نہیں رکھتی، اور وہ جلد اگرچہ ایک سندھی عورت کی تھی مگر نہایت گوری تھی۔ جونہی میں نے یہ نتیجہ نکالا مجھے کھانسی آئی جس کی آواز اس سندھی عورت کے کانوں تک پہنچی اور وہ آناً فاناً میری نگاہ سے پوشیدہ ہوگئی۔

وہاں کے مشاہیر میں سے ایک مجرم کو ایک آہنی پنجرے میں پھنسا دیکھا وہ سر تا پا ننگا تھا اور چونکہ برسوں اس شکل سے مثل جنگلی جانوروں کے قید رہ چکا تھا۔ اس کا چراغ عقل عرصہ سے گل ہوگیا تھا اس کی خوفناک حالت تھی انسان بغیر عقل کے بہائم سے بدتر ہے۔ اس کی سرگذشت یوں ہے۔ یہ شخص قوم کا سید تھا۔ مال و اسباب کے لئے بھائی کو مار ڈالا اور امیروں نے اُسے مجرم پا کر تا حیات قید کیا کیونکہ ان کا قول تھا کہ "ہم آل رسولؐ کو قتل نہیں کر سکتے" میں ٹھٹھہ میں چند ہی روز رہا اور جس قدر وہاں کے بے شمار مصائب سے آرام مل سکا حاصل کیا۔ اس کے سوائے رنج تھا دھوپ میں چلنے کے

باعث مجھے جو ایک سخت بخار آیا تھا اس سے بھی بفضلہٖ نجات پائی۔

شمالی سندھ کا سفر

"۸ر جولائی کو جندہ پھر اس نامہربان مقام سے ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر ایک موٹا چھپر پھوس کا تھا۔ اس کے اندر مجھے چھ ہفتہ تک رہنا پڑا کیونکہ شمالی سندھ تک پہنچنے میں اتنے ہی دن تک سفر دریائی رہا ایک دوسری اور بڑی کشتی میں میں نے اپنے گھوڑوں اور بہت سے نوکروں کو، جو ٹھٹھہ میں میرے آنے کے کچھ دن بعد پہنچے، سوار کیا۔ یہ وہ کشتی تھی جس پر سر آئے برنس اپنی پہلی عزیمت میں دریائے سندھ کے چڑھاؤ پر گئے تھے۔ مجھے بعد کو سخت افسوس ہوا کہ میں نے اُسے اپنے لئے نہیں تجویز کیا کیونکہ وہ میری کشتی سے اچھی چلتی تھی جس کا مجھے تھوڑے ہی عرصہ میں ثبوت ملا۔ جس وقت ہم لوگ روانہ ہوئے، ہوا تند چلتی تھی اور لہروں نے جس طرح بقول آرین کے سکندر کی کشتیوں کو اچھالا تھا اسی طرح میرے ساتھ بھی ذرا رعایت نہ کی۔

چونکہ میری کشتی شمالی سندھ کی تھی پس وہ بہ لحاظ اُن لہروں کے جو یہاں اُٹھ رہی تھیں نہایت نیچی اور پانی کے برابر تھی۔ چنانچہ اس میں پانی بھرنے لگا جس سے تنڈیل اور اُس کے آدمی جو پنجابی تھے سخت گھبرائے کیونکہ ان کو کسی اور شکل سے ڈوبنے کا خیال بھی نہ تھا۔ تیوار کے ملاح نے کشتی کو بہاؤ سے الگ پھیرا جس سے وہ فوراً ایک چر پر نہایت زور سے چڑھ گئی۔ اُسی ساعت میں ہوا پال اور رسیاں اُڑا لے گئی اور چھپر بھی جا بجا سے ٹوٹ گیا۔ مستول شکست ہو گیا اور ظن غالب تھا کہ کشتی اُلٹ جائے۔ تنڈیل چر پر کود پڑا جہاں چار فٹ بھی پانی نہ تھا۔ اور ایک دوسرے آدمی کی مدد سے ایک میخ گاڑنے کی کوشش کی جس میں رسا بندھا ہوا تھا۔ تاکہ کشتی کو لنگر کرے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہوتا تو اس سے ہم لوگوں کو کیا نفع پہنچ سکتا تھا کیونکہ ہم لوگ اس وقت دریا کے منجدھار میں تھے یعنی کنارے سے نصف میل پر۔ لیکن وہ ناکام رہا کیونکہ رسا ٹوٹ گیا۔ اور ہم لوگ دوسری جانب کو بہہ گئے۔ ہمارے تنڈیل صاحب اور ان کا ہمراہی دونوں کمر تک پانی میں کھڑے منہ تکتے تھے اور متردد تھے کہ اس زور کے بہاؤ میں کیونکر ٹھہر سکیں۔

ٹھٹھہ میں آمد

میرے خیال میں وہ ایسا نہ کر سکتے اگر وہ میخ جسے انھوں نے زمین میں گاڑ دیا تھا نہ ہوتی۔ جس وقت یہ سانحے پیش آرہے تھے۔ میری دوسری کشتی نگاہ سے غائب ہوگئی تھی اور اُس کشتی کے لوگوں نے یا تو ہماری تکلیف دیکھی ہی نہ تھی یا دیکھ کر کچھ خیال نہ کیا۔ چنانچہ ہم لوگوں کو اس مصیبت میں رات کاٹنی پڑی۔ اور اُس وقت کے خیال کے مطابق دو آدمی بھی ضائع ہوگئے۔ مگر جب صبح ہم لوگ ٹھٹھہ میں پہنچے تو وہ دونوں آکر شریک ہوئے۔ انھیں ایک دوسری کشتی نے گرداب بلا سے نجات دلائی تھی۔

ہم لوگوں نے کشتی کی مرمت کی اور پھر روانہ ہوئے۔ ہماری بہت کچھ امداد مسٹر اسکاٹ نے کی جو انڈین نیوی کے محکمہ کے تھے۔ اس عہدہ دار کو امریکہ میں دریاؤں کے سفر کرنے اور گردابوں سے بچنے کا تجربہ ہو چکا تھا اور انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ دریائے سندھ بوقت سیلاب امریکہ کے دریاؤں سے بدتر ہے۔ ایسی ہمت دلانے والے فقرے کو سُن کر اور بہ نسبت سابق کے کسی قدر زیادہ معتدل ہوا کے ساتھ ہم لوگ پھر روانہ ہوئے اور اپنی گذشتہ مصیبت کے مقام سے گذر کر ایسے ملک میں پہنچے جو گھنے جنگلوں سے معمور ہے۔ یہاں سے حیدرآباد کے امیروں کی شکارگاہ شروع ہوتی ہے جس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک تو شکار محفوظ رہتا ہے دوسرے کل ملک کے لئے عمدہ لکڑی مہیا ہوتی ہے جو کشتیوں اور مکانوں کے بنانے میں اور جلانے اور دوسرے مفید کاموں میں بھی آتی ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ جنگل دریائے سفر کے لئے سدِّ راہ ہیں کیونکہ کشتیاں بہاؤ پر خاص کر گن کے ذریعہ سے کھینچی جاتی ہیں اور ملاح جہاں باد مخالف ہوتی ہے اور کنارے چلنے کے قابل ہوتا ہے نیچے اُتر کر گن کھینچتے ہیں۔ تعجب ہے کہ امیر اس مضرت کو نہیں دیکھتے۔ مگر کوئی تعجب نہیں۔ اگر انھوں نے دیکھا ہو اور اس کی منفعت یہ سمجھی ہو کہ اس کے باعث سے لالچی فرنگی جن کو کبھی سیری ہی نہیں ہوتی ہے اُن کے ملک سے دور رہیں۔

سندھ کی شکارگاہیں

ان شکارگاہوں کی نسبت ہماری کارروائی مضحکہ خیز ہے۔ ہم لوگ اپنی ایجنسیاں اور چھاونیاں ان کی لکڑی لے کر بناتے ہیں اور ایک جبہ

نہیں دیتے بلکہ بہت سے اچھے درخت اپنے پارسی دوستوں کو نذر کر دیئے اور ایک تنکا نہ دینے دیا۔ اس کے بعد کل جنگل پر قبضہ اس حیلہ سے کر لیا کہ وہ تجارت کو سخت مضرت رساں ہے اور مذاقاً کہہ دیا کہ وہ لوگ قابل حکومت نہیں ہیں جو اپنی تفریح طبع کا بہ نسبت اپنے دشمنوں کے آرام کے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اکوئیلا کا بیان ہے کہ "امیروں کے گاؤں کے گاؤں شکارگاہ کے پاس کے اس لیے ویران کرا دیئے کہ کتوں کی آواز سے شکار بھڑکتا تھا"۔ مگر دوست اکوئیلا! آپ تو کبھی سندھ میں گئے تک نہیں پھر آپ کیا جانیں کہ دریائے سندھ کے کنارے کے گاؤں تو صرف چند جھونپڑیاں پتوں کے چھپر کی ہوتی ہیں اور اگر میر کرم علی نے اپنے علاقے سے ایسی جھونپڑیاں ایک جانب سے دوسری جانب ہٹوا دیں تو اُس نے اُس قدر سختی نہیں کی جو ایک آئرش یا انگریز زمیندار اپنی رعایا کے ساتھ کرتا ہے جس سے فاقہ زدہ کاشتکار کھیت سے بے دخل ہو کر بھیک مانگنے لگتے ہیں مگر قبل از مرگ واویلا کرنا نہ چاہیے۔

جارکھ سے روانگی ۱۴ جولائی ۱۸۳۹ء کو شکارگاہ امیروں ہی کے قبضہ میں تھی اور ان کی سبز شاخوں کے قریب سے گذرتے وقت میری آنکھوں کو طراوت پہنچی۔ ہوا اس قدر تازہ تھی کہ ہم لوگ فوراً دھارے سے گذر گئے، اور جہاں ممکن ہوا اصل بہاؤ سے بچ کر نکلے۔ آج ہم جارکھ میں پہنچے جو میرے نزدیک سندھ بھر میں فوج کی چھاؤنی کے لئے عمدہ جگہ ہے کیونکہ وہ ٹھٹھہ اور حیدرآباد کے ناف میں اونچی جگہ پر ہے جس کے پاس دریا ہے اور گرد و نواح میں سبزہ۔

۱۴ کو میں حیدرآباد میں پہنچ کر سات دن تک ٹھہرا۔ ۱۹ تک بارش ہوتی رہی جو سندھ میں ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس بارش سے کئی مکانات اور قلعہ کا ایک حصہ گر پڑا اور چونکہ یہ واقعہ اُسی وقت ظہور پذیر ہوا جب کہ امیروں نے اپنے دستخط صلح نامہ کی تیرہ شرائط پر کئے تھے اُن لوگوں نے اسے شگون بد تصور کیا۔ تھرمامیٹر سو درجہ سے ۷۶ درجہ پر اتر آیا۔ مگر پھر اپنی جگہ پر چڑھ گیا اور بیچ بیچ میں جو خنکی ہوئی تھی اس کے عوض میں اور زیادہ اور سخت گرمی ہوئی۔

سندھی ملاحوں کا کردار میں نے حیدرآباد میں دو کمپنیاں سپاہیوں کی اور کچھ بے قاعدہ سوار ایجنسی کے محافظ کے طور پر دیکھے۔ بخار کے باعث سے میں ایک ہفتہ

تک بستر سے نہ اُٹھ سکا اور اس سے مجھے آئندہ کی چاشنی حاصل ہوگئی۔ ۱۲ر کو میں پھر سوار ہوا اور سمجھا کہ اب مجھے سندھی ملاحوں کے طرز روشن کی کیفیت معلوم ہوگئی۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ بڑے خرانٹ روسی۔ کے بھی کان کاٹ سکتے ہیں۔ اور سخت گیری میں یہودیوں کو مات کر سکتے ہیں۔ ہمارا تنڈیل موٹی نا تھا ایک سنجیدہ بنیہ دہت شخص تھا جس کی مختصر گفتگو خدا کی عظمت حکمت یا رحمت کے بارے میں ہوا کرتی تھی۔ یا بخشش کے طلب کرنے میں زبان کھلتی تھی، جس کی وہ کوئی وجہ بیان کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا۔

آج کے دن ہم لوگ بہت ہی تھوڑی دور گئے۔ یعنی دس میل مقام پیر کا کوٹ تک اور شب کو تین ملاح بھاگ گئے۔ جس مصیبت کو موٹی نے اپنے مشہور ہم نام کے صبر و قناعت کے ساتھ برداشت کیا مگر کچھ روپیہ پیشگی دوسرے لوگوں کے لانے کے لئے مانگا میں نے اسے پانچ روپیہ یہ کہکر دیئے کہ بعد سفر کے وضع کر لئے جائیں گے جس کا جواب اُس نے کچھ نہ دیا۔

مازندہ کا سفر ۲۴ر کو ہم لوگ مازندہ میں پہنچے جو قریب چالیس میل کے ہے۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ دوسرے نمبر کی پلٹن کے میجر بی کی کشتیوں کے بیڑے نے بائیس دن میں یہ سفر کیا تھا۔ ہم لوگوں نے اصل دھارے کو چھوڑ دیا جس کا مقابلہ کرنا مشکل تھا اور کئی شاخوں سے ہو کر چلے گئے۔ بعض مقامات پر کنارے جنگل سے ڈھکے ہوئے تھے اور بعض مقامات میں بجز چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جس کے اندر سے ترغیب دہندہ آواز سیاہ تیتر کی آتی تھی۔ کبھی کبھی ہم لوگوں کو ماہی گیروں کے گاؤں ملتے تھے جن کے قریب بہت سے لوگ اپنے بڑے بڑے گھڑوں پر دریا میں تیر کر ایک قسم کی مچھلی جسے پلا کہتے ہیں، پکڑتے نظر آتے تھے یہ لوگ پانی میں ایک لمبا ستون نصب کر دیتے ہیں، جس سے ایک ماہی جال لٹکا رہتا ہے۔ اس میں مچھلیاں تیر کر جاتی ہیں اور ستون ہلا دیا جاتا ہے اس وقت مچھلی پھنس جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک بڑی مچھلی اس کے اندر چلی گئی اور ماہی گیر کو پانی میں کھینچ لے چلی۔ جب اُس نے بہت کچھ شور و غل مچایا تو دوسروں نے آکر اُسے نجات دی۔

تیلگو زبان میں پلے وارڈ ماہی گیر کو کہتے ہیں۔ آیا یہ لفظ پلا سے متعلق ہے یا نہیں۔

قصبہ سیتا کی مسجد

۱۴ ارکو ہم لوگ سیتا میں، جو ایک مختصر سا قصبہ ہے، داخل ہوئے۔ اس کی سفید چمکتی ہوئی مسجد دور سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں ہم لوگوں کو ایک سخت دھارے نے آگھیرا۔ سن کی رسی ٹوٹ گئی اور ہم لوگوں کو بہت دیر لگ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ملاحوں کو ایک قسم کا شگ دامن گیر ہے کیونکہ وہ کوے کو کشتی پر بیٹھنے نہ دیتے تھے اور مجھ سے کہا کہ یہ فال بد ہے۔ اس مقام سے سیستان کے پہاڑ نول نظر آتے ہیں۔ چونکہ میدان ان کی جڑ تک چلا گیا ہے اس سے ان کی بلندی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے جو بہت اونچا پہاڑ ہے وہ بارہ سو فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔

سہوان کا سفر

ہماری کشتی گاچی اور گئی چھوٹے چھوٹے موضعوں سے گذری اور سہوان سے میں میل پر ٹھہری۔ وہاں ہم جلد پہنچ جاتے مگر ہوا کے ایک جھونکے نے روک رکھا جس سے ہم لوگ گرد وغبار میں آلودہ ہوگئے اور اس کے بعد بڑی بڑی بوندوں کا چھڑکاؤ ہوا جس کے ساتھ بجلی کی چمک اور بادل کی گرج بھی تھی۔ ہم لوگوں نے گہرے پانی میں ہوا کے رخ سے ہٹ کر لنگر ڈالا۔ دوسری جانب اونچے اونچے ویران ٹیلے تھے جو ہالہ پہاڑ کے سلسلے میں ہیں۔ یہاں دریا ساٹھ قدم عمیق اور تیرہ و تاریک ہے۔ آنکھوں کو اس مقام پر سخت دھوکا ہوتا ہے، خواہ یہ دوسرے کنارے کی اونچائی کے باعث ہو کیونکہ وہ اس قدر قریب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خیال ہو سکتا ہے کہ ایک جست میں اس پار جا سکتے ہیں۔ حالانکہ فاصلہ دو سو گز کے قریب ہے۔

یہاں کئی دریائی سور نظر آئے۔ جنھیں ہندوستانی بولن کہتے ہیں۔ یہ جانور موٹے تازے چار فٹ لمبائی میں ہوتے ہیں اور جبڑے بہت بڑے، سفید تیز دانتوں سے پر رہتے ہیں۔ اس جانور کی شکل سے مجھے ایک قسم کی مچھلی کا خیال آیا جس کے یہ بجز تھوتھنی کے بالکل ہم شبیہ ہے اور وہ لمبی اور تنگ ہے۔ انھیں گھڑیال کھاتے ہیں جس طرح یہ دریائے سندھ کی پلا مچھلی کو زہر مار کرتے ہیں۔ پلا افراط سے ہوتی ہے لیکن اور مچھلیاں عمدہ ذائقہ کی بہ کثرت نہیں ہوتیں۔ دریا میں کچھوے اور گوہ بکثرت ہیں۔ ایک مرتبہ میں اپنے خدمت گار محمد جعفر سے تیراکی کا سبق لے رہا تھا جو کسی قدر

شیخی خورا بھی تھا اور اپنا ہنر پانی میں فخریہ دکھلا رہا تھا کہ یکایک اُس نے چیخ ماری اور اُس کا سر پانی پر ٹھہرا ہوا نظر آنے لگا گویا اُس نے یکایک لنگر ڈال دیا۔ مجھے خیال آیا کہ اُسے گھڑیال نے پکڑ لیا مگر معلوم ہوا کہ کسی شریر کچھوے نے اُس کی حرکات سے شاید ناخوش ہو کر اس کے انگوٹھے کو بالکل اُڑا لیا۔ ہر چند کہ میں دریائے سندھ میں ہفتوں سفر کرتا رہا ہوں اور برسوں کئی دن تک کشتی کھیتا رہا ہوں مگر میں نے کوئی گھڑیال اس میں نہیں دیکھا اور نہ کبھی سُنا کہ کسی کو گھڑیال نگل گیا اور اس بات کا وہاں اس قدر خطرہ کم ہے کہ دریا کے بہاؤ کے جانب اکثر لوگ بذریعہ تری کے قاصد کے خط روانہ کرتے ہیں۔ یہ قاصد خط کو اپنی بڑی پگڑی کی تہہ میں رکھ لیتا ہے اور اپنے کپڑے اُتار کر ایک پھولی ہوئی مشک کے ساتھ پانی میں اُتر جاتا ہے۔ اس مشک کے دو حلقے رانوں میں پھنس جاتے ہیں اور مشک کو سینے سے لگا کر وہ منزل مقصود پر روانہ ہوتا ہے۔ اُسے دیکھکر ہنسی آتی ہے کہ ایک بڑی سی کھوپڑی بہتی چلی آتی ہے اور ہوا کی ہر ایک حرکت سے ٹھوکریں کھاتی ہے۔

منچھر جھیل میں آمد ۲۶ کو ہم لوگ سہوان سے ایک میل پر رہ گئے جہاں ملاحوں نے ٹھہرنے اور وہاں کے ولی لال شاہباز پر درود پڑھنے کے لئے اصرار کیا۔ میں کشتی سے بوجہ شدت گرمی کے نہ اُترا اس وجہ سے میں وہ پرانا کھنڈر جو سکندر کے بنائے ہوئے قلعہ کا مشہور ہے نہ دیکھ سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ آرین نے جو کچھ حالات سندھ کے لکھے ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور گمان غالب ہے کہ مقدونیہ کے مجنوں کے زمانے سے دریا کا راستہ بالکل بدل گیا ہے۔ سہوان میں ہم لوگ ایک شاخ دریا میں داخل ہوئے جو آرل کہلاتا ہے۔ اس سے ہم لوگ چند گھنٹہ کے اندر منچھر جھیل تک پہنچ گئے اسی جھیل میں نارہ یعنی سانپ دریا کی (جیسا کہ وہ بوجہ اپنی بہت سی پیچیدگیوں کے مشہور رہے) جو دریائے سندھ کی ایک شاخ ہے گرتا ہے اور اس راہ سے آنے میں ہم لوگ اصل دریا کے زور و شور سے محفوظ رہے جو اس موسم میں بہت ہی دشوار گذار ہے۔

طوفان کا مقابلہ

۲۷ر کو ہم لوگ خوب چلے۔ یعنی منچھر جھیل کے پار قریب بیس میل کے گئے۔ دن کو گرمی ایسی تھی جس کا بیان نہیں ہو سکتا شام کے قریب ہوا بند ہو گئی۔ میں نے چند ماہی گیروں کو ڈونگیوں میں دیکھ کر کشتی کو کھینچ نے چلنے کے لئے کہا۔ یہ انھوں نے تھوڑی سی رقم میں کیا مگر ان کو گویا خزانہ مل گیا۔ کیونکہ ایسے بدتر رفاقہ زدہ نیم انسان میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ سب ننگے تھے صرف ایک مختصر سا کپڑا کمر سے لپٹا ہوا تھا اور شکل اس چہرے کی ہم شبیہ تھی جو اکثر چھپڑیوں کی مٹھ پر بنی ہوتی ہے ایسے بدہئیت لوگوں سے سوائے نحوست کے آنے کے اور کیا ممکن تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہم ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں گھاس بہت لمبی اور جھیل کے اندر اگی ہوئی تھی۔ یہاں پر ملاحوں نے کشتی کو باندھنا شروع کیا۔ میں نے تنڈیل سے کہا کہ اس قسم کی روکوں سے کام نہیں چلے گا۔ خفیف سی ہوا بھی کشتی کو ان سے علیحدہ کر دے گی۔ مگر موسیٰ نے اپنی ہی بات رکھی اور رسیاں بندھنے بھی نہ پائی تھیں کہ ایک سخت جھونکا ہوا کا زور و شور کی گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ آیا اور ہم لوگوں کو اس مقام سے جہاں ٹھہرے ہوئے تھے دور جھیل میں نہایت تیزی کے ساتھ ساون بھادوں کے اندھیرے میں پھینک دیا۔ اُس وقت جب ذرا بجلی چمکتی تھی تو پانی نظر آتا تھا اور پانی جو اب تک ٹھہرا ہوا تھا اس وقت اس قدر جوش و خروش میں تھا جس طرح کسی ساحرہ کا کڑھاؤ اُبال کھا رہا ہو۔

اکثر اوقات ہماری کشتی گھاس میں چلی جاتی تھی جو بعض مقامات پر اس قدر گھنی تھی کہ کشتی اُلٹنے کے قریب پہنچ جاتی تھی۔ معمول کے مطابق ہمارے پنجابی سر بسجدہ ہو کر اللہ سے دعا مانگ رہے تھے اور جس جس ولی کا نام یاد آتا تھا رجوع کرتے تھے اور مجھے ہو کر اس کے مخاطر الفاظ کہنے پڑتے کشتی کی چھت میں ہوا کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ گویا اٹھنے والی ہے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو ملاحوں کو بھی خشکی تک پہنچنے میں تردد ہوتا کیونکہ ہم لوگ بہت فاصلہ پر تھے۔ آخر کار کئی گھنٹہ دیوانہ وار جھیل کے اندر مارے پھرنے کے بعد ہوا کم ہو گئی اور صبح کو جب میں بیدار ہوا تو کشتی کو ایک گاؤں کیاآن نامی کے قریب بندھا ہوا پایا اور ہمراہی کشتی گھوڑوں والی بھی نظر آ رہی تھی۔

منچھر جھیل

۲۸ کو ہم منچھر جھیل کے اندر سے چار ڈنڈیوں یعنی ڈونگیوں کے ذریعہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے جو ہم لوگوں کو دو میل فی گھنٹہ کے حساب سے لے گئیں۔ میں دل سے خوش ہوا کہ اس منحوس مقام سے نجات ملی۔ اور بزور اس فارسی مثل کو اس جانب رخ کر کے پڑھا۔ اے چو منچھر داشتی چرا دوزخ ساختی۔ مجھے افسوس ہے کہ انسان کو غیر زبان میں بعض قابل اعتراض باتیں کہنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ یہ مثل جو فارسی میں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کسی قدر انگریزی میں کفر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے لیکن اگر یہ مثل استعمال کی جائے تو اس کا پورا اطلاق منچھر پر خوب ہوتا ہے۔ اس میں ایک نفرت انگیز بدبو بوجہ بند پانی کے ہے اور بہت سا حصہ اس کا صحرا میں خشک رہتا ہے اس کے وسیع قطعوں میں لمبی گھاس اور سرکنڈا ہے جہاں مچھر بکثرت رہتے ہیں اور گندی ہوا اور سڑی مٹی سے تمام کیڑے اتنے ہی زہریلے ہوتے ہیں جتنے کہ قدیم دریائے نیل کے باشندوں کا بیان ہے۔

اس ناپاک جھیل کی لمبائی پچیس میل اور چوڑائی پندرہ میل ہے۔ مغربی کنارہ کسی قدر پُر فضا ہے۔ لیکن اس کی فضا ویرانی کی ہے۔ دُور دور اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ درختوں کے جھنڈ سے مسجد اور سفید مینار چمکتے نظر آتے ہیں۔ دوسرا کنارہ بدنما اور ہموار ہے۔ اس میں مچھلیاں اور مرغابیاں بکثرت ہیں۔ یہ عمیق پانی میں کنول کے چوڑے پتوں پہ انڈے دیتی ہیں۔ میں نے سیاہ رنگ کے تین انڈے جو قد میں مرغی کے انڈے کے تین چوتھائی کے برابر اس طور پر رکھے دیکھے۔ شب کو ہم لوگوں نے نارہ دریا میں لنگر ڈالا جو جھیل سے چھ میل پر ہے۔ معاذ اللہ کیسی رات تھی۔ میں اُن لوگوں سے جو ایک صاف و سرد انگریزی بستر کی راحت کا لطف اٹھانے والے ہیں جن کو دبے پاؤں مسہری کا پردہ اٹھا کر فوراً اس کے اندر داخل ہو جانا اور اُسے بند کر کے اپنے کو باریک ململ میں چھپا لینا نہیں پڑتا ہے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ذرا بغور سوچیں کہ ہم ہندیوں کو کیا تردد اُٹھانا پڑتا ہے۔

سندھ کی گرمی

ہیروڈوٹس نے کہیں لکھا ہے کہ افریقہ کی اصل گرمی جس کا درجہ سب سے اونچا قرار

دیا گیا ہے وہ ہے جب بغیر لوپشش اور بلا حرکت کے انسان کے جسم سے بے حد پسینہ نکلے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہی ہم لوگوں کی حالت تھی۔ بندہ رات بھر پنکھا جھلاتا رہا جس سے دم گھٹ کر مرنے سے بچا اور بے شمار مینڈکوں کی آواز اور کروڑوں مچھروں کی شہنائی سنتا رہا۔ یہاں ایک نئی بلا بھی مجھے نظر آئی۔ یعنی ریت کی مکھی۔ مچھر تو ایک دراز قد دُبلا پتلا آوارہ جانور ہے جس کی غمگین اور ناہموار بھن بھناہٹ سے اسی قدر طبیعت منتشر ہوتی ہے جس قدر کہ اُس کے ڈنک مارنے سے۔ لیکن ریت کی مکھی ایک چھوٹے پروں کی بیہودہ چیز ہے جو خوش خوش ادھر اُدھر اڑتی پھرتی ہے اور جب تک آپ کو ستاتی رہتی ہے نہایت ہی شاداں و فرحاں معلوم ہوتی ہے۔

۹ ہر کو سولہ میل چل کر ہم لوگ مقام (غلام حیدر) کے کوٹ میں پہنچے۔ سیلاب کی وجہ سے یہ جگہ ایک وسیع دلدل معلوم ہوتی تھی۔ اکثر مقامات میں ہم کو کھڑ سرکنڈے اور جنگل کے کچھ نظر نہ آیا لیکن کہیں کہیں کاشت کاری بھی دکھائی دی۔

بھاولپور کی حالت

۱۰ ہر کو بیس میل طے کر کے بھاولپور میں داخل ہوئے جو ایک مجموعہ ڈربوں اور جھونپڑوں اور ریچھوں اور کتوں کا ہے۔ یہاں بھی مٹی اور موضعوں کے جو مجھے دریا کے کنارے نظر آئے۔ سخت بارش ہونے کا ثبوت گرے ہوئے جھونپڑوں سے ملتا تھا۔ بہتیرے لوگ اپنے بستروں پر سوتے ہیں جو اونچے ستونوں سے آویزاں ہیں ان پر چڑھنے کے لئے کسی قدر مشق درکار ہے خاص کر مستورات کو۔ خیال کیجئے کہ کوئی کم سن شوہر ایک بانس پر چڑھ رہا ہو اور دوسرے بانس پر اس کی بیوی جا رہی ہو تو کس قدر مشقت پڑے گی۔ یہ خیال ہی نہایت خوب ہے گرمی اب تک برداشت کے قابل نہ تھی اور نہ مچھر برداشت کئے جا سکتے تھے اس پر طرہ یہ تھا کہ ایک مختصر گندی کوٹھری میں بند رہنا پڑا جس میں مکھیاں اور مصیبت کے دوسرے لوازمات جمع تھے۔ اس وقت انسان کو مجبوری ہوتی ہے کہ ملاحوں کو دق کروائے اور منت اور وعدہ اور دھمکی سے جہاں تک ہو کام لے۔ اس کے علاوہ یہاں لوگ کسی مقام پر بکرا کہیں آٹا۔ کہیں مچھلی مانگنے سے نہیں چوکتے۔ جہاں دیکھئے یہی صدا آتی ہے۔ دیکھئے یوں کیجئے۔ اگر کسی موضع میں ٹھہریئے تو کوئی لمبی ڈاڑھی والا فقیر آئے گا اور آپ کو پیغمبر کے نام پر کچھ دینے کو کہے گا

ان کا قول ہے کہ جس نے ہم کو دیا گویا خدا کو دیا۔ اگر آپ نے اُسے کچھ دیا تو اُس نے مُنہ بنا کر لے لیا اور اگر نہ دیا تو ہزاروں بد دعائیں دیتا چلا گیا۔

سندھ کے گاؤں

۳۱ر کے سفر میں ہم لوگ کئی موضعوں سے گذرے مثلاً سون۔ میانی۔ کھہرا وغیرہ اور جھوسیہ میں تیس میل جا کر ٹھہرے جو معمول سے کچھ اچھا موضع نظر آیا۔ سندھ بھر میں یہی ایک جگہ ہے جہاں میں نے عورتوں کو اجنبیوں سے باتیں کرتے دیکھا۔ مگر یہ کہ بعض نے ملاحوں سے گفتگو کی، جو شاید شناسا تھے۔ میں نے اپنی کوٹھری سے جو یکایک سر نکالا تو ایک نہایت ہی حسینہ عورت سے لگ گیا جو اپنا گھڑا پانی سے بھر رہی تھی۔ اس کا چہرہ کتابی تھا اور آنکھیں ہرن کی سی تھیں۔ واقعی وہ حسن کی پتلی تھی۔ اُس نے فرنگی کو خوب گھور کر دیکھا اور مجھے اُس وقت اپنے دوست مسٹر لپسٹنس کا خیال آیا کہ اگر وہ موجود ہوتے تو اُس کی تصویر کھینچ لیتے۔

فتح پور اور خیرپور کے قصبات

یکم اگست کو دس میل فتح پور اور خیرپور سے آگے گئے جو نہایت ہی خوش نما گاؤں ہیں۔ یہاں ملک کی حالت عمدہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ جنگل کم ہے خشکی اس قدر نہیں اور جھیل اور نارہ کے پہلے چالیس کوس کی زہریلی ہوا سے محفوظ جگہ ہے۔ ایسی جگہ ایک دستہ ۲۶ر نومبر کو ہندوستانی پلٹن کا مل جو اسباب کے ساتھ محافظت کے لیے جاتا تھا۔ وہ اس مقام تک ٹھٹھہ سے دو مہینے اور آٹھ دن میں پہنچے تھے۔ ہم لوگوں نے ایک سندھی کو قیمت دے کر دودھ خریدنا چاہا۔ لیکن اُس نے نقد نہ لیا اور سیر بھر چاول کے بدلے دودھ دیا۔ ایک نے اپنی مرغیوں کے بدلے میں ایک بوتل مانگی۔ یہ بہت سستی ہیں چار چار پیسے جو قریب پانچ فاردنگ کے ہوئے۔ ایک روپیہ کا گیہوں یہاں آٹھ پائی ملتا ہے یعنی سولہ سیر۔

پرکوگوٹ میں قیام

۲ر اگست کو ٹنا اور پلو سے تھرلی کو گئے جہاں تو ملاحوں کو بڑھا کر راہ میں اور ریرکسے پرکوگوٹ پہنچے اور وہیں قیام کیا۔ تھرلی ایک اچھا گاؤں ہے بعضے سندھیوں نے دریافت کیا کہ کشتیوں میں توپ بھی ہے۔ بہت سے وہ آگے نہ آئے۔ ایک ملاح ٹنڈیل کے مارنے سے بھاگ گیا۔ اُس نے پھر پیشگی مانگی اور خدا کو گواہ دے کر کہا کہ میرے پاس روپیہ

نہیں ہے ۔ یہی جمعدار نے بھی کہا جس کو سر آئے برنس نے سفارشی خط دیا تھا ان دونوں نے سہوان میں ایک ایک تھیلی سو سو روپیہ کی اس وقت نکالی جب کہ وہ سمجھے کہ میں دیکھتا نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ جو لوگ پہلے سندھ گئے اُنھوں نے بڑی رقمیں دے کر سخت غلطی کی کیونکہ اس سے یہ خیال ہو گیا کہ ہر ایک فرنگی کے پاس قارون کا خزانہ ہے ۔

موضع جٹلیا

۳ رکو بیس میل دریا کے بہاؤ پر گئے جو برابر گھومتا گیا ہے ۔ نقشہ میں آپ کو سیدھا خط نظر آتا ہے ۔ جو نہایت چھوٹا اور صاف معلوم ہوتا ہے ۔ اُسے آپ نے پیمانے سے ناپا اور انٹی میل پایا اور بیس میل اور پہاڑ کے بیچ رکھ لئے ۔ مگر فاصلہ درحقیقت دو سو میل سے زیادہ ہے اس پر طرہ یہ ہے کہ ہوا جو پاؤ میل تک اچھی رہتی ہے ایک ہی خم کے بعد دوسرے میل تک گندی ہو جاتی ہے اور تین یا چار فرسنگ تک محنت کرنے کے بعد جہاں سے آپ روانہ ہوئے تھے وہاں سے سیدھے خط میں آپ پاؤ کوس ہی تک گئے ۔ اب ہم لوگ دو موضعوں سے جن کا نام جٹلیا تھا ۔ میر نور محمد خاں کے ایک اصطبل سے گذرے جس میں بیس گھوڑوں سے زیادہ نہ تھے اور جس گاؤں میں وہ تھے نہایت مفلوک الحال تھا

سندھی ملاحوں کے دیہات

۴ رکو بیس میل اور نارہ دریا کے طے کئے کناروں پر چھوٹے چھوٹے بہت سے گاؤں میانوں یعنی سندھی ملاحوں کے ہیں ۔ جن سے جہازیوں کی جماعت بخوبی بھرتی ہو سکتی ہے ۔ بشرطیکہ دریا سندھ کی تجارت اس درجہ کو پہنچ جائے جس کی ہم لوگوں کو امید ہے ۔ ایک بڑے موضع سے کچھ آگے بڑھ کر جو بکرو کہلاتا ہے مقام کیا ۔ کپاس کے کھیت ہر جانب تھے اور ایرانی چرخے ہر جانب چل رہے تھے گرمی کسی قدر کم ہو گئی ۔

۵ رکو پندرہ میل چلے ۔ مہرپور اور مہلاسے آگے بڑھ گئے ۔ آخری جگہ سرختہ کے متوازی ہے مہرپور میں میر زاہد ملاحوں کا سردار مع اپنے گروہ کے باوجود میرے سمجھانے کے الگ ہو گیا ۔

۶ رکو دس میل پر ایک مقام کیا ۔ لیکو میں گئے جو ایک صاف موضع تھا اور جہاں بھینس گائے اور بکری کے بہت سے گلے نظر آئے ۔ اس جگہ فارغ البالی کی صورت دکھائی دی اور یہاں

جس وقت میں کنارے پر اپنے آہستہ چلنے پر مایوس ٹہل رہا تھا ایک قاصد خط لے کر شکارپور سے آیا۔

موضع سہرابانیوں میں قیام

۷ رکو دس میل اور نارہ دریا کے طے کئے اور بہت سے گاؤں سے گذرے۔ دو شخص موتی کے ساتھ کے چل دیئے۔ شب کو چار پانچ میل دور گئے۔ پانی نہایت گہرا اور تیز بہہ رہا تھا جو اس امر کا ثبوت تھا کہ ہم لوگ سندھ دریا کے قریب پہنچتے جاتے ہیں جسے سندھی میٹھے پانی کا سمندر کہتے ہیں یہاں ہم لوگوں کو ایک بڑا کشتیوں کا ملا جن میں سے بعض نے لنگر اٹھایا اور ہمارے ساتھ دریا میں چل نکلے۔ جس کشتی کی مسٹر ڈ ڈ نے سفارش کی تھی، اس کے ملاحوں کی نامعقول حرکت سے ناراض ہو کر میں نے چھوڑ دیا اور گھوڑوں کی کشتی پر سوار ہو کر سرخنہ کی نہر میں داخل ہوا اور ایک بڑے موضع مداجی سے گذر کر سہرابانیوں کے ایک موضع میں لنگر کیا۔ طپش بہ شدت تھی۔

مکانا نہر کا سفر

۹ رکو دو میل مکانا نہر کے دہانے کی جانب گئے جہاں باد مخالف نے ہم لوگوں کو دن بھر روک رکھا۔ نہر کے دہانے کے سامنے ایک تیز سوتا بہتا ہے اور پانی کی قوت کسی قدر بائیں کنارے سے آگے بڑھ کر کم ہوتی ہے۔ یہاں اور جگہوں سے توڑ زیادہ ہے۔ اور درختوں کے تنے اور جھاڑیاں اور مردہ مویشی اس میں پڑ کر سخت چکر کھاتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو غلام حسین کا کوٹ کہلاتا ہے۔ یہاں سے میں نے ایک قاصد سکھر کو روانہ کیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہاں کے ملاحوں کو ان دنوں کی تعداد بتانے میں شک رہتا ہے جن کے اندر انھیں سفر ختم کرنا ہوتا ہے۔ وہ ٹھیک حساب نہیں کرتے جس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنا ہمیشہ مصیبت یا زیادہ عرصہ کا باعث ہوگا۔

سکھر کو روانگی

۱۰ رکو میری دوسری کشتی بھی آگئی اور جب وقت صبح ہوئی اس نے توڑ سے گذر جانے کی کوشش کی۔ مگر پیچھے پھینک دی گئی۔ اس وقت ہم لوگ کشتی سے اتر پڑے اور انھیں کھینچ کر دور بہاؤ پر لے گئے تاکہ اسے عبور کر سکیں اور اس توڑ کے صدمہ سے کسی قدر

بچ نکلیں چنانچہ ہم لوگوں نے عبور کیا مگر جیسے ہی تھکے ہوئے پانی میں پہنچے کشتیاں ایک بڑی لہر کی ضرب میں زمین پر چڑھ گئیں۔ آخرکار ہم لوگوں نے انھیں وہاں سے الگ کیا اور وہ لہر کو عبور کر گئیں۔ جس وقت ہم لوگ بھنور میں پہنچے جو سیاہ ادریہیں سے معمور ہو رہا تھا تو ملاحوں نے اپنے سرپرست ولی کا نام لینا شروع کیا۔ "دم الحق دم الحق" اور پھر جب خطرے سے باہر نکلے تو بھی یوں ہی چلائے۔ میں بابا حق کو ماننا اپنا فرض تصور کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے ہماری اتنی ہی مدد کی جو انگلستان کے ولی سینٹ جارج یا دوسرے کوئی کرتے۔ واقعی میں نے کہیں ایسا سخت توڑ نہیں دیکھا اور نہ اس قدر بڑی لہر دیکھی جو یہاں ٹکر کھاتی ہے۔ ہم لوگ سالیانی وسوتری دجلی سے گذر کر سید آباد میں جا کر ٹھہرے یہاں سے بکھر کا قلعہ صاف نظر آتا ہے۔

سکھر میں قیام

۱۱رکو میں سکھر میں اترپڑا جہاں میری قسمت میں ۱۰ر نومبر تک مصیبت جھیلنی لکھی تھی۔ میں نے پولیٹیکل افسروں کو دیکھا کہ دریا کے کنارے خیموں میں کھجور کے درختوں کے باغ کے اندر جو پست اور ویران پہاڑیوں کی قطار سے گھرا ہوا تھا، ٹھہرے ہوئے ہیں ان کی چوٹیوں پر مسمار قبروں اور مسجدوں کے مسالے کے تودے لگے ہوئے تھے۔ اس قطار کے سرے پر صرف ایک دیوار باقی تھی جو نہایت بلند تھی اور سامنے شوخ رنگین دو چھوٹی چھوٹی محرابیں تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کسی مغلیہ شہزادی کے مقبرے کی دیوار ہے۔ میں وہاں قرب وجوار کی آلائشوں سے نکل کر پہنچا اور یہ سوچا کہ یہاں میرے رہنے کی جگہ بہ نسبت نیچے کے تپتے خیموں سے بہتر ہو سکتی ہے۔ ان خیموں میں تھرمامیٹر ہر روز ایک سو پانچ درجہ پر رہتا تھا۔ اور بار بار بخار کے آنے سے مجھے خیال ہو گیا تھا کہ اوپر جو انبار گندگیوں کا ہے اس کا صاف ہونا مشکل ہے حالانکہ سب کو اس کی خواہش تھی کیونکہ جو ہوا کہ اس خطہ سے ہو کر آتی تھی اس میں کچھ اور بو شامل رہتی تھی۔

بکر کا جزیرہ اور روہڑی کے قصبات

میں نے چند ملاحوں اور ہر قسم کے بیگاریوں کی مدد سے تھوڑی سی زمین صاف کرائی اور ان دونوں محرابوں کے درمیان میں ایک چھپر ڈال دیا اور اس جماعت میں پہلا مکان دار میں ہوا۔ تین سال تک جب تک

کہ میرا قیام سندھ میں رہا اُس عمارت میں کوئی نہ کوئی ضرور رہتا تھا۔ اور یقین ہے کہ اب تک کوئی رہتا ہوگا باوجود چلپش کے سکھر ایک دلچسپ جگہ ہے۔ ایک ہی نظر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس مقام پر کیونکر تین قصبے آباد ہوگئے ہیں۔ بکر کا جزیرہ جس کے چاروں جانب عمیق اور زور و شور کا پانی ہے ایسا ہے جسے ایشیائی لوگ سدسکندر تصور کرتے تھے۔ اس میں قلعہ بنایا گیا اور وہ جگہ نہایت مشہور ہوئی۔ اور سندھ اور دریائے سندھ کے جنوبی حد کی کنجی تصور کی جانے لگی۔ اُس کے دو جانب روہڑی اور سکھر کے قصبے بس گئے۔ اپنے تفریح کے وقت میں ان قصبوں کے گرد و نواح کے ویرانوں اور مسجدوں میں گشت کرنے کا شایق تھا۔ میں نے اُن سے گذشتہ زمانے کے حالات حاصل کرنا چاہے۔ لیکن کامیابی کم حاصل ہوئی۔ سچ پوچھئے تو صرف سکھر ہی نہیں بلکہ پورے ملک سندھ کے حالات ماضیہ کے تحقیق کی تلاش کے لئے ایک تنگ میدان ہے اور بہت کم یادگاریں ایسی ہیں جو مورخ کے مصرف کی ہوں۔

سکھر کی قدیم تاریخ

ہرچند کہ دریائے سندھ اس ملک میں بہتا ہے اور ہندوستان پر حملہ کرنے والے کی فوج اس ملک سے گذری ہے۔ مگر کوئی تمیز زمانہ گذشتہ کی ایسی نہیں ہے جو سیاح کو سنین ماضیہ کی یاد دلاتی ہو یا اس تاریکی کے دفع کرنے میں اس کی مدد کرتی ہو جس میں اس ملک کی ابتدائی تاریخ پوشیدہ ہے۔ سندھ کے کسی زمانے میں نہایت مشہور شہروں کا مقام بھی اس وقت متنازعہ فیہ ہے اور گو کہ شاید آٹھ ہی سو برس اس کو ہوئے ہوں گے جب کہ الور یا برہمن آباد نہایت عروج پر تھا تاہم کوئی تاریخ اس کے باشندوں کی موجود نہیں ہے۔

اور زبانی مہمل روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ویرانے اس وقت نظر آتے ہیں وہاں ہزارہا بندگان خدا رہتے تھے اور وہ سلطنت کا پایہ تخت تھا چچ نامہ اور معصوم نامہ میں کوئی ذکر اُس وقت کا نہیں ہے جو سکندر کے حملہ اور خلفاء کے جرنیلوں سے سندھ کے فتح ہونے کے درمیان میں گذرا بجز اس کے کہ چند بادشاہوں کے نام ہیں اور کچھ روایتیں۔

ہم لوگوں کو کوئی رہنما نظر نہیں آتا جو اُن تغیرات کو بتائے جو اس وقفہ میں ہوئے اور اگر

زمانہ حال کی تبدیلیوں کے لحاظ سے بحث کی جائے تو معمولی عظمت و شان کی نہ ہوگی۔ بس اُن قطعات کے قدیم جغرافیہ کی نسبت خیال دوڑانا جو دریائے سندھ کے کنارے پر تھے اور قیاسات کو دخل دینا جو محض بے بنیاد ہیں، عبث ہے۔ رہا الور جو کسی وقت میں سندھ کے ہندو راجاؤں کا پایہ تخت تھا۔ اس کی نسبت کسی قدر واقفیت حاصل ہو سکتی ہے اور باتوں میں یہ بھی ممکن نظر آتا ہے کہ جس وقت دریائے سندھ نے اُس قدیم شہر کو چھوڑ دیا اور ایک نئے سوتے سے روہڑی اور سکھر کے بیچ ہو کر بہا اُس کی تاریخ کا تعین ہو سکے۔

روہڑی کی مسجد خواجہ خضر کے چھوٹے سے جزیرے میں روہڑی کے سامنے ایک مسجد ہے جس کی صورت سے قدامت ظاہر ہے اس عمارت میں یہ کتبہ ہے جسے میں نے ایک گشت لگا کر دیکھا اور لکھ لیا۔ "جان لو کہ جب یہ دربار تیار ہوا آب حیات اس کے گرد و نواح میں تھا۔ خضر نے اپنی نظم میں لکھا ہے کہ اس کی تاریخ خدا کا دربار ہے۔ ۳۴۱ھ"

اگر یہ تین سو اکتالیس ہجری صحیح ہو تو مسجد ۹۵۲ء میں تعمیر ہوئی۔ یعنی ڈھائی سو برس ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے کے بعد۔ اگر اس تاریخ میں کوئی غلطی ہو تو اُسے دانستہ سمجھنا چاہئے کیونکہ حرفوں سے مادۂ تاریخ وہی نکلتا ہے۔ جو ہندسوں میں جو لوگ اسے نہ جانتے ہوں وہ جان لیں۔ کہ عربی کے ہر ایک حرف کے لئے ایک عدد مقرر ہے۔ پس جب عمارت کی بنا۔ یا کسی کتاب کی اشاعت کی تاریخ کا آئندہ نسل کو جتانا منظور ہوتا ہے تو اس کا ایک ایسا نام رکھ دیا جاتا ہے کہ جس کے حرفوں کے اعداد کے جمع کرنے سے اس کے اختتام کا سنہ نکل آتا ہے۔ اگر یورپ میں بھی یہ طریقہ جاری ہو جائے تو حافظہ کو بہت کچھ تکلیف سے نجات ملے گی۔ اس وقت انسان کو صرف اس قدر کرنا ہوگا کہ کسی عمارت کا نام دریافت کر لیا اور اس کا سن تعمیر معلوم ہو گیا اور کوئی شخص جو کسی مشہور عمارت کا ذکر کرے گا تو اُسے وہ وقت بھی فوراً یاد آ جائے گا جب وہ پہلے پہل تعمیر ہوئی۔

جزیرہ خواجہ خضر (روہڑی) اس کتبہ کی تصدیق روایتوں سے اور دوسرے امور سے بھی ہوتی ہے

جو محقق کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً لوگوں میں مشہور ہے کہ ایک گڈریے نے جس کا نام باجی تھا اور جس کا جھونپڑا اس جگہ پر تھا جہاں اب باجی کا محل ہے، جو قصبہ روہڑی کے محلوں میں سے ہے۔ کچھ فاصلہ پر ایک شعلہ نکلتے دیکھا اور یہ خیال کرکے کہ کسی مسافر نے آگ جلائی ہوگی اُس نے اپنی بیوی کو آگ لانے کے لئے بھیجا۔ مگر جب وہ اس کے قریب جاتی تھی وہ (شعلہ) کچھ جاتا تھا یہ دیکھکر وہ واپس آئی اور اپنے خاوند سے اُس کا حال کہا۔ اُس کو عورت کے کہنے کا اعتبار نہ آیا۔ چنانچہ وہ خود گیا اور اُس وقت اُسے یہ اعجاز نظر آیا۔ جسے دیکھکر عبرت ہوئی اُس نے ایک تکیہ وہاں بنایا اور بطور فقیر کے وہاں کی مجاوری کرنے لگا۔ اس کے بعد ہی دریائے سندھ نے اپنا رُخ بدل دیا اور الور کے پاس سے ہٹ کر اُس زمین کو گھیر دیا جہاں باجی کا تکیہ تھا اور جسے اب جزیرہ خواجہ خضر کہتے ہیں۔

سات پاک دامن بیبیوں کا جزیرہ

چچ نامہ میں ایک اور قصہ ہے جس میں بیان ہے کہ الور کا راجہ چاہتا تھا کہ اپنے شہر کے ایک تاجر کی حسینہ لڑکی کو اپنے قبضہ میں لائے۔ اس کے بدقسمت باپ نے آٹھ دن کی مہلت لی اور وہ زمانہ صوم وصلوٰۃ میں بسر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے اُسے مع دولت اور اُس کی لڑکی کے جزیرہ خضر میں پہنچادیا اور دریا نے بھی شہر الور کو چھوڑ دیا یہ علاقہ اُس راجہ کے ظلم کے باعث غضب الٰہی میں گرفتار ہوا۔ چاہے ان روایتوں کی صداقت کیسی ہی کیوں نہ ہو ان کی موجودگی سے یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ کتبہ اصلی ہے۔ یہ بھی نظر آتا ہے کہ روہڑی اور سکھر کی قبروں میں گو کہ بہت سی اکبر کے عہد کی ہیں بعض ایسی بھی ہیں جن کی قدامت کتبہ کی قدامت کو پہنچتی ہے۔ بکر کے قلعہ کے نزدیک بستی کے ٹاپو میں جسے سات پاک دامن بیبیوں کا جزیرہ بھی کہتے ہیں یہ کتبہ ہے کہ سعید الدین جو شریف خاندان اور عقل و دانش میں کامل اور بے مثل تھے ان کی روح اس خانہ خاکی سے فردوس بریں کو سدھاری۔ جب میں نے سنہ وفات دریافت کیا تو دل نے صدا دی کہ میر جو میرے دل کا مالک تھا فردوس کا باشندہ ہوا۔

کتبہ کی تاریخ

اس سے تاریخ ۳۸۲ ہجری نکلتی ہے۔ جو اس قسم کی یادگار کے لئے بہت ہی بڑی قدامت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس معاملہ کو بار بار تحقیق کیا تاکہ اگر میں ان کا ذکر کردوں تو کوئی پُرانا سندھی غلط نہ ٹھہرائے۔ بلکہ میں نے اپنے بوڑھے مسلمان منشی اور اپنے سنجیدہ دُبلے پتلے خزانچی کو، جو حساب میں ایک کوڑی کا سواں حصہ بھی نہ چھوڑتا تھا ایک ساتھ اعداد کو جوڑنے کے لئے کہا مگر دونوں نے تاریخ مندرجہ بالا کی صحت میں مطابقت کی۔ ہم اسے بخوبی صحیح تصور کر سکتے ہیں۔

جزیرہ خضر کی مسجد کا کتبہ

قبر کی حالت سے نہایت قدامت برستی ہے اور اس کے لحاظ سے تاریخ پر یقین ہو سکتا ہے۔ وہ جزیرے کے مشرقی کنارے پر ہے اور نہایت مسمار ہے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ دریائے سندھ نے اپنا رُخ الور سے روہڑی کو سنہ ۳۴۱ھ میں جیسا کہ جزیرہ خضر کی مسجد کے کتبہ میں لکھا ہے بدلا۔ اور اُس کے بعد ہی وہاں کے لوگ روہڑی کو آنے لگے۔ غالباً ان میں سیّدوں کا خاندان بھی یہاں آیا جس میں ایک کی قبر پر خضر کی مسجد کے پندرہ سال بعد کی تاریخ لکھی ہے۔ اگر آٹھ سو برس کی قدامت روہڑی سکھر یقین کی جاتی ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کی بنا کو بہت دور زمانہ گذشتہ میں قائم کیا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کئی صدیاں گذریں اور دونوں مقامات دولت اور شہرت کے لحاظ سے بڑے عروج پر تھے اس کی تصدیق اُن بہت سی قیمتی تعمیرات سے ہوتی ہے جو قبل اور درمیان عہد سلطنت اکبر کے تعمیر ہوئیں اور نیز سیدوں کے یہاں آکر آباد ہونے سے جو اس ملک میں بہت دور کے ملکوں سے آئے۔

اکبر نے سندھ کو سنہ ۱۵۶۳ء میں فتح کیا اور گو کہ قریب تین صدیوں کے گذر چکے ہیں تاہم جو عمارتیں اس کے عہد سلطنت میں بن چکی ہیں وہ ظاہراً اُن تمام عمارتوں میں بہت ہی جدید معلوم ہوتی ہیں جو دریائے سندھ کے دونوں جانب کی پہاڑیوں پر ہیں۔ روہڑی کی جمعہ مسجد جس میں یہ کتبہ ہے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے "اپنے وقت کا خسرو اور دین کا پشت پناہ اکبر شاہ تاج کا بخشنے والا اور ملکوں کا فتح کرنے والا۔ ایسا بادشاہ جس کی فوج مثل ستاروں کے ہے اور جس کا پایہ تخت آسمان

ہے جو شریعت کا محافظ۔ اور اپنے زمانے کا پیشوا ہے جس کے خدام قیصر و فغفور کے برابر ہیں اور جس کے امرا خاقان تور کے مساوی ہیں۔ تیرا ادنے" خادم شاہ جمشید کا مشابہ روح کا رہنما مثل بمند کے فیاض سخاوت کا رکن اور فائدوں کا ذخیرہ ہے۔ فتح خاں نے جس کی خوں ریز شمشیر نے بیداد کی جڑ کھود ڈالی اس مسجد کو آسمانی معاوضہ کے بدلے اور عمدہ مکان بہشت میں پانے کی امید میں تعمیر کرایا۔ یہ وہ جگہ ہے جس سے مثل کعبۂ مقدس کے دل بڑھتا ہے اور مثل باغ جناں کے روح کو فرحت ہوتی ہے خدا کرے کہ یہ مدتوں تک جوں کی توں قائم رہے۔ میں نے اُس کی تاریخ کی دل میں تلاش کی تو یہ عبارت نکلی کہ خان نے اس مسجد کو تعمیر کیا اور دنیا کو الوداع کہا۔

سکھر کی عمارات کے اکبری کتبے | ایک اور مثال ایک چھوٹی سی گنبد نما عمارت سے پائی جاتی ہے۔ جس کے ایک حصے میں ایجنسی کا دفتر سکھر میں ہے۔ یہ بھی اکبر کے وقت کی ہے۔ مگر صورت سے بالکل جدید معلوم ہوتی ہے۔ اس پر اس مضمون کا کتبہ ہے: "اس بادشاہ اعظم نے خلافت کے عہد میں جو معز شاہنشاہ دین کی آب و تاب ہے۔ یعنی محمد اکبر بادشاہ جو کفار کا ہلاک کرنے والا ہے خدا اُس کی سلطنت کو قایم رکھے اس عمارت کو عمدہ کاموں کے لئے امیر محمد معصوم بن سید صفائی رئیس بکر نے جملہ مسلمانوں کے عام فائدے کے لئے بنایا۔ جو کوئی اس عمارت کے اندر قبر بنائے اُس پر قہر خدا و رسول و ملائک و حور عین کا نازل ہو ۱۰۰۱ھ" اُس کے مقابل میں ایک اور عمارت ہے جس پر ان مضامین کے اشعار کندہ ہیں: "پیاری جگہ جس سے مثل ناجیوں کے باغ کے مسرور دل کو بہشت کی خوشی پہنچتی ہے۔ رحمت کی جگہ تیری تاریخ اجنبی یہ کہکر تلاش کریں تو دل کا باغ ہے ۱۰۰۶ھ"۔

ان کے مقابلہ میں جو قبریں ایجنسی کے اوپر کی پہاڑیوں پر ہیں وہ بہت پُرانی معلوم ہوتی ہیں۔ اسی سبب سے ویرانے میں کوئی مقام کسی ہندو پرستش گاہ کا نہیں ہے حتیٰ کہ الور میں بھی جہاں ایک ہندو خاندان حکومت کرتا رہا کوئی نمونہ ہندو عمارت کا نظر نہیں آتا۔ البتہ چند مدور برج ہیں جو بہت پرانے معلوم ہوتے ہیں جن کا نقش و نگار دیوار تک نہایت ہی بھدا ہے لیکن یہ مسلمانوں کے مقبرے ہیں کیونکہ اندر کی قبروں کا رخ جانب مکہ ہے۔ جسے لوگ راجاؤں کا کوٹ اور محل بتاتے ہیں۔ وہ اس وقت ایک ٹوٹا ٹیلہ گرے

ہوئے مکانات کا ہے جن کی کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ ایک مقام میں جسے خیرپور کے سردار میر رستم خاں نے کھدوایا تھا ایک دیوار نہایت موٹی میرے قیاس کے مطابق بارہ فٹ کی نظر آئی۔ اس محنت کا امیر کو کوئی معاوضہ کسی چیز کے دریافت ہونے سے نہ ملا اور اس کام کو لوگوں نے ضعیف الاعتقادی سے چھوڑ دیا۔

عالمگیر کا محبس الور، روہڑی سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے اور راستہ ایک پل سے ہو کر گیا ہے جس کو بعض لوگوں نے بے جا قدامت سے منسوب کیا ہے۔ اس کو جس قدر پرانا یعنی دو سو برس کے باشندے بیان کرتے ہیں اُس سے زیادہ قدیم تصور کرنے کی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ ظاہر ہے کہ دریائے سندھ کی اصل سوتے پر نہ بنایا گیا ہوگا کیونکہ بیچ کی محراب کی بلندی صرف چودہ فٹ ہے اور اس کی کل لمبائی چھ سو فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اصل دریا جب الور سے ہٹ آیا تو عرصہ تک تھوڑا سا پانی پرانے سوتے میں بہتا رہا ہوگا۔ جس پر یہ پل یا تو معصوم یا اس زمانے کے کسی اور مخیر امیر نے بنوا دیا۔ پل کو عبور کرنے کے بعد ایک موضع ملتا ہے جس میں ساٹھ باشندے آباد ہیں ان میں سے دو تہائی مسلمان اور بقیہ ہندو ہیں۔ امیر اُن سے کم محصول لیتے ہیں اور وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار کو شکر گنج شاہ کے مجاوروں اور مریدوں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں۔ اس گاؤں سے ایک وسیع سلسلہ ویرانوں کا شمال و مشرق کے سمت میں چلا گیا ہے اس بڑے تودے میں کوئی کتبہ یا قابل لحاظ شے مل نہیں سکتی۔ بجز ایک خوش نما ویرانے کے جسے عالمگیر کا محبس کہتے ہیں۔

شکر گنج شاہ اور قطب الدین شاہ کے مزارات اور دو قبریں سیدوں کی جن میں ایک شکر گنج شاہ کا مزار اور دوسرا خلیفہ قطب الدین شاہ کا ہے۔ پہلے بزرگ کا مزار ایک مشہور زیارت کی جگہ ہے اور گرد و نواح کے لوگ وہاں مہینے میں دو بار زیارت کو جاتے ہیں۔ اُس پر کوئی گنبد یا مکان نہیں ہے بلکہ ایک سادہ سفید مزار ہے اور حاشیہ پر بیل بوٹے ایک قسم کے پھول کی وضع کے بنے ہیں۔ جن چیزوں کو اُن کے ماننے والوں نے بطور نمائش کے لاکر آویزاں کیا تھا۔ ان میں بعض کنٹرول کے کاک بھی تھے۔ مگر یہ اُن کے مصرف کی لاعلمی کی وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ جب میں نے مجاور سے بیان کیا کہ یہ اشیاء دراصل شراب کے برتنوں کی ہیں تو وہ نہایت ہی متفکر ہوا اور انھیں فوراً نکال کر

پھینک دیا اور اُس کا تمام الزام اپنی بیوی کے ذمہ عائد کیا اور کوئی بات مجھے الور میں نظر نہ آئی جو قابل لحاظ ہو بجز اس کے کہ دریا کے پیٹ میں دو پتھر ملے جن میں اس مضمون کا کتبہ تھا کہ انھیں معصوم نے دریا کے قدیم راستہ کو جتانے کے لئے نصب کیا ہے۔ اس لائق سید نے کئی تعمیرات روہڑی کے گرد و نواح میں بنائیں جن میں بہت کچھ صرف ہوا۔ وہ سکھر کیمپ میں نوے فٹ کے بلند مینار کی جڑ میں مدفون ہیں۔ کوسوں تک دور سے نظر آتا ہے۔ جو شخص اُس کے خاندان میں ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس نے اپنی آخری قیام گاہ اسی قبرستان میں بنائی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک

روہڑی کے لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے سر کا ڈیڑھ بال جسے لوگ موئے مبارک کہتے ہیں وہ ایک سونے کی نلی میں ہے جس میں بڑے بڑے یاقوت جڑے ہیں اور ان کے دکھانے میں بہت کچھ ظاہرداری صرف کی جاتی ہے۔ مجاور نے مجھ سے کیفیت ذیل ان کے روہڑی میں لائے جانے کی بیان کی تھی۔ وہ سنہ ۹۵۲ھ میں موئے مبارک کے مجاور مخدوم میاں عبدالباقی صدیقی استنبول سے سکھر میں تشریف لائے اور اُن مقدس چیزوں کے حقیقی ہونے کے اس قدر کافی ثبوت دیئے کہ اس زمانے کے جملہ اکابر اور دین دار لوگ مثلاً شاہ حیدر خفائی و مخدوم عبدالملک ان کی زیارت کو آئے۔ اُن کے بعد مجاور کا عہدہ حاجی محمد بن عبدالستار صدیقی کو ملا جس پر وہ اسّی برس تک قایم رہے اُن کے بعد شاہ حافظ محمد اسحاق مجاور رہے اور پھر حافظ محمد رضا اور حافظ محمد مراد حاجی محمد موصوف کے بیٹے اور اب مجاوری حافظ محمد اسحاق کے خاندان میں ہے۔

رحمٰن بلوچ ڈاکو

مجھے سکھر میں بہت دن رہتے نہیں گذرے تھے کہ مجھے وہاں کے وہ سارق قبیلے نظر آنے لگے جو ہمارے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ میرے پہنچنے کے چند روز کے بعد رحمٰن برڈی جو ایک مشہور ڈاکو تھا خود حاضر ہوا اور ہمارے یہاں پچاس روپیہ ماہوار پر نوکری کی۔ وہ ایک لمبا ترش رو شخص تھا لیکن ایک ہی ہاتھ رکھتا تھا دوسرے ہاتھ کو سندھ کے حاکموں نے اس خیال سے کٹوا دیا تھا کہ اب وہ چوری نہ کرے گا۔ مگر رحمٰن نے اس عمدہ کام میں اور زیادہ سرگرمی ظاہر کی۔ جوں ہی اُس کا زخم اچھا ہو گیا وہ پھر اپنے مشکی گھوڑے پر سوار ہوا اور پہلا کام یہ کیا کہ ہمارے یہاں کے ایک منشی پر حملہ کر کے اُسے

مجروح کیا اور مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اُس کے پانچ ایسے کاری زخم لگے تھے جس سے بجز اس کے دوسرا بچ نہیں سکتا۔ اس قسم کی بدمعاشیوں سے اُس نے وہ شہرت حاصل کی کہ اُس کے قتل کرنے کے لئے انعام مقرر کیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد شیر محمد خاں برڈی جو برڈی فرقے کا سردار تھا۔ پولٹیکل افسروں کی ملاقات کو آیا اُس وقت رحمٰن کی نسبت گفتگو چھڑی اور افسر نے اس بدمعاش کی گرفتاری کی بڑی خواہش ظاہر کی۔ سردار کے لوگوں میں ایک بلوچ نے جو عمدہ پوشاک پہنے تھا اور اس گفتگو میں شریک رہ چکا تھا اُس کی گرفتاری کی ضرورت سے اتفاق رائے کیا لیکن اپنا سر نہایت سنجیدگی اور ظاہرا بہت افسوس سے ہلا کر کہا کہ یہ کام نہایت مشکل ہوگا کیونکہ رحمٰن اتنا بڑا حرام زادہ ہے کہ اُس کا گرفتار کرنا ممکن نہیں۔ کچھ اور گفتگو کے بعد جلسہ ختم ہوا اور جب رحمٰن نے ہماری نوکری قبول کرلی اُس وقت معلوم ہوا کہ وہ وہی بلوچی تھا جس نے اپنی گرفتاری کے لئے اس قدر سرگرمی ظاہر کی تھی۔

بلوچیوں کے عادات وخصائل

لارڈ ہمبی کی طرح اس کا سر ہلانا اس کے بلوچی سامعین کے لئے پر معنی ہوگا اور بعد کو وہ سب ہنستے ہوں گے مگر بلوچی ہنس اور لوگوں کے ہنسوڑ نہیں ہوتے ان کا طریقہ بالعموم سنجیدہ ہے۔ بلکہ خشک اور جب کوئی شے انھیں متعجب کرتی ہے تو ان کے خیالات شاذ ہی لفظ واہ سے زیادہ کسی اور طور پر ظاہر ہوتے ہیں وہ عجیب وغریب قصوں کے سننے کے شائق ہیں اور وہ کیسے ہی ناقابل اعتبار کیوں نہ ہوں وہ کبھی شک نہیں ظاہر کرتے اگر اس میں جن یا ولی کا ذکر آجائے۔

پیارے خاں بلوچی کا واقعہ

ایک شخص نے ایک دن مجھ سے ایک قصہ قسمت کا کہا اور بیان کیا کہ میرے سامنے ہوا۔ قصہ یوں ہے کہ ایک شخص پیارے خاں بلوچی جمالی قبیلے کا ایک نوجوان ہونہار سپاہی تھا اُسے لوگ بڑا نشانہ باز سمجھتے تھے۔ اور چند ہی لوگ شمشیر بازی میں اس سے بڑھ کر تھے۔ کسی وجہ سے وہ اپنے دوستوں کی رائے کے خلاف مکران گیا کیونکہ ایک پیر نے کہدیا تھا کہ وہ وہاں سے لوٹ کر نہ آئے گا۔ پیارے خاں ان کے سمجھانے پر ہنسنے لگا اور اس بات پر راضی ہوا کہ جہاں تک ہوگا میں اپنے کو معرض خطر میں نہ ڈالوں گا۔ وہ گھر کو واپس آرہا تھا کہ کھجوروں کے درختوں کے ایک باغ سے گذر رہا جو اس ملک میں افراط سے ہوتے ہیں اور وہاں کسی کے دردناک چلانے

کی آواز سنی۔ اس نے اوپر دیکھا تو ایک شخص نظر آیا کہ وہ ایک لمبے درخت پر عرق نکالنے کے لئے چڑھا ہے۔ وہ پاؤں سے اس درخت کو لپٹا ہوا تھا جس کی وجہ سے اپنے کو ایک بڑے سانپ سے بچا نہیں سکتا تھا جو اس کے قریب پہنچ گیا تھا اور اُسے ڈسا ہی چاہتا تھا۔ پیارے نے اپنی بندوق ہاتھ میں لی لیکن اس کو خیال ہوا کہ وہ شخص جو سانپ کے سامنے ہے نشانہ نہ ہو جائے۔ اس شخص نے ابتدائے خوف کی حالت میں اس کو بندوق فیر کرنے کی آواز دی اور پیارے نے گولی اس قدر اندازے کے ساتھ لگائی کہ سانپ کے سر کے پار ہو گئی اور وہ فوراً مر گیا۔ جو شخص درخت پر تھا وہ جلد جلد نیچے اترا تاکہ اپنے بچانے والے کا شکریہ ادا کرے۔ مگر جب نیچے آیا تو اُسے مردہ پا کر نہایت گھبرایا۔ اس کا یہ سبب تھا کہ ایک ٹکڑا سانپ کے جبڑے کا جس میں زہریلا دانت تھا گولی سے اڑ گیا اور پیارے کے چہرے پر آ کر گرا جس سے اُس کا چہرہ زخمی ہو گیا اور زہر اس قدر تیز تھا کہ مکرانی کے اُترنے سے پہلے وہ قسمت کا شکار ہوا۔ میں نے اپنے منشی سے کہا کہ یہ قصہ عجیب قسم کا ہے۔ اُس نے کہا ہاں صاحب مگر یہ اُس کی قسمت میں لکھا تھا بس اور کیا کہا جائے۔

ایک بزرگ بلوچی کی پیش گوئی

واقعی بلوچی عجیب و غریب باتوں کے بڑے شائق ہیں اور ان کو نہایت مہمل خیال تعداد وقت و تاریخ وغیرہ کا ہے جس میں ہم فرنگیوں کو صحت کا بہت خیال رہتا ہے۔ ایک پولیٹیکل افسر نے جو بلوچی بولتا تھا (واقعی وہی اکیلا شخص بول سکتا تھا)، ایک بوڑھے سفید بال والے بلوچی کو جو رند قبیلے کا تھا، اور اُس وقت ایجنسی کے مکان بنانے کے لئے اینٹیں لئے جاتا تھا روک کر پوچھا کہ افغانستان پر انگریزوں کے حملہ کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس بڈھے نے سر ہلا کر کہا کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ تمہاری فوج لوٹ کر واپس نہ آئے گی۔ اس کے پہلے سات لاکھ آدمی ہندوستان سے کابل کے فتح کرنے کو گئے تھے مگر وہیں مر کھپ گئے! اسی طرح آپ کے سپاہیوں کا بھی حال ہوگا۔" جب اس سے پوچھا گیا کہ بتاؤ تمہارے نزدیک ہماری کس قدر فوج ہے تو اس نے جواب دیا کہ تین لاکھ یہ تعداد کے معاملہ میں ان کی صحت کا اندازہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

فرنگی فوج کے شیطان

ایک مرتبہ میں نے بگٹی قبیلے کے سردار بی برگ سے پوچھا کہ تمھارا کیا سن ہے۔ تو اُس نے بے تکلف کہا کہ ایک سو بیس سال حالانکہ بہت زیادہ سے زیادہ اس کا سن ستر برس کا ہوگا مگر اس سن پر بھی وہ جوان معلوم ہوتا تھا کیونکہ اب تک اس کے بال کالے اور آنکھیں چمکیلی تھیں۔ بلوچی اُن افسروں کے پاس بہت آیا کرتے تھے جو اُن سے لطف کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور جب دوسرا کام ہوتا رہتا تھا تو گھنٹوں بیٹھے ہوئے صرف کارروائی دیکھا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری ہر شے ان کے لئے نئی اور دلچسپ تھی اور ہماری فوج میں قبیلوں اور ذاتوں کی آمیزش سے انھیں بڑا لطف آتا تھا۔ اسی بارے میں ایک بلوچی نے ذیل کی کیفیت ہم لوگوں کی نسبت اپنے قبیلے سے بیان کی۔ "فرنگیوں کی فوج میں کئی قسم کے شیطان ہیں۔ ایک شیطان جو کالا ہے بت پرست اور قابل نفرت ہے دوسرا گورے رنگ کا ہے جس کا کوئی مذہب ہی نہیں ہے اور تیسرا دین دار مسلمان ہے جو مثل ہمارے نماز ادا کرتا ہے۔"

سکھر کے بلوچ

سکھر میں جس قسم کے بلوچی ملتے ہیں وہ بالعموم بجز رحمٰن کے ایسے تھے کہ اس قوم کی نسبت ایک عمدہ خیال پیدا ہو سکتا ہے مگر اس خیال کی اُن خبروں سے تصدیق نہیں ہوتی جو روزانہ آنے کے ناکوں سے ان کی غارت گری لوٹ اور قتل کی آتی تھیں۔ سکھر کے قریب جو قبیلہ رہتا ہے اس کے خاص الخاص اوصاف بہت زائل ہو گئے تھے۔ کوسا کے لوگ جوان کے قبیلہ کا نام ہے جس کے معنی "ڈاکو" کے ہیں اور جس کے لینے میں بدشگونی سمجھی جاتی تھی۔ لوگ اب امن و امان کے ساتھ کاشت کاری کرتے تھے اور باوجودیکہ اپنے ساتھ تلواریں اور لڑائی کے سامان رکھتے تھے اور ان کا مصرف میں لانا نہیں بھولے تھے تاہم صرف اپنے مویشیوں اور اونٹوں کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے۔ ان کے سردار قادر بخش نے جو نہایت ہی وجیہہ جوان تھا اور جس کی صورت نہایت حسین اور آواز باریک تھی، بہت ہی کم جنگی سرگرمی ظاہر کی اور بخوشی اُس نے ہم لوگوں کے ساتھ اپنے قبیلے سے ایک دستہ سواروں کا دینے کا وعدہ کیا جو سکھر اور شکارپور کے درمیان خطوط

پہنچاتے تھے اور اُس ضلع میں بطور پولیس کے سواروں کے کام دیتے تھے۔

اس زمانے میں ان لوگوں سے ہمارا بڑا کام نکلا اور جو خفیف تنخواہ اُن کو ملتی تھی اس سے زیادہ کے وہ مستحق تھے کیونکہ علاوہ خاص خدمت انجام دینے کے ان کی مثال سے اور ضلعوں کے رہنے والے شرارت نہ کرنے پائے اور اُن کو ہم سے درستی چال چلن پر تنخواہ اور ملازمت پانے کی امید ہوئی۔ اس طریقہ سے اور اس بنیاد پر کارروائی کرکے ایک دستہ پولیس کا اُس افسر نے رفتہ رفتہ تیار کیا جس سے متعلق پہلے شمالی سندھ کا پولیٹیکل انتظام تھا۔ چونکہ اس ذریعہ سے جو لوگ زیادہ چست ہوتے تھے وہی ملازمت پاتے تھے اور مختلف حصوں اور دستوں کی آمدورفت کی حفاظت ہوئی تھی۔ بس یہ امید ہوئی کہ بہت جلد قدیم کیفیت خوں ریزی اور طوائف الملوکی کی جاتی رہے گی اور کل صوبے کو امن و آسائش کی نعمت حاصل ہوگی یہ امیدیں کیوں کر خاک میں مل گئیں بدباطن لوگوں کے ذیل کے ابواب سے معلوم ہوگا۔

باب ۳

کابل کی مہم

جنگ افغانستان میں شکست کے اسباب

فارسی کی ایک مثل ہے کہ "اگر ہرن کے شکار کو چلے تو شیر کا سامان کرلے"۔ مگر جن حضرات نے افغانستان فتح کیا تھا انھوں نے بدقسمتی سے اس کے برعکس معنی نکالے تھے۔ یعنی شیر کے شکار کو گئے اور ہرن کا سامان کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ ہماری فوج دشمن کو حقیر سمجھتی تھی۔ حالانکہ ؎

دانی کہ چہ گفت زال با رستم گرد
دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

یہی میرے نزدیک پہلی وجہ جنگ افغانستان میں زک اٹھانے کی ہوئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کوئی ایسا سردار نہ تھا جس میں مستقل مزاجی اور قوت فیصلہ ہو۔ اگر سر ہنری پاٹنجر یا سر چارلس نیپیئر کابل میں بطور سفیر کے ہوتے تو کبھی جنگ کی نوبت نہ آتی۔ تیسری وجہ ہماری بے آبروئی اور شکست کی اسی وجہ سے پیدا ہوئی جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے کیونکہ اگر کوئی عمدہ جرنیل افسر ہوتا تو اس نے کبھی اپنے کو کابل میں شاہ شجاع الملک کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ یعنی فوج کو ایسے شخص کی حفاظت نہ کرنے دی ہوتی جو ان کی تباہی کی فکر میں تھا اور نہ اُسے ایسی جگہ رکھتا جہاں وہ نہ اپنے کو بچا سکے نہ بھاگ سکے۔ اب ان تینوں

وجہوں کی جانچ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے آیا وہ موجود تھیں اور وہ اس نتیجہ کے لئے کافی تھیں جو ظاہر ہوا یعنی ہماری فوج کی بربادی اور ہماری بدنامی جو اس وقت تک نہ ہوئی تھی اب ہوئی۔

کوئی شخص نہ کہے گا کہ جو فوج فروری ۱۸۳۹ء کو دریائے سندھ کے پار اتری بلحاظ تعداد و قواعد دانی یا سامان حرب کے اُس تمام ملک کے فتح کرنے کے لئے کافی نہ تھی جس پر شاہ شجاع نے حکومت کی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ فوج دریائے سندھ سے بالا حصار تک بغیر دشمن کا مقابلہ کئے ہوئے بڑھی جو درۂ بولان اور خوجک کے ساتھ اور اس بھیڑ سے بڑھ کر تو ی تھی جس نے غزنی کے شہر پناہ کے قریب ہمارا مقابلہ کیا۔ خراسان کے وسیع ملک میں ایسا خوف حائل تھا جس کی شرح نہیں ہوسکتی اور محراب خان اور دوست محمد کے سپاہی انگریزی فوج کے نام سے کانپتے تھے۔ پہاڑ کے بلوچیوں کی تیز تلواریں میان میں پڑی سڑتی تھیں یا صرف نہتے اور تنہا مسافر پر کھنچتی تھیں۔ یہ پرانی مثل حرفاً حرفاً صحیح تھی، کہ ایک شخص سینکڑوں کا تعاقب کرے گا اور ہزار اُس کو دیکھکر بھاگیں گے۔ ایک نوجوان افسر نے جس نے اس وقت سے ہماری خون ریز لڑائیاں دیکھی ہیں ایک مرتبہ کہا کہ "کوئی میرے ساتھ ایک نایک اور تین سپاہی کردے اور مجھے جہاں کہے بلوچیوں کے پہاڑوں میں چلا جاؤں۔"

ایک نے جو اُس وقت ایک ہزار آدمیوں کو موت اور تباہی کے منہ میں لئے جاتا تھا یہ لکھا تھا کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بلوچی جم کر ہمارا مقابلہ کریں مگر اس کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ان خیالات کے مطابق کارروائی کرکے ہم نے جو کچھ اس وقت تک کیا جب تک کہ متواتر شکستوں سے ہماری آنکھیں نہیں کھلی تھیں وہ صرف حماقت، غفلت اور بے احتیاطی تھی۔ اسے کوئی یقین نہ کرے گا کہ جہاں قلعے موجود تھے وہاں ہماری فوج میدان میں اُن سے ہٹ کر ایک فاصلہ پر خیمہ زن تھی جس پر دشمن حملہ کرسکتے تھے اور رسد اور خزانے سے بھی وہ الگ تھے۔ بعض وقت بڑی بڑی رقمیں روپیہ اور ٹھوک چاندی کی فقط بیس سپاہیوں کی محافظت میں چھوڑ دی جاتی تھیں۔ کبھی کوشش اس بات کی نہ کی گئی کہ اُن بڑے بڑے دروں میں چھاؤنی بنائیں یا فوج رکھیں جو خراسان کی کنجی تھی۔ قندھار اور دریائے سندھ کے درمیان جو مقام نہایت ہی ضروری تھا اس کی خبرداری کے لئے ایک ہندوستانی افسر اور تیس سپاہی کافی تصور کئے گئے۔ مگر واقعی کیفیت یہی تھی جو بیان کی گئی۔

قلات کی جنگ

قلات جس کے لئے بہت کچھ خونریزی ہوئی تھی یونہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور نو مفتوح بروہیوں سے اُن افعال قبیحہ کے سرزد ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی جو وہاں کے بدنصیب انگریزی ایجنٹ کی نسبت بالکل ہی محض طبیعت سے گھڑ کر عائد کئے گئے ہیں کہ ایسے بالکل ہی غیر محفوظ قلعہ کو پھر چھین لیتے۔ یہ بیہودہ خیال دشمن کی بزدلی کا اس قدر حاوی ہوا کہ اس جرنیل نے جو بوجہ خوش قسمتی کے اور نہ اپنی زور لیاقت سے کابل میں مظفر و منصور داخل ہوا تھا پہلا کام سندھ سے لوٹتے وقت یہ کیا کہ وہاں کی فوج کے $\frac{2}{5}$ حصہ افسروں کو چھانٹ دیا۔ شمالی سندھ کے کل حصہ میں کوئی انجنیر باقی نہ رہا اور جو شخص کیسے ہی لچر حیلہ سے رخصت کی درخواست کرتا تھا اُسے رخصت مل جاتی تھی۔ اسی خیال سے میرے بہادر دوست واپلول کلارک چالیس سواروں اور ایک مختصر پیدل فوج کے ساتھ ایک بے شمار قطار اونٹوں کی محافظت میں مری کی پہاڑیوں میں گئے یعنی ایسے تلب مقامات میں جس سے گذرنے کی پوری پلٹنوں نے ناحق کوشش کی اور اسی خیال سے ہمارے جرنیل باغ میں چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ ٹھہرے اور چھ سو ہندوستانی پیدلوں کو کہگ کے قلعہ پر بھیجا، جس کی محافظت میدان کے رہنے والوں میں سب سے بہادر قبیلے کر رہے تھے جنھوں نے مری کی پہاڑیوں سے مقابلہ کیا تھا اور بحفاظت نکل آئے تھے۔ پرانی مثل مشہور ہے کہ "مری می نازد بکوہ و کہگ بہ میدان۔ یعنی مری کو اپنی پہاڑیوں پر فخر ہے تو کہگ کو میدان پر۔" انھیں خیالات سے ہم لوگوں نے شمالی دروں کے محافظوں کی تنخواہ ادا کرنے میں بے ایمانی کی اور کابل کی فوج کا ایک بڑا حصہ موسم سرما کی آمد پر واپس بلا لیا اور جو لوگ باقی رہے اُنھیں اُس مقام پر رکھا جہاں وہ بہ آسانی سامان رسد سے محروم کئے جا سکتے تھے۔

بالآخر انھیں خیالات کے باعث ہمارے آگے کی فوج کے ساتھ بال بچے بھی تھے۔ کوئٹہ کے پولیٹیکل افسر کو سب سے بالاتر افسر نے لکھا تھا۔ "آپ چاہیں تو بقیہ زندگی بہ آرام تمام شال کی سبز وادیوں میں بسر کریں۔" یہ الفاظ قریب قریب صداقت کو پہنچے لیکن اُس معنی میں نہیں

جو مقصود تھا کیونکہ چند ہی مہینے گذرنے پر ہمارے شاہ کے تپشوی کو گلروں کی ایک جماعت سے اپنی حفاظت مایوسی کے ساتھ کرنی پڑی۔ جنھوں نے حملہ کرنے سے قبل ایک کُتّا اس خوشی میں سے قربان کیا تھا کہ کوئی دیوتا ان سے راضی ہو کر فرنگیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرنے کا موقع دے۔ اس پر تکلف یہ ہوا تھا کہ ہمارے شاہ کے دوست نے بھی ایک خط میں کاہن کے قلعہ کی جانب جس کا انھی گلروں نے جن کے چاقو اب اس کے گلے کے لئے تیز ہو رہے تھے سخت محاصرہ کر رکھا تھا فوجی امداد روانہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑے ہی دن قبل مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ درّہ بولان کی راہ کوئی آلہ حرب یا فوجی امداد یا اور کوئی شے نہیں بلکہ براؤ ڈڈ کا عمدہ پیانو بھیج دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس وقت وہ کسی وحشی گلر یا لمبے بالوں والے بلوچی کے اسباب میں شامل ہے۔

سرولیم میکناٹن کی نااہلی

یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ایسا طریقہ کسی ہوشیار اور تیز افسر اعلےٰ کی ماتحتی میں قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی شخص کو جو سرولیم میکناٹن کے انتظام سے جو کابل میں کیا گیا واقف ہو اس امر میں شک نہیں ہو سکتا کہ جب ان میں پہلا وصف نہ تھا ان کی حکومت ان اضلاع کے باہر جو اس شہر کے ماتحت تھے اس قدر کم عمل میں لائے جاتے تھے کہ انھیں مشکل سے کوئی افسر اعلیٰ یا حاکم دریائے سندھ کے پار کے ملک کا تصور کر سکتا تھا۔ جو پولٹیکل افسر کوئٹہ اور قندھار میں تعینات تھے وہ اگر برائے نام نہیں تو فی الواقع خود مختارانہ بلا ان کی حکومت کے کام کرتے تھے اور شمالی سندھ کا افسران کی حکومت بالکل نہیں تسلیم کرتا تھا۔ اس کے سوا خاص خاص فوجی افسر اور بھی زیادہ غیر مانوس تھے اور سول اختیارات کے رشک کو اس قدر زور دیتے تھے کہ ظاہراً ان کی غرض ان ہدایتوں کے خلاف کرنے کی معلوم ہوتی تھی جو کابل سے ہوتی تھیں نہ ان کے بموجب کرنے کی۔

یہ ایک دوسری بہت قوی وجہ برائی کی تھی۔ اس عزیمت کا کوئی سردار نہ تھا۔ ہر مختلف مقام کے فوجی اور ملکی سردار جدا جدا تھے اور دریائے سندھ کی فوج ملک اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی قبیلوں

کی جماعت کے مشابہ تھی جس کا ہر ایک سردار اپنے ہمسایہ سے لڑنے پر زیادہ آمادہ نظر آتا تھا۔ نہ یہ کہ جو مقصد دشمن کے مقابلے میں تھا اس میں مدد دے۔ جس وقت جنرل ناٹ قندھار کے معروف پولیٹکل افسروں کے خلاف خطوط تیار کر رہا تھا شمالی ہند کے رزیڈنٹ اور جرنیل سامان کر رہے تھے کہ اپنا اختلاف بذریعہ کوئی کے جلد طے کر لیں اور شیلٹن کی ضد اور خود سری کابل کے سول افسر کے مقابلہ میں ظاہر ہونے ہی والی تھی۔ اس وقت میانی کے ترش رو اور پرانے بہادر کی طرح کسی فوجی ساحر کے عصائے سحر انگیز کی ضرورت تھی کہ ان مخالف عناصر کو متفق کرے۔ ایسا کوئی نہ ملا اور اس ہنگامہ میں مفتوح قوم نے سر اٹھانا شروع کیا۔ مریوں کی تلوار نے پہلے اس بات کو ثابت کیا کہ فرنگی ایسے نہیں ہیں کہ ان پر وار نہ چل سکے اس کے بعد بروہی اور گلز قوموں نے بلوہ کیا اور کابل تک آگ لگ گئی۔

شاہِ افغانستان ذرا ہماری فوج کی حماقتوں کو تو دیکھئے انھوں نے سوچا کہ کابل والے جو اپنے ہی لوگوں کا خون بہاتے ہیں وہ غیر لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آئیں گے۔ تعجب ہے کہ ہمارے ملکی افسروں کو یہ خیال نہ آیا کہ وہ پرانا مغرور و ظالم کینہ ور شاہ جو اپنی نسبت کبھی بجز "ہمایوں" کے دوسرے الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا اپنے تخت کے قریب خود مختار اجنبیوں کو کب برداشت کر سکے گا۔ انگریزی فوج کا رہنا ان کے لئے تخت بدنامی کا موجب تھا اس کے لئے یہ گویا پہلو میں خار تھا اور اس کی رعایا کے لئے داغ بے آبروئی اس کو لمحہ بہ لمحہ ہر ایک بندوق سے جو داغی تھی اور ہر ایک علم سے جو لہراتا تھا خیال ہوتا تھا کہ اجنبیوں نے اسے تخت نشین کیا ہے۔ اور جب تک وہ وہاں خیمہ زن رہیں گے ان کی مرضی کے خلاف اس کا کوئی حکم موت یا زیست کا نہیں جاری ہو سکتا تھا۔

بھلا یہ ممکن تھا کہ وہ شخص جو اپنے بھائی کو اپنا ہم رتبہ سمجھ کر نہ دیکھ سکا وہ کسی غیر ملک کے ایلچی کے کہنے پر چلے گا۔ شروع ہی سے میں نے خیال کیا تھا کہ اس کا ہماری فوج کو کابل میں رکھنا سخت غلطی تھی۔ گو کہ اس سے ہم لوگ ہمیشہ شاہ اور اس کی رعایا کے بیچ میں بطور دیوار کے تھے۔ شجاع الملک کو

جبر خان نے نہایت عقلمندی سے کہا تھا۔ جس پر خیال کرنا ہمارے لئے بہتر ہوتا کہ "اگر آپ بادشاہت کرنا چاہتے ہیں تو انگریزوں کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ حکومت کرتے ہیں تو آپ کا یہاں کیا کام ہے" لیکن اس کے سوا اس زمانے میں بہ لحاظ اپنی حالت کے کابل کوئی فوج کے رہنے کی جگہ خیال کئے جانے کے قابل نہ تھا کیونکہ اول تو ایک جانب ہم لوگ اپنی سرحد سے دشوار گذار دروں اور مشکوک معاہدوں کے وسیع ملک کے باعث جدا تھے اور دوسری جانب لڑاکا غازیوں کے دشوار گذار ملک کے سبب سے اس خفیف مدد سے بھی محروم تھے جو قندھار سے ملی ہوتی۔ کسی دوسری جگہ کا خیال کرنا جو اس سخت مصیبت کے پیش آنے کے لئے زیادہ موزوں ہو جو آخر میں آئے غیر ممکن ہے۔ میر ابو جا منشی جس نے دوست محمد خاں اور اکرم خاں کے ساتھ کام کیا تھا اکثر کہا کرتا تھا کہ۔ "صاحب! آپ لوگ کابلیوں کو نہیں جانتے۔ جب وقت امن کا زیادہ ذکر ہوتا ہو تو سمجھ لیجئے کہ بلوہ ہونے والا ہے۔ کابل کے بازار میں آپ کی سنگینوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تلواریں کافی ہیں"۔

برطانوی حکمتِ عملی اس میں شک نہیں کہ ہماری صحیح حکمت عملی یہ تھی کہ شاہ کو بالا حصار میں تخت نشین کر کے اسے اس کی فوج کے ساتھ چھوڑ دیتے تاکہ جیسا جی چاہے کرے اور خود قندھار کو چلے آئے ہوتے۔ وہاں ہم نے اپنی فوج جمائی ہوتی اور قوی حصہ قلات میں تعینات کر دیا ہوتا اور خوجک اور بولان دروں کی بھی قلعہ بندی کر کے تیل دیکھتے اور تیل کی دھار۔ کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ کابل میں ہنگامہ ضرور رہا ہوتا مگر یہ بھی اغلب ہے کہ شاہ کو افغان مددگار اس قدر کافی مل گئے ہوتے کہ وہ اپنی سی کر لیتا۔ ہمارے چلے آنے سے اس کے اور رعایا کے درمیان جو وجہ رنجش کی تھی وہ جاتی رہتی اور جب اسے اپنا ہی بھروسا کرنا پڑتا تو اس نے زیادہ ہوشیاری کی ہوتی اور بے شک اس امر کی احتیاط کرتا کہ خاص خاص لوگ جن سے خدشہ تھا وہ بغاوت سے پہلے ہی دفع کر دیئے جائیں۔ ایک بڑے شخص کا مقولہ ہے کہ "اقوام کا مشترکہ قانون جو مہذب قوموں میں قابل انحراف نہیں سمجھا جاتا نیم وحشی قوموں میں نہیں برتا جا سکتا"۔ یہ مقولہ عاقلانہ ہے گو کہ اس میں کسی قدر لوٹ قدیم اسپین کا ہے اور کچھ خمیر جیسوٹ لوگوں کے حوالہ

کا ہے ۔ یہی کیفیت فرماں روائی کے قواعد کی ہے ۔ سخت انصاف، رحم اور تحمل جو انگریزی تاج میں اس قدر چمک دیتے ہیں افغانی تاج میں محض بیکار کھلونے معلوم ہوں گے ۔

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ چاہے شاہ اپنے تخت پر قایم رہے یا اُتار دیا جائے ۔ ہم کو اس سے کوئی مطلب نہ تھا اگر اس قومی فوج سے قندھار پر قبضہ رہتا تو ہمارا اختیار تب بھی بہت رہتا اور خواہ کابل میں سدوزئی یا بارکزئی خاندان فرماں روائی کرتا ہم دونوں سے اپنے شرایط کی تعمیل کرا سکتے قندھار کے گرد و نواح کے ملک سے رفتہ رفتہ ہم لوگوں نے بہت کچھ مال گذاری وصول کی ہوتی اور غالباً وسط ایشیا اور ہندوستان کی تجارت اس ایک راہ میں مل جاتی مگر ہماری قسمت میں خراسان میں حکومت کرنا نہ تھا۔

شاہ افغانستان اور سردار خیرپور میں مخاصمت

اگرچہ ہماری غلطیاں افغانستان میں اس قدر نمایاں تھیں اور سزا بھی ویسی ہی سخت دی گئی ۔

تاہم شمالی سندھ میں جو حماقتیں ہم سے ہوئیں وہ بھی کچھ کم نہ تھیں ...... ہر چند کہ یہ ملک کم دشوار گذار تھا اور ہمارے ہندوستان کی سرحد سے ملا ہوا تھا ۔ یہاں اس قدر بربادی کا نتیجہ کچھ نہ ہوا ۔ اب ذرا اُن معاملات کی جانچ کیجیے ۔ جو ہمارے اور خیرپور کے امیروں کے درمیان پیش آئے اور اُن سے چند حالات کو اخذ کیجیے جو بلو بک میں نہیں ملتے اور جنھیں سندھ کے بیکس امیروں کے مقابلے میں دانستہ چھوڑ دیا ہے ۔ خیرپور کے سردار شاہ کے صرف دار ہونے کی کوئی بڑی وجہ نہ رکھتے تھے کیونکہ ہماری عزیمت کے چند سال قبل اُن کے دو ہزار جری سپاہی اور بہت سے امیر اس سے لڑ کر ہلاک ہوئے تھے یہ لڑائی اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ان سے زیادہ محصول مانگا تھا جو وہ نہ دے سکتے تھے ۔ نہ اُن کو کوئی وجہ انگریزوں سے مانوس ہونے کی تھی اور رنجیت سنگھ ان کا جانی دشمن تھا ۔ جب یہ تینوں شخص آپس میں مل گئے اس وقت بھی تعلقات کے رو بہ اصلاح ہونے کی اس وجہ سے اور امید نہ تھی کہ خیرپور کے دوسرے سردار میر مبارک سے شاہ نے کابل پر چڑھائی کرنے کے لئے سات لاکھ روپے طلب کئے ۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ شمالی سندھ میں رسندھیوں کی رائے کے

مطابق ، بکر کا قلعہ جو سب سے مرکزی جگہ تھی اس کی نسبت بڑے امیر میر رستم خاں سے کہا گیا کہ انگریزوں کے حوالے کردو۔[1]

پہلی برطانوی سفارت

اس بڈھے نے پہلے ہی سے جب سے ہماری سفارت سندھ میں گئی تھی انگریزوں سے دوستانہ برتاؤ کرنے کا سخت رجحان ظاہر کیا تھا۔ اُس نے فوراً اپنا قلعہ ہمارے حوالے کیا اور اپنی تھوڑی بساط کے موافق (کیونکہ واقعی اس کی بساط تھوڑی تھی) ہماری فوج کے آگے بڑھنے میں مدد دی۔ اس کی عمل داری میں ہماری فوج کے آگے بڑھنے کے زمانے میں چوریاں اور زیادتیاں بے شک ہوئیں۔ لیکن جو لوگ اس ملک سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہاں برڈی اور مزاری قبیلوں کے خونخوار بلوچیوں کے گروہ زیادہ ہیں جو خیرپور کو ذرا نہیں مانتے اور جو شاید خود امیر کی بھی عزت نہ کرتے۔ البتہ ان لوگوں نے جو اس معاملہ سے کم واقف ہیں یہ بیان کیا ہے کہ پہاڑی قبیلوں نے کسی قدر امیروں کے حکم سے ایسا کیا۔ چنانچہ یہی خاص الزام نصیر خاں پر عاید کیا گیا تھا کہ اس نے بی برگ گٹی کو ہم لوگوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

ہر چند کہ چند سال قبل خود خیرپور کی فوج نے چند زیادتیوں کا انتقام لینے کی غرض سے ان پہاڑیوں پر حملہ کیا تھا۔ جہاں مری اور بگٹی قبیلے والے ہیں اور سخت نقصان کے ساتھ ان بہادر پہاڑیوں کے ہاتھوں زک اٹھائی تھی۔ میرے ہی زمانے میں حیدرآباد کے وزیر کے ایک قریبی رشتہ دار کو برڈی ڈاکوؤں نے شکارپور میں مارڈالا تھا۔ پس یہ بخوبی باور کیا جا سکتا ہے کہ امیروں کو کوئی اختیار اُن چوریوں اور خونریزیوں کے روکنے کا نہ تھا جو ہماری فوج کی روانگی کے درمیان واقع ہوئیں۔

---

[1] خیرپور کے ساتھ جو صلح نامہ ہوا تھا تو امیروں نے ایک جملہ خاص اسی جگہ کی نسبت بڑھوادیا تھا کہ "ہم لوگ (یعنی انگریز) ان کا کوئی قلعہ جو دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر ہے نہ لیں گے"۔ اس پر انگریزی ایجنٹ نے کیا ہی پرمعنی جملہ لکھا تھا کہ "تعجب ہے کہ چالاک لوگ خود کیسی منہ کی کھاتے ہیں۔ انھوں نے یہ کوئی شرط نہیں لکھوائی ہے کہ ہم لوگ بکر میں فوج نہ رکھیں"۔ غرض یہ ہے کہ بکر دریا کے اندر ہے اس لحاظ سے دریائے سندھ کے کنارے پر نہیں۔ ۱۲

بعینہ جس طرح ہم لوگ اپنے ملک میں ٹھگی اور ڈکیتی کو دفع نہیں کر سکتے اس لحاظ سے امرائے خیرپور کے خلاف کوئی وجہ شکایت کی نہ تھی۔ اور خاص کر میر رستم کے خلاف جب لوگ پہلے شمالی سندھ میں گئے اس کے برعکس ہم لوگوں کو اس سردار کی مستعدی اور امداد پر خوش ہونا اور شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا جیسا کہ ہم نے واقعی کیا۔ اب دیکھئے کہ اُسے بھی ہمارے برتاؤ سے خوش ہونے کی ویسی ہی وجہ تھی۔ پہلا واقعہ جو ہوا وہ ایک ایسا امر تھا جسے ہم لوگ چاہے خفیف تصور کریں لیکن اگر اس لاعلمی کو دیکھیں جو ہمارے طرز و اطوار کی نسبت ایک نیم وحشی دربار میں ہوگی۔ جہاں ہم حال ہی میں پیش ہوئے تھے تو شاید ہم کو اُسے کسی قدر سنگین تصور کرنا ہوگا۔

میر مبارک کا انتقال میر مبارک جس کے ساتھ ہم لوگوں نے سختی کا برتاؤ کیا تھا بیمار ہوا جس کے لئے ایک انگریز طبیب خیرپور بھی گیا۔ اُس نے مریض کو دیکھا اُسے نسخہ پلوایا اور اُس نے فوراً قضا کی۔ ہم لوگ صاف صاف دیکھتے ہیں کہ یہ سانحہ ناگزیر وجہوں سے پیش آیا مگر گمان غالب ہے کہ وہاں والوں نے اس عجیب اتفاق کو بدگمانی سے دیکھا اس کے بعد جو کارروائیاں ہوئیں کیا وہ ایسی نہیں جن سے وہ شک دور ہو۔ ہمارا ایجنٹ جس سے امیروں سے بہت بنتی تھی۔ وہاں سے بلا لیا گیا۔ اس کے جانشین نے اپنی آمد کو ایسے فعل سے شہرت دی جس کی نسبت اگر بہت کم کہا جائے تو یہی کہ وہ غیر معمولی سختی کا تھا۔ اُس نے روہڑی کے سندھی کا۔ دار کو حاضر ہونے کے لئے پیغام بھیجا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں امیروں کی جانب سے ایک عہدہ دار ہوں اگر ایجنٹ کو ضرورت ہو تو خود آئیں۔ اس پر فوراً ایک افسر معہ ایک کمپنی سپاہیوں کے بھیجا گیا جو اُس بدقسمت کاردار کو گرفتار کر کے سفیر کے روبرو دے آیا انھوں نے سخت حکم دیا کہ اُسے دن بھر بھوکا دھوپ میں رکھو۔ اس کی تعمیل ہوئی اور اس غریب کو اپنی جرأت پر سخت افسوس کرنا پڑا۔

میر رستم کی اہانت دوسرا فعل اس سے بھی بڑھ کر میر رستم کے رنج کا باعث ہوا۔ واقعی کسی دوسرے فعل کا خیال کرنا جس سے زیادہ رنجیدہ ہونا غیر ممکن ہے۔ اس کا وزیر ایک

بوڑھا مثل اس کے سفید بال والا شخص تھا وہ اس کا دوست تھا اور اسے وہ اس قدر مانتا تھا کہ جب ایک مرتبہ میر رستم کے بڑے لڑکے نے اسی وزیر کو سخت وسست کہا تو اس نے نہایت رنجیدہ ہو کر وزیر سے فرمایا کہ "فتح محمد تم ناخوش نہ ہو یہ الفاظ تمہاری نسبت نہیں ہیں بلکہ میری نسبت ہیں۔ جو تم کو برا کہتا ہے مجھے کہتا ہے۔ اس شخص کو، جو سندھ میں اعلیٰ درجہ کا تھا ایجنٹ کے سامنے کرسی نہ دی گئی۔ سندھ کا ایک اول درجہ کا سردار ہمارے عہدہ دار کے روبرو کھڑا رکھا گیا۔ یا اُسے زمین پر بیٹھنا پڑا حالانکہ انگلستان میں اگر کوئی ہندو سوداگر ملکہ کے روبرو کرسی پر بیٹھے تو کچھ خیال نہیں ہوتا یہی فتح محمد غوری ہماری پہلی سفارت کے استقبال کے لئے جو سندھ میں گئی تھی تعینات ہوا تھا اور اُس وقت اُس نے ہمارے ہاں کے لوگوں سے وہی اطاعت کرائی ہوتی جو اُس وقت اس سے کرائی گئی۔ جب کمرے سے وہ باہر نکلا تو اُس نے کہا کہ "کیا یہ شخص جبریل فرشتہ ہے۔ اگر میرے عہدے کا خیال نہ کرتا تو مجھ بوڑھے کی جو اس کے دادا کے برابر ہے کچھ عزت کرتا۔"

امراء میں ناچاقی یہ ضرور تسلیم کیا جائے گا کہ یہ امر کافی تھا جس سے وہ وزیر بعد کو ہم لوگوں کا مخالف ہو گیا۔ لیکن بہت سی باتیں اور بھی اسی قسم کی ہوئیں۔ چونکہ ہمارے ایجنٹ کے ساتھ بہت سے عیار ہندو محرر اور منشی تھے تو کیا ممکن تھا کہ وہ لوگ کوئی موقع ان مسلمان سرداروں کے ذلیل کرنے سے اور اُس عداوت کو بڑھانے کا جو درمیان ایجنٹ اور رئیس خیرپور کے تھی اور نیز اس ارادے کی تحریک کرنے کا جو ایجنٹ بدقسمت امیروں کی نسبت رکھتا تھا اٹھا رکھتے۔ واقعی بہت کم احتیاط اس مخالفت کے پوشیدہ رکھنے کی کی جاتی تھی۔ جس کے مطابق ہمارا ایجنٹ کام کرتا تھا۔ جوں ہی اُسے اُس نزاع کی کیفیت معلوم ہوئی جو رستم خاں اور میر نصیر خاں کے مقابلہ میں میر علی مراد کے تھی تو اس نے خوش ہو کر کہا کہ "اب وہ میرے قبضہ میں ہیں"۔

اس وقت سے اس کی حکمت عملی یہی تھی کہ حتی الوسع امیر کے خاندانی جھگڑوں کو ترقی دے۔ میر علی مراد جس نے ہم سے پہلے التفات نہ کیا۔ جس کے پاس ایک بڑی جماعت مسلح لوگوں کی تھی جو سب سے زیادہ لایق تھا اور جس کی زیادہ خواہش ہمارے لئے دقت پیدا کرنے کی تھی یک بیک اُس

کی طبیعت بدل گئی۔ اُس کے اور ہمارے ایجنٹ منشی ترنبیا سلا ہے کے درمیان برابر خط وکتابت
ہونے لگی۔ یہ وہ شخص تھا جس کو آخر میں بدافعالیوں اور نہایت ہی صاف صاف بدچلنیوں کی سزا
دی گئی۔ ان دنوں لوگوں میں سرگوشیاں ہوتی تھیں کہ اُس نے ڈیجی کے سردار کی طرف داری بلاوجہ
نہیں کی ہے۔ کیا ضرور ہے کہ اب اس کی کیفیت اور بیان کی جائے۔ میر رستم جو انگریزوں کا پکا
دوست تھا اب اسی قدر دشمن ہو گیا۔ اس سے کہا گیا کہ اپنے پرانے رفیق وزیر کو برخاست کردے
اس کی شنوائی انگریز حکام کے یہاں نہ ہوتی تھی اور اس کے چھوٹے بھائی علی مراد کی چڑھی بارگاہ تھی۔
اس کو ایک آہنی جوا اپنی گردن پر محسوس ہونے لگا اور یہی خواہش ہوئی کہ اُسے الگ پھینکے۔

میر رستم کی معزولی

اس کے خاندان کے تمام نوجوان اُس کے ہم خیال اور شریک تھے بجز ایک
شخص کے جس نے اپنے خاندان کو تباہ کرکے عروج حاصل کیا۔ اس میں شک
نہیں کہ بوڑھے امیر کا غصہ اور بھی زیادہ ہوتا ہوگا جب کہ وہ خیال کرتا ہوگا کہ اُس نے انگریزوں کو اپنے
ملک میں اعتبار پر بلا لیا۔ جب ہماری کامیابیوں کی خبر جو قندھار اور غزنی میں حاصل ہوئیں خیرپور
میں پہنچی تو اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ انگریزوں کو بکر کا قلعہ دیدیتے اور فوج کے آگے بڑھنے
میں جو اعانت کی گئی ہے۔ اس کا صلہ بہت معقول ملے گا۔ یہ اکثر کہا جاتا تھا کہ ایک یا دونوں ڈیرے
ڈیرہ غازی خاں و اسمٰعیل خاں اُسے مل جائیں گے۔ کس قدر اس کو مایوسی اس وقت ہوئی ہوگی جب
کہ وہ اپنے عہدہ ریاست یعنی سردار اعلیٰ سے تنزل کردیا گیا اور اس کا چھوٹا بھائی اس کی جگہ مقرر ہوا۔
اور اس کے وزیر کی پہلی ذلت ہوئی اور پھر اس کے یہاں سے نکلوا دیا گیا اور خود اُس کے سفید بالوں
کو بجائے اس کے کہ ان کی عزت ہوتی کمزوری اور حکمرانی کی ناقابلیت کا ثبوت سمجھا۔ پہلے اُس
نے بہت کوشش پولٹیکل افسر کے راضی کرنے کی کی مگر بے سود۔ اُس نے متواتر پیغامات اپنے دوستوں
کے پاس جن میں میں بھی تھا اپنی جانب سے سفارش کرنے کے لئے بھیجے مگر ہمارے کہنے کی کچھ سماعت
نہ ہوئی اور آخر جس سختی کا برتاؤ اس کے ساتھ کیا گیا تھا اس کا ضروری نتیجہ ظاہر ہوا۔ اس میں شک نہیں
کہ سر چارلس نیپیر کے سندھ میں جانے کے بہت عرصہ قبل سے جس خیالات سے انگریزی رزیڈنٹ اور اس

کے وہ اسسٹنٹ جو اس کی تقلید کرتے تھے دیکھے جاتے تھے وہ حقارت سے کم نہ تھا۔[1]

کیپٹن کینڈی کا تقرر جس وقت کیپٹن کینڈی اس جگہ بطور پولٹیکل افسر مقرر ہوا اور وہی ایک ذریعہ ہمارے حکام اور امیروں کے درمیان خط وکتابت کا تھا تو سندھی سرداروں کی مخالفت علانیہ ظاہر ہونے لگی۔ خیرپور میں پہنچنے کے دوسرے اور تیسرے دن اُس پر گولی چلائی گئی اور اس کا کام اس قدر عجلت کے ساتھ ختم ہو رہا تھا کہ مورخ کے لئے کچھ لکھنے کی بہت کم جگہ باقی رہتی ہے۔ جب چیف پولٹیکل افسر امیروں کی ملاقات کو ہمراہی جرنیل اور ایک زبردست گارڈ کے گیا جو کسی بادشاہ کے شایاں تھا نہ کہ ایک رزیڈنٹ کے۔ تو اُس پر گولی چلائی گئی اور اُس کے بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ ہرچند کہ یہ فعل بڑی ڈھٹائی کا تھا مگر اُس وقت اس میں بہت کچھ مبالغہ کیا گیا تھا۔ یہ مشہور کیا گیا کہ جرنیل کو ایک کرسی پر بٹھانے والے تھے جس میں منجیں لگی ہوئی تھیں اور اسی قسم کی بیہودہ خبریں مشہور تھیں۔ مگر ایسا اتفاق ہوا کہ چند روز کے بعد جب کہ ان افواہی زیادتیوں کا جوش اعلیٰ درجہ پر تھا تو میں خیرپور میں سور کے شکار کے لئے گیا اور جنرل انگلینڈ سے ہمراہی ہونے کی درخواست کی۔ ہم لوگ بغیر کسی محافظ کے گئے دو ایک دن عمدہ طور پر امیروں کی ملاقات اور اُن کے ساتھ شکار کھیلنے میں بسر کیا اور پھر بغیر بداخلاقی کے محسوس ہونے کے واپس آئے۔ جرنیل نے مجھ سے کہا کہ "یہ ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو جس کی نسبت ہم لوگوں نے اس قدر روایتیں سنی ہیں"۔

کرنل اوٹرم ایسا انتظام شمالی ہند کا قبل کرنیل اوٹرم کے ہاتھ میں جانے کے تھا۔ نااتفاقی کا تخم بو دیا گیا تھا۔ اور آب پاشی کردی گئی تھی اور اب خونریزی کی فصل تیار ہونے والی تھی مگر باوجود تمام برافروختگیوں اور مذلت اور خرابیوں کے جو امیروں کی ہوئیں۔ اُن لوگوں کی عداوت علانیہ طور پر صرف

---

[1] اس امر کا ظاہر کردینا قرین انصاف ہے کہ جو حالت اس وقت تھی اُس کے لحاظ سے جو طریقہ سر چارلس نیپئر نے اختیار کیا وہ ایسا تھا جس پردہ واقعات جن پر اُس کو اختیار نہ تھا اور جن کی موجودگی سے وہ لاعلم تھا اس کے رہنما ہوئے میں اس قدر اس لئے لکھے دیتا ہوں تاکہ کوئی مجھے یہ نہ سمجھے کہ میں اُس شخص کی توہین کرا چاہتا ہوں جس کا بہ حیثیت ہندوستان کے جرنیل ہونے کے

کوئی مقابل نہیں ہے۔ ۱۲

اس وجہ سے ظاہر ہوئی کہ وہ ہمارے مطالبوں کے نتائج کی جانب سے مایوس ہوگئے۔ بی ہرگ کو جو خط لکھا گیا تھا وہ صاف صاف جعلی تھا کیونکہ انگریزوں کے ساتھ لڑنے میں اُس نے جو مدد کی تھی وہ کچھ وقعت نہ رکھتی تھی۔ وہ سو سواروں کو بھی نہ دے سکتا تھا۔ اور اس کا قبیلہ کسی ترغیب سے شکار پور سے آگے نہ بڑھتا تھا۔ مگر اس امر کے فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُس نے امیروں کی مدد کی ہوتی جنھوں نے بہت دن نہیں ہوئے تھے کہ اُس پر اُس کے پہاڑوں میں جاکر حملہ کیا تھا اور جس کے افسروں نے ہمیشہ ہماری امداد اُس کے لوگوں کے گرفتار کرنے میں کی تھی۔

امرائے سندھ کا طرز حکومت

کچھ حالات اب امیروں کی طرز حکومت کا بھی لکھتا ہوں اور جس طرح ان کی رعایا اُسے خیال کرتی تھی اس امر کی نسبت جس قدر عجیب غلط بیانیاں ہوئی ہیں ویسی دوسرے کی نسبت نہ ہوئی ہوں گی اور ایسے لوگوں نے کیں جن کو ذرا بھی وجہ ان کے کرنے کی نہ تھی۔ ان بیانات کے بیان کرنے والے اس ملک میں گئے بھی نہیں جس کا ان لوگوں نے اس قدر ظاہرا واقفیت کے ساتھ ذکر کیا ہے نہ اُنھوں نے کبھی کسی باشندے سے گفتگو کی بلکہ وہ زبان اور عادات سے بالکل ناواقف ہیں ان کے مقابلے میں ایسے شخص کی شہادت کو پیش کرتا ہوں جو امیروں کے خاندان اور اُن کے افسروں اور سیدوں عالموں اور دین داروں مہاجنوں اور خاص خاص سوداگروں سے واقف تھا جو برابر اُس ملک میں کام سے یا شکار کے لئے سفر کیا کرتا تھا اور ہر موقع پر ہر مزدور بلوچی اور سندھی کاشت کاروں اور اُن کے سرداروں سے گفتگو کرتا تھا بلکہ ہمیشہ تعمیرات کے کام میں مصروف رکھا جاتا تھا اور اس طور پر ہر قسم کے کاریگروں اور مزدوروں سے گھرا رہتا تھا اور بالآخر جسے ایک وسیع جیل خانہ سپرد ہونے کے باعث نہایت ہی نکمے اور ذلیل الحیثیت لوگوں سے بھی واقفیت تھی۔

اس کے ساتھ اس خصوصیت کو بھی شامل کر لیجئے کہ مجھے مترجم کی ضرورت نہ تھی۔ جو ان باتوں کو کہ مجھ سے کہی جاتیں بگاڑ کر کہتا یا اس طور پر کہتا جو اس کے نزدیک مجھے بھی بھلی معلوم ہوتیں بلکہ میں ہر روز گھنٹوں سندھی یا فارسی میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ پھر بھی میں صحیح کہتا ہوں کہ میں نے کوئی امر امیروں کے خلاف اس سے بڑھ کر نہیں سُنا جو بہت سے انگریز بھلے مانسوں کی نسبت کہا جاسکتا ہے۔ میر مبارک کو

لوگ کہتے تھے کہ لالچی ہے اور ہر ایک دغا باز جو کیمیا بنانے کا دعوی کرتا ہے اس پر حاوی ہو جاتا ہے علی مراد کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ فضول خرچ اور مغرور ہے۔ لیکن اُس خاندان کے کسی شخص کی نسبت کوئی جرم میری دانست میں کبھی نہیں عاید کیا گیا۔ بجز ایک امر کے جس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ امیروں کا سزا دینا اسی قدر نیک نامی ظاہر کرتا ہے جتنی کہ کرنے والے کی بدنامی اس سے ثابت ہوتی ہے۔

قانون اور انصاف کوئی پندرہ برس کا زمانہ ہوا کہ خیرپور کے ایک قاضی کی لڑکی بلوچی مستورات کے یہاں قرآن شریف پڑھانے اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کے لئے جایا کرتی تھی کیونکہ سب پڑھنا اور بہت سی فارسی اور عربی لکھنا جانتی ہیں۔[ل] یہ لڑکی حسین اور نوجوان تھی اور ایک مرتبہ جب وہ محمد خان تال پور کے حرم کے یہاں گئی تھی اُسے امیر نے دیکھ لیا اور لڑکی سے بات چیت کرنے اور عشق جتانے کا موقع ملا۔ چنانچہ اُسے ملتفت کر لیا۔ یہ بات عرصہ تک اس کے باپ سے چھپی نہ رہی جو اس سادہ قسم کے انصاف کے مطابق جو ان ملکوں میں رائج ہے مجرم کے گھر گیا اور اُسے سخت مجروح کیا اور مُردہ سمجھ کر چھوڑ آیا۔ مگر اس سردار نے زخموں سے شفا پائی اور امیروں سے قاضی کے سزا دینے کی درخواست کی۔ لیکن اُن لوگوں نے اُس کی شکایت ذرا بھی نہ سنی اور کہا کہ تمھیں سزا واجب طور پر ملی بلکہ صاف صاف سنا دیا کہ تمھارا قصور ایسا سخت ہے کہ ہم لوگ اب تم سے راہ و رسم نہ رکھیں گے وہ خیرپور سے چل دیا اور پھر وہاں واپس نہ گیا۔

مسلم امرا کا ہندوؤں سے حسن سلوک انصاف کے کرنے میں امیروں کی غلطی یہ ہوتی تھی کہ وہ رحم کی جانب زیادہ جھکتے تھے وہ خونریزی کے سخت مخالف تھے۔ رحمن اور دوسرے بڑے بڑے بدمعاشوں کے حق میں انھوں نے صرف ایک ہاتھ کے کاٹ لینے کا حکم دیا مگر یہ گویا اُن کی سختی کی حد تھی۔ صرف اُن کی عمل داری کی سرحدوں پر اور شکارپور کے

ل اس رائے کا مقابلہ اس تحریر سے کیجئے۔ جو کتاب موسومہ فتح سندھ کے باب (۲) صفحہ ۵۹ ۴ میں ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ "مسلمان کم لکھنا پڑھنا جانتے ہیں"۔ اور اُس وقت رائے قائم کیجئے۔ ۱۲

جنگل کے گرد گلپر اور بر ڈی ڈاکو لوٹ مار کیا کرتے تھے اور منزل کوٹ کے پاس کے ملک میں جہاں وحشی فراری زیادہ رہتے تھے ڈاکے اور خون زیادہ ہوا کرتے تھے۔ ان پہاڑی خونخوار بلوچیوں پر امیروں کو کچھ اختیار نہ تھا مگر ان کی رعایا صابر و شاکر تھی اور ان کی حالت کا مقابلہ اگر ہماری عمل داری کے بہت سے صوبوں کی رعایا سے کیا جاتا تو ان کو سبقت رہتی۔ امیروں کے پاس ہر شخص کی رسائی ہو سکتی تھی۔ کوئی شخص حتیٰ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہندو کی بھی ان کے یہاں سماعت ہو سکتی تھی۔ البتہ ہندو بخت ناخوش تھے کیونکہ ان کی زیادہ قدر نہ تھی لیکن ان کی حالت اس سے بدتر تھی جو انگلستان میں ڈسنٹر (یعنی فقیر ہیں) کی پچاس سال قبل تھی نہ ان کی ناراضگی کا اس سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو آج کل آئرلینڈ میں ہے۔

سندھ کی خوش حالی نہروں اور جوار و نیشکر اور دوسرے اجناس کی عمدہ فصل اور بے شمار بن چکیوں سے ثابت ہوتا تھا۔ کہ محصول اس قدر نہ لیا جاتا تھا جو رعایا پر بار ہو۔ اراضیات انعامی اور وہ جن سے برائے نام مال گذاری لی جاتی تھی بہت زیادہ تھیں۔ عام معاملات میں مثلاً شاہ شجاع شاہ نواز خاں اور دوسرے شہزادگان مہاجرین کے ساتھ برتاؤ کرنے میں سندھ کے امیر سخاوت اور تحمل سے کام لیتے تھے وہ اس قسم کی مہمان نوازی اور حفظ مراتب کے خلاف نہ کر سکتے تھے جیسا کہ پنجاب کے فرماں روا نے شاہ کے ساتھ کیا تھا۔ قلات کا معزول سردار مدتوں ان کے یہاں مہمان رہا۔ انگریزوں کے ساتھ ان کا برتاؤ صاف اور دوستانہ تھا۔

جو ڈاکٹر ان کے عیال و اطفال کا علاج کرتے تھے وہ تحائف سے لاد دیئے جاتے تھے ان میں سے ایک نے میرے علم میں دو ہزار پونڈ سے زیادہ چند مہینوں کے اندر پیدا کیے دوسرے شخص کو جو تھوڑے دنوں تک میر نصیر خاں کی بیوی کا معالج تھا ایک تلوار دی گئی جس کے قبضہ کے لئے میں نے موتی دینا چاہا مگر انھوں نے انکار کیا۔ ایک مرتبہ جب میں میر رستم کے سب سے چھوٹے بیٹے کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا میں نے ایک توڑہ دار بندوق کی تعریف کی جس پر سنہرا کام بنا تھا اور جواہر جڑے تھے اس وقت مجھ سے کچھ نہ کہا۔ مگر جب گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ دست کاری کی وہ خوبصورت شے میرے مکان میں رکھی ہے۔

میں نے اُسے فوراً اُس قاعدہ کے مطابق واپس کر دیا جس سے ہندوستانیوں سے تحفے[1] لینا منع ہے۔ مگر میں نے اس مہربانی کا کسی قدر شکریہ ادا کرنا مناسب سمجھا اور اس لیے میں نے ایک گھوڑا جس کا چھ سو روپیہ دیا تھا ایک امیر کے لیے بطور تحفہ کے بھیج دیا مگر یہ تحفہ منحوس نکلا جیسا کہ انجام سے ظاہر ہوا کیونکہ میں نے اُسے جس سردار کو دیا تھا اُس نے ایک افسر کے ہاتھ بیچ کر دیا جس نے سر چارلس نیپئر کے پرائیویٹ سکریٹری میجر میک مسٹر وڈ کے ہاتھ فروخت کیا اور ان کی ران کے نیچے وہ میانی کی لڑائی میں مارا گیا۔

انگریزوں کا غیر منصفانہ رویہ چونکہ میں نے اس قدر امیروں اور ان کے انتظام کی تعریف کی ہے جو ملک سندھ کے شمالی حصہ میں تھا اس پر شاید مجھ پر اعتراض کیا جائے کہ میں ایک نیم وحشی گورنمنٹ کی تعریف کر کے گویا ان نعمتوں کی تحقیر کرتا ہوں جو حکام کے تبدیل سے شائستگی کے باعث حاصل ہوئیں۔ لوگ کہیں گے کہ اب بھی مساوی طور پر انصاف ہوتا ہے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے تجارت محفوظ ہے اور جملہ خطرہ غیر ملکوں کے حملہ کا جاتا رہا ہے بردہ فروشی بھی مسدود ہو گئی ہے اور تمام لوگ ایک قانون کے پابند ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ یہ نتائج ہمارے انتظام سے پیدا ہوئے چاہیے ان کی نسبت اس طور پر ظہور پذیر ہونے کی کیسی ہی امید کیوں نہ ہو۔ بلکہ سندھ سے جو خبریں ملیں اُن سے معلوم ہوا کہ وہاں فصل نہیں ہوئی زمین زراعت سے محروم رہی فوجی قانون جاری کیا گیا اور تمام قبیلوں میں رنجش پھیل گئی جو کچھ مال گذاری امیروں نے بغیر کوشش کے پیدا کی تھی لوگ کہتے ہیں کہ اب اس کا عشر عشیر بھی اس ملک سے نہیں وصول ہوتا۔ میں اس امر کی تحقیقات نہ کروں گا کہ کہاں تک یہ خبریں صحیح ہیں مگر بحث کی غرض سے تسلیم کر لوں گا کہ جس فائدے کی امید تھی وہ فی الحقیقت ہماری حکومت سے نتیج ہوا۔ اگر اسے بھی فرض کر لیں تو کیا ہم اس کے مجاز تھے کہ اس طریقہ کو اختیار کریں جس سے آخر کار

[1] یعنی رشوت۔ ۱۲

انگریزوں کا اس ملک پر قبضہ ہوگیا۔ کیا یہ زیادہ آبرو اور انسانیت کا برتاؤ نہ ہوتا اگر ہم لوگوں نے امیروں کے خانگی جھگڑوں کو شخص ثالث بن کر طے کر دیا ہوتا اور اُن میں باہم دشمنی اور رقابت کو نہ بڑھایا ہوتا تو کیا یہ ہمارے لئے زیادہ فخر کی بات نہ ہوتی اگر میر رستم کا قابلِ اعزاز سر اپنی زمین پر اپنے آبا واجداد کے مقبرے میں دفن کیا جانا بہ نسبت اس کے کہ وہ جلا وطن ہوکر قید اور اس گھڑی کو سخت بد دعا دے کر مرا۔ جب کہ فرنگی کا قدم اس کے ملک میں پہلے پہل آیا۔ آئندہ نسل کے لوگ اس کا جواب دیں گے اور انصاف کریں گے حالانکہ جن لوگوں کو اس بے جا لڑائی میں مصیبت جھیلنی پڑی ان کے لئے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان خیالات نے مجھ کو اپنے روز نامچہ کی تحریر سے علیحدہ کر دیا اب پھر ہم کو سکھر اور شکار پور کی جانب متوجہ ہونا اور چند اور خشک پتے ریگستان سے جمع کرنا چاہیے۔

باب ۴

پہلا معرکہ

چھ مہینے اس زمانے کو ہوئے تھے جب کہ ہمارا دستہ سفر کی محنت اُٹھا کر ایک لمبی قطار میں کراچی سے گذرا جس وقت اور بے قاعدگی سے وہ منزل طے ہوئی تھی وہ اُن خطوط سے معلوم ہو سکتی ہے جو پیچھے کے لوگوں کو وصول ہوئے ایک افسر نے گذشتہ اُسے لکھا تھا کہ "چار دن ہوئے کہ ایک پلندہ خطوط کے ٹکڑوں کا چھ قاصد میرے پاس لائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ۲۴ گذشتہ کو روانہ کیے گئے تھے راستہ میں ان پر حملہ ہوا لوٹ لیے گئے اور ان کے لفافے ضائع کر ڈالے گئے وہ لوگ چند خطوط کے ٹکڑے میرے پاس بطور ثبوت اپنے بیان کی صداقت کے لیے لے آئے۔ یہ ملک نہایت ہی ابتری اور خرابی کی حالت میں ہے مشکل سے کوئی دن گذرتا ہے جب کہ ہمارے لوگوں پر حملہ نہ ہوتا ہو اور ڈاک کے سواروں نے سخت تکلیف اٹھائی ہے۔

بلوچیوں کا حملہ

چند دن ہوئے کہ ایک دفعدار اور تین سوار کپتان انڈرس کی پلٹن کے ٹھیر اور اس مقام کے درمیان مارے گئے۔ ایک دفعدار کپتان کرسچی کی پلٹن کا شوران اور اس مقام کے درمیان مارا گیا بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ مری سے آتے وقت ہماری فوج پر کل صبح ہونے کے پہلے بلوچیوں کی ایک جماعت نے حملہ کیا لیکن گھوڑوں کے توپ خانے والے تلوار کھینچ کر ان پر پہنچے اور چھ کو مارا۔ میرے کل اونٹ جن کی تعداد قریب پچیس کے تھی کل چوری ہو گئے اور دستیاب نہ ہو سکے۔ کل ہم لوگ

دادر جائیں گے یہاں ہر چیز کے ملنے میں شک ہے اور تمام رسد جو دستہ ہمارے آگے گیا ہے اُس کے مصرف میں آگئی۔ ہمارے ساتھ صرف چھ سات دن کا غلہ رہ جائے گا۔ اور اس قدر تھوڑی مقدار کے لئے گاڑیاں بھی ہوں گی۔ مگر ہم کو بڑھنا فرض ہے۔ جہاں تک ممکن ہو جو اونٹ تم کو راستہ میں ملیں انہیں آگے لیتے جاؤ۔ کوئی اعتبار اس کا نہیں ہے کہ درہ کے اس پار ہم لوگوں کو کچھ دستیاب ہوگا یعنی ہماری ضروریات کے موافق۔ کسی اونٹ کو خالی نہ روانہ کرو۔ اگر کوئی چیز بار کرنے کے لئے موجود ہو۔ آخر تک ہم کو اناج کی ضرورت پڑے گی۔ محافظت کے گارڈ زبردست ہوں کرنیل ڈینی کے بریگیڈ کے پیدل اور شاہ کا رسالہ دونوں مسلمان رسد وغیرہ کے ساتھ جانے کے لئے درکار ہیں مجھے آپ تک اس کے پہنچنے کی بہت کم امید ہے مگر پھر بھی لکھتا ہوں۔ اور تم جنرل ونشائر کے ساتھ ہیں۔ تم نے اس کے افسوسناک حادثہ کا حال تو ضرور سُنا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد چلنے پھرنے لگیں گے کیونکہ واقعی ان کا ہونا ضروری ہے فقط مکرر یہ کہ اونٹ اور اناج روانہ کرو۔"

بلوچی دستہ

ایک دوسرے نے لکھا تھا کہ کل دریا بڑے زوروں سے بڑھا اور کشتی کے پل کو بہا لے گیا بہت سا غلہ جو بے پروائی سے کنارے پڑا رہ گیا تھا ضائع ہو گیا۔ اس شخص کی متردد حالت جس پر فرض تھا کہ اس ابتری کو دور کر کے بندوبست مناسب کرے۔ اس کیفیت سے خیال کی جاسکتی ہے جو اس نے ان الفاظ میں خود لکھی ہے "کبھی اتنی بڑی مہم اس قدر کم بینی بندی اور کم ہوشیاری سے نہیں اختیار کی گئی۔ شکارپور کے گرد و نواح کا ملک بتری کے آخری درجہ میں ہے۔ ہر شخص ہمارا گلا کاٹنا چاہتا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے پیدل۔ بہت زیادہ خزانہ اور رسد کی حفاظت اور ہماری فوجی کارروائی کے منبع کی نگرانی کے لئے ہیں۔ عقلمندی اور معمولی تمہید کا فقدان دیکھکر نہایت افسوس ہوتا ہے اور خون ہوتے ہیں اور ڈاکے پڑتے ہیں۔ میں اس ملک کے لوگوں کو اپنی ذمہ داری پر بھرتی کر رہا ہوں۔ یعنی ایک بے قاعدہ دستہ بلوچیوں کا تاکہ چوروں کا مقابلہ چور ہی کریں۔ میں نے یہاں کے حاکموں کو آمادہ کیا اور انہوں نے اپنے بدمعاشوں کو اکٹھا کیا ہے۔ میرے خزانے میں ایک کروڑ کے قریب روپیہ ہے۔ یہ کوئی ایسی ویسی ذمہ داری نہیں ہے اور میرے پاس کوئی منشی وغیرہ نہیں ہے"

ریذیڈنسی کی عمارت کی تعمیر

جب یہ خاکہ شمالی سندھ کا ۱۸۳۹ء کا ہے تو وہ اس سال کے اختتام پر ردوبدل اصلاح نہ ہوا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ اب خطوط اپنی منزل مقصود پر پورے آتے تھے اور ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتے تھے۔ اور چند کھلیاں کی طرح کی عمارتیں بن رہی تھیں جن کا نام ریذیڈنسی رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑی فوج سکھر میں پڑی ہوئی تھی اور مستعد پارسی اب سوڈا بیئر وشراب و لحم خنزیر و بارود لے کر آنے لگے تھے لیکن خیمہ گاہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر کوئی محفوظ نہ تھا اور کوئی قطعی کارروائی ان مفسدوں کے راضی کرنے یا تخویف دلانے کی نہیں کی گئی تھی جو دریا اور دروں کے درمیان رہتے تھے۔ ایک مہینہ تک سکھر میں میرا کام یہی تھا کہ فارسی خطوں کا ترجمہ کروں اور جواب لکھوں۔ میں ہی ایک افسر اس زبان سے وہاں واقف تھا۔ پس مجھے ایسے کام میں کافی تجربہ حاصل تھا۔

رزیڈنٹ میجر آوٹرم

اس طرح لوگوں سے گفتگو کر کے مجھے کل حالات جو ہوتے تھے معلوم ہوا کرتے تھے۔ لیکن میرے افسر کسی پولٹیکل مسئلہ پر مجھے راز دار نہ کرتے تھے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ جس وقت سے میں سندھ میں داخل ہوا اور اس وقت تک جب کہ میجر اوٹرم نے رزیڈنسی کا چارج لیا مجھے کبھی کسی کاغذ تک دسترس نہ تھی اور نہ کسی اور طور سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس ملک کے بارے میں گورنمنٹ کی خواہش اور خیالات کیسے ہیں۔ روبکاریں جس میں خبریں اس وسیع سلطنت کے ہر ایک پولٹیکل افسر کے بھیجی جاتی تھیں نہ مجھے اور نہ کسی اور اسسٹنٹ کو بجز ایک شخص کے دکھلائی جاتی تھیں۔ اس حرکت کی بیہودگی صاف ظاہر ہے کیونکہ اس باعث کہ ہم لوگ بعد کو ایک دوسرے سے مختلف مقامات پر بہت بُعد پر رہتے تھے اور ہم لوگ خود مختارانہ کارروائی کرنے کے لئے مجبور تھے۔ اور چونکہ ہم لوگوں کو علم نہ تھا کہ دوسرے کیا کر رہے ہیں ایسے ممکن ہے کہ ہم لوگ ہمیشہ اُن تدبیروں کی تخریب کرتے ہوں جن کی تائید ضرور تھی۔ ہم لوگوں کی زیر نگاہ سازشیں ہوتیں اور اُن کا پتہ ہم لوگوں کو اس مجنونانہ طریق سے معلوم ہوتا۔ بلکہ اس بارے میں بہت کم شک ہے کہ ہم ہی لوگوں میں بہت سے قاصد سازش کرنے والوں کے آئے اور بے جانے ہوئے نکل گئے۔ کبھی کبھی لوگ گرفتار ہوتے تھے لیکن اس بعد سے طور پر کران کے پاس شاذ ہی کاغذات نکلتے تھے اور چونکہ سوالات منشیوں کے ذریعہ سے ہوتے تھے جو امر بھیج کے دریافت کرنے کے لئے زیادہ خواہاں نہ تھے۔ پس تحقیقات زیادہ تر فضول ہوتی تھی۔

جاسوسوں کی گرفتاری

مفروضہ جاسوسوں میں جن کو ہم لوگوں نے پہلے گرفتار کیا تھا ایک ایلچی شاہ کا قریبی رشتہ دار تھا اور اس کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ خان قلات اور امیروں کے نام خطوط لے کر آیا ہے۔ وہ ایک وجیہہ ادھیڑ سن کا شخص تھا جس کی سیاہ داڑھی کمر تک تھی اور معاملات کو نہایت ہی بے پروائی سے دیکھتا تھا۔ اپنے قید کے زمانے میں اس نے اپنا دل شربت پینے اور نوکروں کو چابک مارنے سے خوش کیا۔ ایک چھوٹے سے غلام کو اس نے خاص کر اتنے عرصہ تک چابک لگانا اس قدر ظاہر اسرگری سے شروع کیا کہ ہم لوگوں کو دخل دینا اور اس سے کہنا پڑا کہ جب تک وہ ہمارے یہاں رہے اس تفریح کے شغل کو چھوڑ دے۔

مقابر کا انہدام

ستمبر کے وسط میں دریا گھٹنے لگا۔ ہم کو ایک حسین کشتی بطور نذر کے لاہور کے مہاراج کے پاس بھیجی گئی۔ رنجیت سنگھ کے لئے گئی تھی مگر چونکہ وہ وفات کر گئے تھے اس لئے ان کے جانشین کھڑک سنگھ کی نذر ہوئی۔ لیفٹیننٹ سنکلیر کی جنگی سپردگی میں وہ تھی۔ بہت تعظیم و تکریم ہوئی اور معاوضہ میں بہت سے قیمتی تحفے ان کو دیئے گئے جس میں سے گورنمنٹ نے ان کو صرف ایک تلوار مع مرصع قبضہ کے اور ایک عمدہ بادپا حوالہ کیا۔ ہمارے افسر بالا اس وقت ان فوجی افسروں کے خلاف بیانات لینے میں سخت مشغول تھے جنھوں نے سندھی مقبروں کی اہانت کی تھی اور انھیں مکانات کے لئے کھدوا ڈالا تھا۔ واقعی ان مردہ لوگوں سے بے جا طور پر عمدہ جگہیں اپنے دفن کے لئے تجویز کی تھیں اور اگر ہر ایک خشک ہڈی کا ادب و لحاظ کیا گیا ہوتا تو زندوں کو سوراخوں و دباتی دلدلوں یا پہاڑ کی ناہموار چوٹیوں پر رہنا پڑتا۔ مگر یہ کہا گیا کہ لوگوں کے مذہب کی بے حرمتی ہوئی اور قبروں کے کھودنے کے وقت لوگوں نے قہقہے لگائے اور طعن کی باتیں کیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ تابوت اور اس کی ٹوٹی ہوئی لاش کو دریا میں پھینکتے تھے تو انگریز کہتے تھے کہ ”تمہارے مورث مکہ تشریف لئے جاتے ہیں“ مگر یہ گمان غالب ہے کہ مکہ کی زیارت کی نسبت کسی کو خیال نہ ہوا ہوتا اگر ایک سخت نزاع پولٹیکل افسر اور اصل فوجی افسر میں نہ ہوئی ہوتی۔ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مختلف مقامات کے لوگوں کے اکٹھا ہونے کے باعث نفاق کو اور بھی ترقی ہوئی۔ ان دونوں امتوں میں اس قدر رقابت تھی کہ جب بنگال احاطہ کی فوج کا ریذیڈنسی کا گارڈ جانے لگا اور اس کی جگہ بمبئی کے سپاہی آئے تو کئی بار ان میں دھینگا مشتی ہو چکی تھی۔ بنگال کا قد آور سپاہی حقارت اور مشیخت کے ساتھ کھڑا ہو کر گارڈ کے کمرے

کا سامان اپنے قائم مقام کو گنوا دینے سے کنارہ کرتا نظر آتا تھا اور بمبئی کا چھوٹا گول مرچ کی شکل کا بہادر اس توہین پر جامے سے باہر ہوا جاتا تھا۔ ایک طرح پر اس رقابت کو برا بھی کہنا چاہیئے کیونکہ جب تک اس کا وجود ہے اس وقت تک مختلف علاقوں کی فوجوں کو بغاوت کے لئے اتفاق کرنا ممکن ہوگا۔

شاہنواز خاں کی آمد

۲۶ ستمبر ۱۸۳۹ء کو ایک خط قلات کے رئیس میر شاہ نواز خاں کے یہاں سے آیا جس میں محافظت اور اس کے ساتھ اُن جملہ فوائد کی درخواست کی گئی تھی جو اُس کے ذیل میں حاصل ہوتے تھے ..... میں نے جب ایجنٹ کی جانب سے جواب اُس کا لکھا تو خیال کیا کہ یہاں بھی ہم کو شاہ شجاع کی کارروائی پھر کرنی ہوگی۔ جواب حسب دل خواہ تھا چنانچہ نواب قلات مع اپنے بھائی فتح خاں کے بہت جلد ہمارے خیمہ گاہ میں آیا۔ دونوں صورت سے بہت بدنما اور پست قد تھے لیکن اُن سے ایک قسم کی راست بازی اور صفائی قلب صاف عیاں تھی۔ ان کے باپ کو محراب خاں نے مار ڈالا تھا۔ اُس کے پاس ایک قرآن شریف بھیجا گیا تھا اور قسم کھائی گئی تھی کہ تمھاری حفاظت کی جائے گی۔ چنانچہ اُس نے اپنا خون اس وعدے کے صلہ میں بہا دیا۔ مجھے فوراً ایک مکمل رپورٹ اُس کے بیٹے کے استحقاق کی نسبت قلات کی حکومت کی تیار کرنی پڑی اور مختلف قبیلوں کا نام اور قوت اور موقع وغیرہ لکھنا پڑا جس میں میری اعانت شاہ نواز نے ایک گٹھڑی کاغذات فارسی اور ایک ہفتہ تک چھ گھنٹہ روزانہ باتوں سے کی۔ رپورٹ تیار ہوگئی اور ایک ہی بار قلم سے کام لے کر میرے افسر نے اُسے اپنا لیا اور اس کی برائی بھلائی اپنے ذمہ لے لی اس درمیان میں ایک کارندہ علی مراد کی جانب سے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے کے چند ضلعوں کا دعوے دار ہو کر آیا جو اس وقت اُس کے برادر زادہ نصیر خاں کے قبضہ میں تھے۔ مجھ سے کہا گیا کہ اُس کا بیان لکھ لوں اور مجھے نہایت تعجب ہوا کہ یہ شخص حسن علی نامی دہلی کا باشندہ اور میرے بڑے منشی کا دوست اور ہم وطن نکلا۔ یہ تطابق امیر کے حق میں خوب مفید ہوا یہ بھی تعجب تھا کہ وہ ڈیجی مین عین اُس وقت ظاہر ہوا جب کہ دہلی کا رزیڈنٹ شمالی ہند کا اعلے پولٹیکل افسر مقرر ہوا۔ حسن علی کو میں نے نیک روش خوش سلیقہ اور نہایت زیرک پایا۔

بلوچ رجمنٹ

۱۲ اکتوبر کو ایک دستہ سواروں کا جسے بلوچ پلٹن کہتے تھے اپنے کمانیر لیفٹنٹ

ایمیل کے ساتھ آیا۔ حالانکہ اس ملپٹن میں ایک بھی بلوچی نہ تھا۔ اور بالکل افغان و پٹھان وقفاہری بھرے ہوئے تھے مگر وہ بلوچی کہلاتے تھے۔ بعض ان میں اچھی صورت کے تھے۔ لیکن بالعموم وہ ناکند گھوڑوں پر ذلیل حیثیت سے سوار تھے جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پچھلے سال بھر اُن لوگوں نے ریت کھا کر زندگی بسر کی ہو۔ اُن کی تنخواہ ناکافی تھی۔ کیونکہ ویرانے مقامات میں جہاں اُن سے کام لیا جاتا تھا گھاس گراں اور کم تھی اور پھر بھی اُن کا کام یہ تھا کہ پہاڑی چوروں کا تعاقب کریں جو اپنے گھوڑوں کی تیز رفتاری پر فخر کرتے ہیں اُن میں میں نے ایمیل کے اردلی غلام حسین خاں کو دیکھا جو ایک نہایت ہی حسین افغان جوان تھا۔ اُس کی بڑی بڑی ہرن کی سی آنکھیں اور مثل رات کے سیاہ لمبی کاکلوں اور نرم رخساروں کو جن پر اب سرخی آرہی تھی دیکھکر مجھے اُس شعر کا خیال آیا جس کا مفہوم یہ ہے۔ "کیا یہ واقعی ہے کہ بہتیرے مرد جو حسین نظر آتے ہیں وہ بھیس بدلے ہوئے حسین عورتیں ہوتی ہیں۔"

الف خاں ترین مجھے خیال آیا کہ یہاں بھی ایسے معاملے پیش آئے ہیں جس طرح شمال کے دور دراز ملکوں میں یہ مشہور ہے کہ ایک بڑا شاطر نیزہ باز جو جنگلی سؤر کا تعاقب وسیع میدان اور پیچیدہ پہاڑیوں میں کیا کرتا تھا۔ ایک ایسا ہی ملازم رکھتا تھا جو اپنے جری آقا کے ساتھ اُن مقامات میں جاتا تھا جہاں بہتیرے دلیر سوار جانے کا قصد نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب گھوڑا تیز جا رہا تھا نیزہ باز نے ایک بڑا خندق پھاندا اور پھر ٹھہر گیا تاکہ اُس کا ملازم بھی نکل آئے۔ لڑکا ایک عمدہ عربی گھوڑے پر سوار اُس خندق کے قریب دلیرانہ آیا مگر جست دور سے کی گئی۔ جس سے گھوڑے کا سینہ سامنے کی مینڈ سے ٹکرا گیا۔ اور لڑکا سر کے بل نہایت زور سے گرا۔ اُس وقت نیزہ باز جو گھبرا کر اُس کے اٹھانے کے لئے دوڑا .... تو یہ بھید ظاہر ہو گیا اور پھر اُس حسین لڑکی کو اپنے آقا کی خدمت گذاری کرنے یا اُس کے ساتھ گھوڑے پر مارے پھرنے کی نوبت نہ آئی۔ گو میرے یہ شکوک فوراً

رفع ہو گئے۔ کیونکہ ہمارا افغان درحقیقت جیسا کہ اُس کے لباس اور ہتھیاروں سے ظاہر تھا ایک وجیہہ لڑکا تھا اور جب میں نے اُس کے باپ الف خاں ترین کو دیکھا جو شمالی ہند میں سب سے بہادر اور عمدہ شمشیر باز تھا تو مجھے پھر اُس کی خوبصورتی پر تعجب باقی نہ رہا۔ ٹھیک جس طرح لڑکا اس وقت جوانی میں نظر آتا تھا وہی حال باپ کا شباب میں تھا۔ بلندی میں اس کا قد چھ فٹ سے اونچا اور نہایت بھیلا تھا۔ سیاہ گھونگروالے بال اُس کے شانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی سیاہ اور چمکتی ہوئی ناک یونانیوں کی طرح سیدھی کل شباہت نہایت اچھی تھی۔ دانت موتی کی آب وتاب رکھتے تھے۔ اپنے تصور میں ایسے شخص کا خیال کیجئے جو افغانوں کے اچھے لباس میں ہو اور جس کے چہرے سے یہ علامت ظاہر ہوتی ہو کہ نہ اُس نے کسی کی اطاعت کی ہے اور نہ کبھی کرے گا تو آپ کو کچھ حال الف خاں ترین کا سمجھ میں آئے گا۔

الف خاں اُن زمیں داروں میں تھا جو خود بخود ہم سے شرکت کرنے کے لئے آیا۔ اُس نے اپنے دو لڑکوں کو بلوچی پلٹن میں بطور سواروں کے نوکر رکھوایا اور ڈاکوؤں کے مقابلے میں جو ہمیشہ ہمارے اسباب سفر اور اونٹوں پر حملہ کیا کرتے تھے اُس نے ہر ایک معرکہ میں شہرت حاصل کی۔

باب ۵

شکارپور

۱۰ اکتوبر کی صبح کو دریا میں ایک غیر معمولی ہلچل مچی ہوئی تھی کشتیاں ایک سمت جاری تھیں۔ اور بندوقوں کے متواتر دغنے سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی معرکہ درپیش ہے وجہ دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ چھ جنگلی سور پانی کے اندر گھس آئے تھے جن میں تین تو دریا میں مارے گئے مگر بقیہ تین تیر کر پار ہو گئے۔ باوجودیکہ دریا کا پاٹ نہایت چوڑا اور پانی زوروں پر تھا اور وہ فوراً جنگل میں غائب ہو گئے۔ شیر بھی اسی طرح دریا کے پار تیر کر جاتے ہیں۔ سندھ میں یہ جانور کم ہیں مگر یہ نہیں ہے کہ بالکل نہ ہوں۔ ایک سکھر میں پنجرے میں قید ہے اور دوسرا مقام سہوان میں لال شاہ باز کے مزار پر ہے۔ دونوں کو میر مبارک نے چھوٹے پن میں پکڑوایا تھا۔ تعجب ہے کہ وہ اس قدر کم ہیں۔ کیونکہ جنگل بہتیرے مقامات میں نہایت ہی گھنا ہے خاص کر امیروں کے بردیگاہ اور شکارگاہ میں اور ان کے قدرتی کھانے کے جانور ہرن اور جنگلی سور اور مویشی بھی بافراط ہیں۔

پولیٹیکل ایجنٹ کا دورہ کراچی

۲۰ اکتوبر کو پولیٹیکل ایجنٹ سکھر سے کراچی دورے پر گئے۔ اُتّی سانڈنی سواروں کا گروہ یا شتر سوار آج آئے۔ ہر ایک اونٹ پر دو شخص

سوار رہیں۔ ایک ہر طرح پر مسلح۔ دوسرا جو ہلکا سامان رکھتا ہے۔ بطور ساربان کے کام دیتا ہے تمام اونٹ ہرکارہ قسم کے تھے اور پچاس میل سے لے کر سو میل روزانہ تیز چلتے تھے۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایسی فوج سندھ میں مراسلے لے جانے اور ڈاکوؤں کا تعاقب کرنے کے لئے نہایت نایاب ہوگی، مگر وہ بے کار نکلی۔ ہیضہ سے سوار مر گئے اور غفلت اور خراب طور پر رکھے جانے سے اونٹ بھی۔ یہ سب سندھ کے پار آنا نہیں چاہتے تھے۔ اور مجھے ان کی تلاش میں بہت دور تک جانا اور خوشامد اور دھمکی دونوں سے کام لینا پڑا تھا۔ جانے سے قبل ہمارے افسر بالا نے ہم کو احکامات دینے کے لئے طلب کیا تھا۔ کیونکہ اس عرصہ میں سکھر میری سپردگی میں رہنے والا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھے بہت کچھ عاقلانہ نصیحت اور اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ مگر میری قسمت میں ناامیدی لکھی تھی۔ وہ نہایت غور و تامل سے فرمانے لگے۔ "میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ اونٹوں کی ڈاک براحتیاط بٹھائیں اور حتی الوسع باغ کے پھل پھلاریاں خاص کر مٹر جتنی بار ممکن ہو میرے پاس بھجوایا کریں۔"

خزانہ کی سپردگی ذمہ داری

اس بڑے راز کے اظہار کے بعد خزانے کی تھیلیاں میرے روبرو شمار کی گئیں اور اس وقت میں ہی اکیلا مالک۔ ایک بہت بڑی مسلسل عمارت، چند ذلیل الحیثیت بحرا اور ایک مختصر مگر چیدہ جماعت قیدیوں کی رہ گئی۔ جو باغ یا دوسرے کسی مفید کام میں جو میں ان کے لئے تجویز کرتا لگا دیئے جاتے۔ ایجنسی کے متعلق دو سید تھے۔ ایک جس کی ڈاڑھی برف جیسی سفید آنکھیں چمکتی ہوئی اور قدم ثابت پڑتے تھے۔ ستر برس کا تھا اور اس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ وہ اس زمین کا مالک تھا جس پر ریذیڈنسی بنی تھی۔ دوسرا جو ادھیڑ اور داڑھی خوب رنگے ہوئے مگر جسم کثرت عیاشی سے دبلا ہو رہا تھا عباس علی تھا اور اپنا شجرہ محمد معصوم سے جو اکبر کے دربار کا ایک مشہور و معروف امیر تھا قایم کرتا تھا۔ دونوں میں ایک جائی رقابت تھی اور ہر ایک جب باری باری سے میرے پاس آتا تھا تو نہایت حقارت سے ایک دوسرے کی برائیوں کا ذکر کرتا تھا۔ ایک دن بڑے سید

نہایت زور وشور سے مجھ سے معمولی مضمون پر گفتگو کر رہے اور کہہ رہے تھے کہ عباس علی غلام زادہ ہے اور سید نہیں ہے کہ وہ شخص جو دراصل خیمہ کے دروازے پر کھڑا سن رہا تھا اندر داخل ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ اس مڈبھیڑ سے ہمارا بوڑھا دوست نہایت شرمندہ ہوگا مگر اس کے برعکس اُس نے نووارد سے صاحب سلامت نہایت اخلاق اور اطمینان سے کی اور اُس سے کہا کہ میں ابھی صاحب سے آپ کی تعریف کررہا تھا۔ یہ تبدیلی ایرانیوں کے لئے موزوں ہے۔ مجھے نہیں یقین آسکتا تھا کہ کسی اور نے اس آسانی سے ایسے وقت کو دور کیا ہو۔

ایک صوبیدار میجر کی گرفتاری

چند دنوں کے بعد ایک وکیل بھاول پور کا آیا جو ایک سیدھا سادہ لائق شخص تھا اور جس کے ساتھ ہمارے سپاہیوں نے کچھ بدسلوکی کی تھی۔ واقعی معاملہ نہایت سنگین تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اول نمبر گرانڈیل کی پلٹن کے چند لوگوں نے سادہ لباس میں شکار پور کے کیمپوں کے قریب وکیل پر حملہ کیا اور اُسے روک کر اسباب لوٹ لیا اُس نے کمانیر سے شکایت کی جس نے پلٹن کے پریڈ پر صف بندی کرائی۔ اور وکیل سے شناخت کے لئے کہا۔

اس سے سپاہیوں کو ظاہرا بڑی ناراضگی ہوئی۔ مگر جس وقت وکیل لائٹ کمپنی کے برابر آیا جس کا صوبہ دار بہادری کے خطاب سے ممتاز تھا اور تمغہ لگائے ہوئے تھا اُس نے اپنی کمپنی کو منہ پھیر لینے کے لئے کہا اور وکیل سے کہا کہ اب دیکھو۔ وہ فوراً گرفتار کر کے مع اور سپاہیوں کے جنھوں نے پریڈ پر ہنگامہ بپا کیا تھا کوارٹر گارڈ میں قید کیا گیا۔ مگر اُن کے پلٹن والوں نے انھیں گھیر لیا اور کہا کہ جب تک قیدی رہا نہ کردیئے جائیں گے۔ ہم لوگ کام پر نہ جائیں گے۔

ہندوستانی سپاہ کا احتجاج

جو یورپین افسر اُن باغیوں کو سمجھانے گئے انھوں نے مار کھائی اور بے عزت ہوئے معاملات کی صورت خوفناک ہونے لگی تھی کیونکہ وہاں وہ ایک ہی پلٹن تھی اور ملک کی ابتر حالت میں جب کہ ہم کو دشمن گھیرے ہوئے تھے بُرے نتائج پیدا ہوتے۔ مگر کمانڈنگ افسر کی مضبوطی نے اپنا اثر ظاہر کیا۔ لوگ آخر کو مطیع ہو کر

کام پر گئے اور صوبہ دار سکھر بھیج دیا گیا جہاں اُس کا کورٹ مارشل ہوا اور وہ ملازمت سے برخاست کیا گیا۔

یہ بغاوت کافی ثبوت اس امر کا تھی، بشرطیکہ ثبوت کی ضرورت ہو کہ ہندوستانی افسروں کا اختیار سپاہیوں پر بہت ہے۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اُس پلٹن نے اپنے صوبہ دار میجر کے گرفتار ہونے پر زیادہ جوش ظاہر کیا بہ نسبت اُس کے جو وہ کسی یوروپین افسر کی بے حرمتی پر کرتے۔ یہ ہمارے لئے خوش قسمتی کی بات ہے کہ یہ اثر ہمیشہ قواعد کی پابندی اور گورنمنٹ کے مصرف میں لایا جاتا ہے۔ یہ کوئی عمدہ کام نہ ہوگا اگر ہم اُن نتائج کا خیال کریں جو اُس وقت نمایاں ہوں گے جب ہماری کسی بات سے عام ناراضگی ہندوستانی افسروں میں پھیل جائے اور وہ ہمارے خلاف سازش کریں۔ لیکن یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ کسی اور شے سے بجز اس کے کہ ہم لوگ آنکھ بند کر کے اُن کے خیالات اور تعصبات کی نسبت حماقت اور کد کریں۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر کسی اور کے شریک ہوں۔ اول تو وہ ہماری ملازمت میں بوڑھے ہو گئے۔ بہتیروں کے باپ انھیں عہدوں پر تھے جن پر وہ اب ہیں۔ دوسرے اُن کی تنخواہ بہ لحاظ ان کے احتیاجات کے معقول ہے اور ہندوستان کی ہزاروں فوجوں میں انھیں کا نمبر اول ہے۔

مقامی سپاہ کی مشکوک وفاداری

ہر چند کہ اُن فوجوں میں سپاہیوں، کدروں، کاریگروں وغیرہ کی ایک بھیڑ ہے۔ سچ پوچھئے تو ان لوگوں کا ایک طبقہ ہی جدا ہے اور یہ ایک نرالی امت ہے۔ جو زبردست اور معزز ہے۔ مگر فرض کیجئے کہ ملکہ معظمہ کے افسروں میں سے کوئی شخص ہندوستان کا کمانڈر انچیف مقرر ہو یعنی ایسا شخص جو قواعد کا سخت پابند اور اپنے ارادوں کا سخت پورا کرنے والا ہو جسے ہندوستانیوں کے خیالات اور تعصبات سے واقفیت نہ ہو۔ اور انگریز سپاہی کی مستعد اطاعت کا عادی ہو۔ فرض کیجئے کہ ایسا شخص کسی بڑی اصلاح کا خواہشمند ہو جو خاص کر بنگال احاطہ کی فوج کے

لئے واقعی ضروری ہے، مثلاً سپاہیوں کے اسباب کی کمی اور اُن سے بہت سے ایسے کاموں کا لینا جو فوجی معرکوں میں پیش آتے ہیں۔ اور جنھیں بنگال کی اعلیٰ قوم کے سپاہی مزدوروں کا نہ کہ سپاہی کا کام تصور کرتے ہیں تو میری رائے میں ایسی حالت میں نہایت ہی خطرہ ہماری ہندوستانی فوج کی وفاداری میں پیدا ہونے کا ہے اور دیسی افسر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے ایسے معاملے میں اُن کی رائے کے مطابق جب پلٹن کی آبرو پر آبنے گی تو ضرور پیشوائی کریں گے۔ پس اُس قانون میں تغیر کرنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ جس کے ذریعہ سے ہم لوگوں نے اُس وقت تک مشرق کے وسیع ملکوں پر حکومت کی ہے۔ یہ نہایت ہی مناسب ہوگا اگر اور نہایت مشہور صوبہ داروں سے قبل کسی بڑی تبدیلی کی ابتدا کے مشورہ کرلیا جائے اس قدر کہنا اُس رائے کی وقعت کے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ جو لوگوں نے ہندوستانی سارجنٹ اور اُن کے یوروپین افسر کے درمیانی عہدے کے موقوف کردینے کی دی ہے ایسی رائے حقارت کے درجہ سے بھی نیچے گری ہوئی ہے۔

بدھو دھوبی کا واقعہ

ہماری فوجی ہلچل کے بعد ہی ایک اُس سے کمتر شور و شر ملکی طرز کا واقع ہوا یعنی نایک کے بعد ایک نقل ہوئی۔ اُس کی کیفیت یوں ہے کہ ایک دن صبح کو ایک مخلوط جماعت زن و مرد کی آپس میں لڑتی جھگڑتی اور شور و غل کرتی ایجنسی کے باغ میں داخل ہوئی۔ ان کی تعداد کئی سو تھی اور ظاہرا دنچی قوم کے نہ تھے اور اُن کے جوش و خروش سے خیال ہو سکتا تھا کہ گویا دس بارہ خون ہو گئے۔ میں نے اپنے منشی کو غل غپاڑے کی وجہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا اور وہ بوڑھا قریب تھا کہ دب کر مر جائے۔ میں نے منشی سے جو دوڑتے ہوئے اور پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے آتے تھے پوچھا کہ "منشی! کیا ہنگامہ ہے"؟

اُنھوں نے کہا کہ "صاحب! یہ آپ کے دھوبی کے کرتوت ہیں جو دوسرے دھوبی کی جورو کو نکال لایا ہے۔" خیر کیفیت یہ معلوم ہوئی کہ ہمارا دھوبی جو لمبا اور خوب رو تھا ایک

عورت پر مفتوں تھا۔ اُس کی شادی ہوگئی تھی مگر خاوند کہیں دور چلا گیا تھا اور وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ بدّو نے جو میرے دھوبی کا نام تھا اُس عورت کے ذہن سے تمام خیالات اپنے پہلے خاوند کے دھو دیئے تھے اور اُسے اپنے ساتھ رہنے پر آمادہ کرلیا تھا۔ اُس کا خسر اُسے لے جانے کے لئے آیا مگر عورت نے اُس پر یہ تہمت تراشی کہ وہ دوسری قسم کی محبت کی نگاہ سے جو خسر کو نہ ہونی چاہیئے اُسے دیکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جانبین کے دوست اور کیمپ کے تمام دھوبی آپس میں لڑے اور میرے منشی نے اُسی وقت جاکر دخل دیا جب کہ فتح کے طلائی پلہ برابر ہو رہے تھے۔ میں نے اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کرنے کا عمدہ طریقہ اختیار کیا۔ یعنی پنچایت مقرر کی اور جو اچھے اچھے دھوبی وہاں موجود تھے اُنھیں یہ کام سپرد کیا۔ اُن کا فیصلہ ہر حالت میں جو بیان کرنے کے لائق نہیں ہے یہ ہوا کہ عورت بدّو کے پاس رہے اور فریق ثانی دو سو روپیہ کل برادری کے کھانے کے لئے دے اور جو رقم باقی بچ جائے وہ عورت کو ملے۔

خیرپور کے تالپور امراء

میں نے بوڑھے سید عبدالرحمٰن سے سندھی سیکھنا شروع کیا تھا۔ وہ مجھے اُس زبان میں قصے سنایا کرتے تھے اور جو میری سمجھ میں نہ آتی تھی اُسے فارسی میں بیان کردیتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ سکھر میری یاد میں نہایت آباد جگہ تھی وہ پہلے افغان کی تھی۔ وہ مقابل کے کنارے پر لوٹ مار کیا کرتے تھے جو انہی ایام میں خیرپور کے تالپور امیروں نے فتح کیا تھا۔ میر رستم اُس وقت میں بیس برس کے نہایت اولوالعزم اور پُرجوش تھے اُس نے اپنے والد سہراب سے سکھر پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی جو اُس نے کامیابی سے کیا اور شہر کو تاراج کر ڈالا۔ تین دن تک لوٹ مچی اور اُس وقت سے وہ جگہ پھر نہ سنبھلی۔ سید نے کہا کہ "افسوس! اب میر رستم کا حال کچھ اور ہی ہے وہ بھنگ کے اس قدر عاشق ہیں کہ اُس کے باعث اور بڑھاپے سے وہ بالکل سست ہوگئے"۔ بھنگ جنگ اور رنگ اب خیرپور کے درباریں عادی ہیں [1]

[1] بدنام کرنے والے جو تین خاص امیروں کی نسبت تین عادتوں کے الزام لگاتے تھے (باقی صفحہ ۱۰۳ پر)

مگر اُس کا باپ سہراب خاندان بھر میں بہادر تھا۔ اُس کے کوئی فرزند اُس کے مدمقابل نہیں ہیں۔ صاحب میں اُس وقت موجود تھا جب دوسری پشت کے حیدرآبادی سرداروں نے اُسے جنگ کی دھمکی دی۔ سہراب نے اپنے سر سے کلاہ اُتار کر حیدرآبادی سفیر سے کہا کہ "جاؤ جب تمھارے آقا ایسا نشان دکھا سکیں تو اُس شخص سے لڑنے کی گفتگو کریں جس نے اپنا ملک بزور شمشیر لیا ہے نہ یہ کہ وارثوں سے بے مشقت پایا ہے"
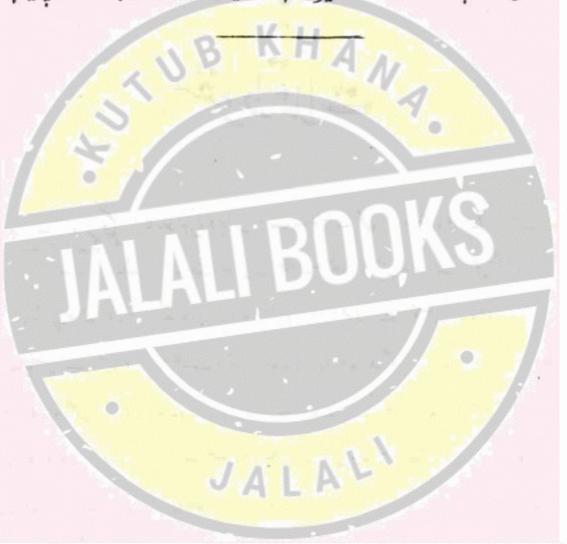
(بقیہ حاشیہ ص۹۲) یعنی میر رستم کا گاہ بے گاہ نشی چیزوں کا استعمال کرنا علی مراد کا جنگ پر آمادہ رہنا اور میر مبارک کا عیش میں مشغول ہونا اُن کی نسبت یہ کہنا ضرور ہے کہ میر رستم پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ بالکل جھوٹ تھا۔ اُن کی کاہلی بڑھاپے کی کاہلی تھی جس سے سولفیٹ شاعر محض ایک سادہ لوح اور نمائشی شے تصور کیا جاتا تھا" ۱۲۔

باب ۶

سقوطِ قلّات

سکھر سے تبادلہ کا حکم

۵ رنومبر کو دیوالی ہونے کے باعث کل دریا میں چراغ روشن تھے واقعی یہ تماشا نہایت لطف کا تھا اور میں عرصہ تک اپنی کشتی میں اُسے دیکھتا رہا۔ مسجدوں اور مسمار مقبروں سے، جو ہزاروں چراغوں سے روشن تھے اور ایک وسیع دریا اُن کے پاس سے اپنی اُداس عظمت و شان سے بہہ رہا تھا اور کھجوروں کے باغات اور جزیرہ بکر جو وسط دریا میں تھا ان سب کے مل جانے سے ایک عجیب تصویر پیدا ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی کوئی شخص لکشمی دیوی کو پوجتا اور ایک چھوٹا سا بیڑا جس میں بہت سے چراغ ہوتے تھے دریا میں چھوڑتا اور پھر اُسے ٹکٹکی لگا کر دیکھا کرتا۔ اگر وہ برابر تیرتا جائے۔ یہاں تک کہ نگاہ سے غائب ہو جائے تو وہ بڑا خوش نصیب ہے کیونکہ اُس کی آئندہ حالت عمدہ ہوگی۔ لیکن اگر کسی بھنور میں آکر وہ یک بیک غائب ہو جائے تو اُس کی تقدیر کی کشتی بھی اسی طرح گرداب مصیبت میں پھنس کر غرق ہو جائے گی۔ انتہا کی گرمی جو پہلے تھی وہ اب کم ہو گئی تھی اور میں نے سکھر کے موقع و محل کے مناسب حال اپنے کو بنا لیا تھا اور اپنے مزاج کو وہاں کے لوگوں کے مزاج کے موافق کر لیا تھا تاکہ ہر قسم کا خطرہ دور ہو جائے اور بمبئی کی جو فوج واپس آ رہی تھی۔ اُس کے

ساتھ شریک ہونے کے لئے مجھے شکارپور جانے کا حکم ملا۔ میں ۱۱ رکی صبح کو گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور ایک کو ساکو رہنمائی کے لئے ساتھ لیا۔ راستہ کئی موضعوں سے ہو کر گذرتا تھا جس کے نام تاج آباد۔ نظیر آباد جعفر آباد سمرا وغیرہ تھے اور بعض جگہ بڑی زراعت تھی۔ سکھر کے آگے قریب نصف راہ سے کچھ زائد جا کر جنگل گھنا ہونے لگا اور یہاں بر ڈی ڈاکوؤں نے کئی خون کئے تھے کیونکہ وہ ان کی راہ پر تھا۔ کو ساگاؤں میں پہنچ کر مجھے وہاں کے سردار رحیم خان اور اس کے بیٹے قادر بخش سے ملاقات کرنی پڑی۔ اس کے اقربا میں ایک ایسے شخص سے مجھ سے ملاقات ہوئی جس کا نام جلال خان تھا۔ یہ شخص نہایت بے باک اور تلوار کا بڑا دھنی تھا۔ کچھ عرصہ قبل جب شکارپور کے پولیٹکل افسر نے کام پر دیر سے آنے کے لئے گھُرکا تو فوراً جواب دیا کہ "یہ وجہ دیر کی ہے۔" اور ایک پوٹلی کھول کر جو اس کے ہاتھ میں تھی ایک بلوچی ڈاکو کا خون آلود سر دکھلا دیا۔

شکارپور کی ایجنسی میں شام کو شکارپور پہنچا اور ایجنسی کے مکان کو ظاہرا اچھا نہ پایا۔ وہ شہر کے باہر تھا اور صرف ایک کھجور کا باغ اس میں تھا اور کسی قدر سبزہ۔ لیکن اس کی مسمار مٹی کی دیوار کے آگے جو اس کی حد تھی۔ ایک تاریک جھاؤ کا جنگل تھا۔ دیوار کے اندر ایک بڑے مکان کا خاکہ نظر آیا جو تعمیر ہو رہا تھا۔ کچھ خیمے بے قاعدہ سواروں کے۔ چند ذلیل جھونپڑے بلوچی قیدیوں کے اور بیچ میں ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا جس میں اوپر کے درجے کا کمرہ تھا اور یہی میرے رہنے کی جگہ تھی۔ چونکہ اس کمبخت جگہ کی دیوار مٹی کی تھی اس وجہ سے اس میں ہزاروں چیونٹیاں ہر رنگ اور قد کی بافراط آباد تھیں ان میں وہ بڑی سیاہ چیونٹی بھی تھی جو اپنے بڑے بڑے زنبور سے ایک ہی بار کی گرفت میں خون نکال سکتی ہے۔ دوسری چھوٹی والی چیونٹیاں تھیں جو آپ کے بالوں اور ٹوپی میں (بشرطیکہ وہ کسی دوسری شے جو اس ملک میں دستیاب ہوتی ہو، رنگی ہو) ہزار در ہزار گھسنا پسند کرتی ہیں۔ تیسری کالی چھوٹی چیونٹیاں جن کی شرارت کی خواہش اُن کی جسامت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور چوتھی دیمک جن کے لئے کافی بددعا

نہیں کی جاسکتی اور جو تمام چیزوں کو اگر اس کا بس چلے تو خاک ہی کر ڈالے۔ واقعی چیونٹیوں کا مشرق کے ممالک کی مصیبتوں میں اگر سب سے اونچا نہیں تو صرف اونچا درجہ ہے خاص کر سندھ میں کل زمین اُن سے پٹی ہے۔

مقامی لوگوں سے ملاقات

اگر یہ صحیح ہے کہ دیمک خوردنی ہے تو تعجب ہے کہ ہندوستان میں قحط کیونکر پڑتا ہے کیونکہ اُن کا ذخیرہ تو ختم ہی نہیں ہو سکتا۔

مجھے بہت جلد یہ بات معلوم ہوئی کہ بہ لحاظ آب و ہوا کے میری تبدیلی سکھر سے اچھی نہ ہوئی۔ ہوا گرم اور گرد آلود تھی اور رات سخت تکلیف دہ۔ مگر بہت کچھ کرنا اور دیکھنا یہ تھا جس سے ان مکروہات کا خیال نہیں ہو سکتا تھا۔ پہنچنے کے دوسرے دن وہاں کے دیسی حکام اور منشی اور دوسرے لوگ جو ایجنسی سے متعلق تھے، میری ملاقات کرائے۔ اور سب سے ایک ایک لفظ کا حکم کہنا ضرور تھا۔ جو شخص پہلے آیا تھا وہ جیت سنگھ ایک ہندو مال دار مہاجن اور سوداگر تھا جو انگریزوں کی بڑی خوشامد کرتا تھا اور جس نے مثل اوروں کے (جنھوں نے ہماری مدد افغانستان کی منحوس لڑائی میں کی تھی) اپنے تعلق کے باعث نقصان اٹھایا اُس وقت وہ قیمتی پوشاک پہنے تھا اور صورت اور وضع سے معزز معلوم ہوتا تھا اس کے سوا وہ وجیہہ خوش سلیقہ اور زیرک تھا۔ اس کے برعکس اُس کا شریک چترمل سادہ لباس پہنے تھا اور جو کچھ تھوڑی گفتگو وہ کرتا تھا اس قدر خشک اور بے نمک ہوتی تھی کہ گویا عمر بھر وہ لندن کے کسی بنک میں ہوا ہوا سود کا حساب کرتا رہا ہو۔ جیت سنگھ شکار پور کے ہندوستانی گورنروں کا کچھ زیادہ خیال نہ کرتا تھا۔ ان میں سے خیرپور کے وکیل برج داس سے میں نہایت خوش ہوا۔ وہ ایک قد آور ہنس مکھ اور سیاہ داڑھی والا سندھی تھا۔

ابراہیم شاہ

حیدر آباد کے وکیل اور ہی طرز کے تھے۔ ابراہیم شاہ کو فوراً میں نے سمجھ لیا کہ ایرانی ہے اگر اُس کی بات پر یقین کیا جائے تو اُس کے امیر معاذاللہ خدا تھے جن کے لئے وہ صرف انسان ہی سے نہیں بلکہ جن و دیو سیاہ و سفید سے بھی مقابلہ کرنے پر آمادہ تھا۔ اُس کے

خاندان والے امیروں کے بنائے ہوئے تھے۔ سندھ میں وہ لوگ غریب الوطن بے یار و مددگار و مفلس تھے۔ مگر اب وہ متمول ہیں۔ لوگ ان کی درباداری کرتے تھے اور اپنی سرکار میں وہ اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔ ابراہیم اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میرے سو سوار میرے ہی برابر میدان جنگ میں آسکتے ہیں۔ اور واقعی وہ ایک جوان قابل حقارت نہ تھا۔ اُس کا قد لمبا اور صورت نہایت وجیہہ تھی اور ہتھیاروں کے استعمال میں وہ دست گاہ کامل رکھتا تھا۔ میں نے اُسے اکثر گھوڑا سرپٹ بھگاتے بارہ فٹ کے نیزے کو گھماتے اور پھر یکایک اُس سے لیمو کو چھید کر اٹھاتے دیکھا ہے۔ مگر جب وقت نازک میانی کے مہلک میدان میں آیا تو اُس کے خاندان کا صرف ایک شخص اُس سردار کے ساتھ گیا جس نے اُسے عزت بخشی تھی۔ ذوالعابدین ابراہیم کا ایک بڑا وفادار تھا جس کا نام ہی بہ وجہ وفاداری کے قابل بیان ہے۔ وہ تمام بے وفاؤں میں ایک ہی وفادار نکلا۔ دوسرا حیدر آبادی گورنر تقی شاہ ابراہیم کا بڑا بھائی تھا جو اُتنا ہی خوش سلیقہ مگر زیادہ بردبار تھا۔ اس کی نسبت مشہور تھا کہ حسین اور مذہب کا اس قدر متعصب تھا کہ کسی ایجنٹ کے ساتھ بغیر اس امر کے دریافت کئے کھانا نہ کھاتا تھا کہ آیا گھی مسلمان کے ہاں کا ہے۔

داروغہ محمد حسین

محمد حسین داروغہ کا بھی یہاں کچھ ذکر کرنا چاہیئے۔ اُس کا عہدہ وہ تھا جو انگریزی شہروں میں پولیس کے مجسٹریٹ کا ہے۔ یہ ایسا عہدہ ہے جو رفتہ رفتہ ہماری انسانیت کے خیالات کو زائل کر دیتا ہے مگر محمد حسین کی یہ کیفیت نہ تھی جو میرے خیال میں ایک رحم دل شخص تھا اور ایسا تھا کہ اپنے وعدے کو باوجود اپنے لقب کے وفا کرتا تھا۔ کیونکہ بد قسمتی سے داروغہ (دروغہ کے معنی جھوٹے کے اور پولیس کے عہدہ دار کے بھی ہیں[۱]) بے چارہ داروغہ کتوں سے بہت گھبراتا تھا کچھ تو اس لئے کہ وہ اس کے مذہب میں ناپاک ہیں اور کچھ اس وجہ سے کہ اس کے باریک پاجاموں سے بہت کم حفاظت کسی کتے کے کاٹنے

[۱] دونوں لفظوں کے یکساں ہجے نہیں ہوتے۔ ۱۲

سے ہوسکتی تھی۔ پس وہ نہایت ہی خوف سے ہمارے ایجنسی کے مکان میں بعد کو آیا کرتا تھا جب کہ وہاں ایک لیڈی مع اپنے پیارے کتے کے رہتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا جانور تھا جسے مومن کے کے ٹخنہ کے ایک لقمہ گوشت کی بڑی خواہش رہتی تھی۔ اُس وقت وہ کہا کرتا تھا۔

"از برائے خدا منع بکنید" یہ کیا بلا ہے جس کی میم صاحب اس قدر شائق ہیں۔

بڑے لوگوں کی ملاقات کے بعد چھوٹے درجہ والوں کی بھیڑ آئی۔ ایک دل لگی باز منشی نے جو سب کے پیچھے تھا، میری گفتگو کے ختم ہونے پر اپنی لمبی داڑھی اور سر ہلا کر بڑے اطمینان سے بہ آواز بلند کہا کہ "اے شکر شیر ہیں" مجھے عظیم خاں بارک زئی کو دیکھکر نہایت تعجب ہوا جو دوست محمد خاں کا رشتہ دار تھا اور ایمیل کے سواروں میں بطور رسالدار کے نوکر ہو گیا تھا۔ اُس کی وضع عمدہ تھی اور الف خاں ترین کے برابر وہ ایک کام کا سپاہی تصور کیا جا سکتا تھا۔

بلوچیوں سے پہلی جھڑپ

اب دلچسپ معاملات قریب تر ہی ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ کہ ۱ نومبر کو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایمیل کے بلوچی سواروں نے شکست کھائی اور ۲۵ سپاہی کام آئے۔ وہ شاہ پور میں تعینات تھا جو ریگستان کے باہر پہلا ناکہ سرہی اور بگٹی پہاڑیوں کی راہ پر ہے۔ اور جو جکرانی ڈاکوؤں کا مسکن ہمارے قبضہ کرنے سے پہلے تھا۔ اس مقام سے اُس نے کئی چھوٹے گروہ لیٹروں کے گرفتار کئے تھے۔ ایک دن خبر معلوم ہوئی کہ اونٹوں کو ڈاکو لے گئے۔ ایمیل اتنے آدمیوں کے ساتھ سوار ہوا جن میں قریب دس کے پونا کے سوار تھے، جن پر وہ بھروسہ کر سکتا تھا۔ کچھ دیر تک مفرور چوروں کا تعاقب کرنے کے بعد وہ یک بیک ایک مقام پر آیا جہاں جکرانی اور ڈومکی قبیلوں کے کئی سو بلوچی کمیں گاہ میں تھے اور اُن کا سردار بجار خان جی نامی شخص تھا۔ اُس کے لوگوں نے فوراً باگ پھیر دی۔ اور پیاری جان لے کر بھاگے۔ دشمن نے اُن کا سخت تعاقب کیا اور اُن میں سے چوتھائی کو مار ڈالا۔ ایمیل کے ایک ہندوستانی افسر نے اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر پھیر دیا۔ اور دسوں پونا کے سواروں کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ یہ چھوٹی سی جماعت کم اضطراب کے ساتھ اور باقاعدہ طور پر بہ نسبت اوروں کے پیچھے پہنچی۔

لیفٹیننٹ والپول کا کارنامہ

جب معرکہ ختم ہوا تو بجارنے دریافت کیا کہ وہ شخص سفید گھوڑے پر سوار کون تھا۔ جب اُس سے کہا گیا کہ وہ فرنگی افسر تھا تو اُس نے کہا کہ خوب ہوا کہ مجھے معلوم نہ ہوا ورنہ اُس کا نقرہ جانور باوجود اپنی تیز رفتاری کے اُس کو میرے ہاتھوں سے نہ بچا لے جاتا۔ دوسرے دن بعد اس زک کی خبر ملنے کے لیفٹیننٹ کے والپول کلارک شکارپور میں ایک سو تیس سواروں کے ساتھ پہنچا اور چار دن کے بعد دو بے قاعدہ سواروں کے رسالے بنگال احاطہ کے آئے۔ کلارک ایک پکا سپاہی تھا۔ نہ اُس کے پاس نہ اُس کے آدمیوں کے پاس کوئی جز فضول اسباب کا تھا۔ ان کی احتیاجیں آسانی سے رفع ہو جاتی تھیں اور بعد ایک دن کے وہ آگے بڑھ گئے کیونکہ ان کو کام کا ایسا اشتیاق تھا کہ کوئی شے اُن کو روک سکتی تھی۔

جب کلارک جنوبی سندھ سے شمال کی جانب بڑھ رہا تھا رسالہ کا ایک نہایت عمدہ گھوڑا رات کے قیام میں ایسی جگہ سے چوری گیا جہاں کوئی انسان یا مکان کا نشان تک نہ تھا۔ صبح کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ کلارک نے تھوڑے سے لوگوں کو ساتھ لیا اور نشان قدم پر چل نکلا۔ حتیٰ کہ کئی میل نکل گیا۔ وہاں پہنچ کر ایک ندی ملی جہاں وہ نشان ختم ہوتا نظر آتا تھا۔ مگر کچھ دور اُس کے کنارے جاکر اُس نے پھر نشان دیکھا اور اُس کے پیچھے پر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ پندرہ میل جاکر وہ ایک موضع میں پہنچا۔ اُس نے وہاں کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر آدھ گھنٹہ کے اندر گھوڑا حاضر نہ کیا گیا تو اس موضع پر حملہ ہوگا۔ چنانچہ اُسے زیادہ عرصہ تک انتظار کرنا نہ پڑا کیونکہ گھوڑا فوراً واپس ملا اور وہ رسالہ میں آملا۔ اُس کے تمام لوگ اپنے سردار کے پتہ لگانے اور اُس کے ہنر کے عمدہ نتیجہ سے بہت خوش ہوئے۔

بگتی ڈاکوؤں کا فرار و گرفتاری

۱۲ر کو چار بگتی ڈاکو جن کو ہم لوگوں نے قید کر رکھا تھا نکل بھاگے جب کو سا لوگوں نے تلاش کی اور تلاش بے سود نکلی تو میں نے میر رستم علی کے وکیل سے مدد چاہی جس نے ان کو اُس وقت گرفتار کیا جب کہ وہ اپنی پہاڑیوں تک پہنچ چکے تھے۔ اُن غریبوں پر مجھے رحم آتا تھا ہر چند کہ وہ خونخوار تھے کیونکہ اُن کی خونخواری

جہالت اور مصیبت کی تھی۔ جو شخص اُن کی جانب سے بطور ترجمان کے کام کرتا تھا وہ یارو خاں کے ساتھ خود ڈاکو رہ چکا تھا۔ لیکن اب اپنے بقیہ قبیلے کے ساتھ ہماری ملازمت میں داخل ہو گیا تھا۔

وہ چھ فٹ سے زیادہ بلند قامت تھا نہایت ہی چوڑا چکلا اور قوی اور اُس کے چوڑے سینہ اور اعضا پر سیاہ ژولیدہ بال تھے۔ جب صاحب لوگوں کے روبرو آتا تھا تو حتی الامکان وہ گربہ مسکین بننے اور اپنی خلقی گرجتی ہوئی آواز کو نہایت ہی باریک لہجہ میں نکالنے کی کوشش کرتا تھا جو ریچھ کی آہستہ آواز سے نہایت ہی متشابہ تھی۔ جس طرح شیکسپیر کے مڈسمر نائٹ ڈریم میں بلی باٹم نے کیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی اُس قدر ملایم طور پر گرجنا چاہتا تھا جتنا کہ ممکن تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ اکثر دشمن کو پکڑ کے دبا دیتا اور گلا گھونٹ کر مار ڈالا کرتا تھا اور دشمن کو اس طور پر مارنا بہ نسبت تلوار سے مارنے کے جو صحیح قاعدہ ہے زیادہ پسند کرتا تھا۔ اُس کی شہرت بطور سرغنہ کے اس قدر تھی کہ جس لوٹ کی مہم میں وہ شریک ہوتا تھا اُسے چھٹا حصہ اسباب غنیمت کا ملتا تھا کیونکہ کراچی کے بے نشان ریگستان میں وہ اپنی جماعت کی محض ستاروں کی چمک سے رہنمائی کرتا تھا۔ مگر اُس وقت یہ سب باتیں بھولی ہوئی تھیں اور ذرا ایجنسی میں حاضر رہ کر اس قدر نیک اپنے کو جتانا چاہتا تھا جتنا کہ اُس کے حیطۂ اقتدار میں تھا۔ لیکن ہر چند کہ اب وہ خود ملک کو نہیں لوٹتا تھا مگر اُن لوگوں کی گرفتاری میں جو ایسا کرتے تھے بہت کم استمداد کرتا تھا۔ اُن بلوچیوں میں جو شکار پور کے گرد و نواح کے مسافر کے لئے خوفناک بہانے ہوئے تھے ایک شخص خاص کر ایسا تھا جس کی بد ذاتی کوئی نہ کوئی ہر روز سننے میں آتی تھی۔ یہ شخص بڑدی قبیلے کا دین محمد نام تھا یا دینو کہلاتا تھا جیسا کہ بالعموم اُسے لوگ کہتے ہیں۔ یہ شخص شمالی سندھ کے لئے ایک بلا تھا۔ اُس کا بھائی سولا اُس سے بھی زیادہ مشہور تھا۔ مگر تقدیر نے اُس کا نام بار بارسن کر اُس کے کام کا خاتمہ ہی کر دیا۔

سولا ڈاکو کی گرفتاری | شکار پور میں میرے پہنچنے کے قبل ایجنسی میں یہ خبر آئی کہ سولا گھوڑے پر

گشت کرنے کے بعد کسی گاؤں میں ٹھہر گیا ہے جو دس پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک دستہ بے قاعدہ سواروں کا فوراً تیار ہوا اور تیزروی کے باعث اُس کے سر پر ایسے وقت پہنچا کہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہونے پایا۔ اگر سوار ہونے پاتا تو وہ اُن کی کوشش پر ہنستا مگر اب بچنا محال دیکھکر اُس نے تلوار کھینچ لی اور نہایت ہی بے باکی سے لڑنے لگا۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد اُس کا داہنا ہاتھ بیکار ہوگیا اور خود وزیر ہوکر قیام گاہ میں لایا گیا۔ اُس سے بڑھ کر خونخوار صورت کا وحشی خیال کرنا ناممکن ہے۔ ایک جھنڈ آب لوزی بالوں کا اُس کے چہرے کو نصف چھپائے ہوئے تھا۔ اُس کی پیشانی تنگ تھی اور اُس کی جھبڑی بھنوؤں کے نیچے اُس کی سیاہ آنکھیں جنگلی جانور کی خونخواری کے ساتھ چمکتی تھیں۔ بہت سے لوگ اُس کے دیکھنے کے لئے آئے جن میں سے بہتیروں نے اُس کے ہاتھوں سے تکلیف سہی تھی اور بعض کے رشتہ دار اُس کے یا اُس کے ہمراہیوں کی تلوار سے مارے گئے تھے۔

سولا ڈاکو کا خاتمہ پہلے اُس کو خیال نہ تھا کہ وہ جان سے مارا جائے گا وہ سمجھتا تھا کہ فدیہ دے کر چھوٹ جائیں گے۔ ایک مرتبہ اُس نے پولیٹکل افسر سے کہا کہ "اگر مجھے آزاد کردو تو پانچ اونٹ دوں گا۔" جب اُسے کچھ جواب نہ ملا تو اُس نے تعداد بڑھانا شروع کی اور کہا کہ "میں تم کو دس اونٹ دوں گا۔ بلکہ نہیں، میں تمھیں وہ بلوچ لڑکی حوالہ کروں گا جسے اپنی پچھلی لوٹ میں لے گیا تھا۔" پھر بھی جواب نہ ملا۔ تب وہ کمبخت گھبرایا۔ لوگوں نے ایک رسی لاکر اُس کی گردن میں ڈالی۔ تماشائی آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور ہر شخص اُس کا جلاد ہونا چاہتا تھا۔ ایک نے کہا کہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ رسی مجھے دو اُس نے میرے بھائی کو مارا ہے۔ جب رسی اُس کی گردن میں ڈالی گئی تو وہ سمٹ گیا اور دھیمی آواز میں کہنے لگا کہ "اے صاحب ایسا نہ کرو۔" جس درخت پر اُس نے اپنی خونریزیوں کا کفارہ دیا۔ وہ جب تک میں سندھ میں رہا سولا کا درخت کہلاتا تھا۔ اور غالباً مدتوں اُس کا نام یہی رہے گا۔ اس قتل کا بدلہ بیٹے نے جس سے وہ اپنے پہلے پیشہ کو دونی سرگرمی کے ساتھ کرنے لگا۔ بھائی کے مرجانے کے چند ہی مہینوں کے اندر دس خون اُس سے منسوب کئے گئے تھے۔ اُس کے گرفتار کرنے

کی تمام کوششیں بے سود تھیں اور بہت کچھ بیکار سعی کے بعد آخر کار ہم لوگوں نے سنا کہ کسی وجہ سے وہ فراریوں کے پاس چلا گیا۔ یہ قبیلہ ملتان کے صوبے کی سرحد پر آباد ہے۔

قلات کا زوال

۲۳ نومبر کو ہم لوگوں کو قلات کے فتح ہونے کی خبر ملی محراب خاں کا مرنا اُس کے قلعہ کا چھن جانا اور اُس کے بہادر سپاہیوں کا مارا جانا شمالی سندھ کے مفسد باشندوں کے لئے ایسا ہوا جیسے بجلی گری ہو۔ امیروں کے وزیر ہمارے پاس مبارک باد دینے آئے مگر اُن کے چہرے خوف سے زرد تھے اور وہ ناحق بے پروائی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ کہاں تک قلات کے خان کے ساتھ ایسا سلوک روا تھا۔ اس میں بعض کو اعتراض ہے۔ اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ اُس نے پہاڑی قبیلوں کو ہم پر حملہ کرنے کے لئے اُبھارا تھا۔ ہم لوگ کچھی اور بولان سے گذر رہے تھے۔ میں نے خود کئی خطوط گورنمنٹ کے لئے ترجمہ کئے تھے جو اُس کی جانب سے نصیر خاں حیدرآبادی کے پاس آئے تھے۔ اُن خطوط سے اس بات کے دریافت کرنے کے لئے کہ ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ کسی بڑے شخص کی ضرورت نہ تھی۔ عبارت صاف تھی۔ لیکن اُن کی اصلیت کی نسبت میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اگر میری یاد خطا نہیں کرتی تو اُن پر اُس کی مُہر مع اُس مشہور علامت کے ثبت رہتی تھی۔ "گل گلشن محمود محراب"۔ خواہ وہ اس سلوک کا مستحق تھا یا نہیں، مگر اُس کے انجام سے کچھ وقت تک کے لئے اُن غارت گروں پر زبردست اثر پڑا جو اُس کے قبل زوروں پر تھی۔

ہیضہ کی وبا

۲۵ کو ایک حصہ لوٹتی ہوئی بمبئی کی فوج کا شکارپور پہنچا۔ مگر اُن میں وہ اُمنگ نہ پائی جاتی تھی جو لوگوں میں فتح حاصل کرکے واپس آنے پر ہوتی ہے۔ دراصل موت اُن کے گروہ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ خوفناک بلائے ہیضہ اُن میں مقام باغ سے شروع ہوئی تھا۔ پہلا شخص ڈاکٹر فورس تھا جس نے قضا کی اور جس کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ اُس لمحہ سے عارضہ سخت تیزی کے ساتھ پھیلا۔ چار منزلوں میں وہ جانی درہ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت جو لوگ مرتے تھے۔ اُن کا دفن کرنا ممکن

نہ تھا۔ جنگل اور راستوں میں لاشیں پڑی تھیں۔

تجہیز و تکفین ۲۶ر کو چوتھے ڈراگون رسالہ اور گھوڑوں کا توپ خانہ ٹھکار پور میں داخل ہوا۔ میں کچھ دوران سے ملنے کے لئے گیا۔ ہر طرف اُداسی چھا رہی تھی۔ پولیٹکل ایجنٹ میرے، پاس سے پالکی میں گذرے۔ لوگ زور سے بھاگے جاتے تھے۔ بے قاعدہ سواروں کے ایک دستہ نے راستہ صاف کیا۔ بڑا شخص بھی بیمار تھا۔ میں نے چوتھے ڈراگوں کے مسکوٹ میں سر کیٹھ جیکسن کے ساتھ کھانا کھایا۔ ہر شخص میں رکاوٹ پائی جاتی تھی۔ اُن کی پلٹن کا کمانڈر مر رہا تھا۔ اُسے لوگ بہت مانتے تھے اور وہ عالم شباب میں ایک عمدہ سپاہی تھا نہایت جسیم اور قوی کل تک اُسے کچھ نہ تھا اور اس وقت مر رہا تھا۔ میں کچھ دور شہر میں گیا اور خیمہ گاہ کی جانب بھی گشت کیا۔ بہت سے یوروپین زمین پر متوالے پڑے تھے ایجنسی کے سامنے کچھ لوگ ایک بڑا گڑھا کھود رہے تھے اور دوسرا دیوار کے باہر۔ میں ٹھہر گیا اور جُھک کر اندر دیکھا۔ چار دن کے بعد میں نے اُن جگہوں کو پھر دیکھا۔ گڑھے بھر دیئے گئے تھے اور بہت سی جھاڑیاں اُس تازہ برابر کی ہوئی زمین پر نصب کی گئی تھیں۔ اُن میں سے ایک گیدڑ کے کام میں خلل ڈالا۔ جس نے کچھ باہر کھینچ لیا تھا۔ یہ ایک سر تھا دونوں لب کھُلے ہوئے تھے۔ جن سے ایک حسین لڑی عمدہ سفید دانتوں کی نظر آتی تھی۔ جس غریب کے وہ دانت تھے وہ ظاہرا بالکل کم سن تھا۔ واقعی گڑھے خوب بھر گئے تھے۔ یعنی ایک میں تیرہ انگریز سواروں کو ڈال دیا۔ اور دوسرے میں اتنے ہی توپ خانے والوں کو۔ وہ رات نہایت خوف ناک تھی۔ ایجنسی کے احاطہ کے اندر اس قدر لوگ بھرے ہوئے تھے کہ جو کچھ وہاں ہو رہا تھا اس کو صاف صاف ظاہر کرنے والی آوازیں سنائی دیتی تھی۔ کم سے کم دو تو آدمی اُس رات مرے۔ دوسرے دن مجھے کچھی جانے کا اُسی راستہ سے حکم ہوا جہاں بیماری تھی۔

شکار پور سے روانگی و واپسی مجھ میں اُس عارضہ کے بدنما آثار نمودار ہوئے مگر ایک پستہ قد

ڈاکٹر نے جو مثل پریت کے زرد معلوم ہوتا تھا افیون کے سَت کی ایک ایسی خوراک دی جس سے میں تقمہ یا دیوانہ ہوگیا۔ پو پھٹے میری سواری کا اونٹ آیا میں سوار ہو کر خوش ہوا کہ پہلی دو منزل تک ایک شخص میرا ہمراہی ہوگا۔ ہم لوگ روانہ ہوئے۔ میرے ہمراہی کو وہ عارضہ تھا جو میں نے اکثر ایسے لوگوں میں دیکھا ہے جو پہلے یا دوسری بار کسی پیچیدہ ملک میں سفر کرتے ہیں۔ اُس کا خیال تھا کہ کوئی نزدیک کا راستہ مل سکتا ہے۔ چنانچہ اُس کے اس دیوانہ پن کا نتیجہ جیسا کہ معمول ہے یہ ہوا کہ ہم لوگ راستہ ہی بھول گئے قبل اس کے کہ ہم لوگ جابی درہ میں پہنچیں آفتاب نکل آیا۔

جوں جوں ہم لوگ آگے بڑھتے گئے۔ راستہ میں لاشیں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو پرتگیز تھا اور صاف سوتی پتلون اور جاکٹ اور ٹوپی پہنے منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین نہ آیا کہ وہ مر گیا ہے۔۔۔۔ میں اُس کے قریب گیا اور نیچے اُتر کر اُسے اٹھانا چاہا۔ اُس وقت میں نے دیکھا کہ اُس کی لاش کے نیچے خون کا دریا بہہ رہا ہے۔ وہ اینٹھ گیا تھا اور بہت سی چیلیں اُس کے پاس سے اڑیں۔ میرے ملازموں نے کہا کہ اُنھوں نے پانچ لاشیں گاڑ دی تھیں جنھیں گیدڑوں نے نکال لیا تھا۔ سفر نہایت ہی بڑا تھا اور رات کو ایسے مقام پر ٹھہرنے سے جہاں ایک دن قبل سینکڑوں مر چکے تھے اور طبیب کے ملنے کی امید نہ تھی اشتہا بالکل زائل ہو جاتی تھی۔ دوسرے دن میں رد جن گیا جہاں وہی باتیں پیش آئیں۔ یہاں مجھے معلوم ہوا کہ جنرل ولشایر جس کے ملنے کا مجھے حکم ہوا تھا بشرطیکہ وہ بر شوری کی جانب سے آتا اُس راستہ سے آنے والا نہیں ہے اور چونکہ اب میری خدمات کی ضرورت نہ تھی میں بخوشی شکارپور واپس آیا۔

۱۷ دسمبر کو قلات سے توپ خانہ اور سفر مینا کی پلٹن کے لوگ شکارپور میں آئے اس فوج کے ساتھ اسباب لوٹ کا بہت تھا اور ہر قسم کی قیمتی اشیاء فروخت ہوتی

تھیں مجھے کسی عجیب چیز کے حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔

باز کا شکار

۱۰ر کو میں ابراہیم شاہ کے ساتھ باز کا شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ باز چھوٹی قسم کے تھے۔ انھوں نے چند فاختہ ماریں مگر اُس خطہ میں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اس قدر افراط سے تھیں کہ گھوڑوں کو تیز دوڑانا مشکل تھا۔ پس تمام لطف اُن پرندوں ہی کو حاصل ہوا۔ مگر یہ امر دافعہ کو بلا کسی خاص وجہ کے ہر طرف بے تکے مارے مارے پھرنے اور ساتھ ہی زور سے نعرے مارنے سے مانع نہ ہوا گویا شکار بہت ہی لطف کا ہاتھ آیا ہو۔ اور اگر میں اُس کے شور و غل سے جوش میں آیا اور یہ خیال کیا کہ کوئی جدید اور عمدہ شکار نظر آیا ہے مگر فوراً اس بات کو یاد کرکے کہ ایرانیوں کا ایسے موقعوں پر غل غپاڑا کرنے کا قاعدہ ہے میں خاموش رہا۔

اس وقت ایک مثال اُس طریقہ کی ظہور میں آئی جس سے سرکار کو اُن لوگوں کی غفلت سے جن کے متعلق تعمیرات کا کام ہے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ مثال نہایت ہی چھوٹی حیثیت کی ہے اور اسی وجہ سے میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ مجھے حکم ملا تھا کہ بہت سے صندوق خزانے کے لئے تیار کراؤں اس کے لئے مضبوط لکڑی درکار تھی اور بالعموم لکڑی خاص کر جیسی مجھے درکار تھی شمالی سندھ میں بہ دقت دستیاب ہوتی تھی۔

سندھیوں کا عمدہ کردار

ایک مرتبہ جب میں شہر میں جا رہا تھا میں نے بہت سی لکڑی ایک سڑک پر پڑی دیکھی جدھر سے کم لوگ گذرتے تھے۔ جانچ کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ شیشم ہے جو نہایت عمدہ لکڑی ہوتی ہے اور دیمک اُسے کھا نہیں سکتی۔ میں نے پوچھا کہ اس کا مالک کون ہے۔ معلوم ہوا کہ قندھار میں جو منشی ہے وہ ہے۔ میں مشکل سے گھر پہنچا تھا کہ چند لوگوں نے آکر مجھ سے کہا کہ وہ لکڑی سرکار نے دریائے سندھ پر پُل بنانے کے لئے خرید کی ہے۔ سچ پوچھئے تو وہ وہاں پر کہاں پڑی ہوئی تھی کسی پولٹیکل طریقہ سے پہنچ گئی تھی۔ اس کا کہنا فضول ہے کہ وہ فوراً ایجنسی کی زمین پر اٹھا کر چلی

آئی اور وہاں سے اونٹوں کی پیٹھ پر خزانے کے صندوق بن کر روانہ ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد اُسی قسم کا بلکہ اُس سے زیادہ نمایاں معاملہ پیش آیا۔ اور جس کا سندھیوں کی چال وچلن کی تعریف میں لکھنا ضروری ہے۔ اُن افسروں میں سے ایک نے جو افغان مہم کے پیش رو لوگوں میں تھے سات ہزار روپیہ کچھی کے ایک سید کو رسد کے مہیا کرنے یا فوج کی روانگی کے کسی دوسرے کام کے لئے دیا۔ ہمارا خرچ اُس وقت اس قدر کثیر اور وسیع تھا کہ یہ رقم بالکل فراموش ہو گئی۔ جب افسر نے اُسے دیا تھا وہ فوج لے کر آگے بڑھ گیا اور اپنے قائم مقاموں کے پاس کوئی یادداشت نہیں چھوڑ گیا۔ اُس کو مہینوں گذر گئے اور بالکل معاملہ فراموش ہو گیا۔ ایک دن ایک پولیٹکل افسر شکار پور سے چل کر اُس سید کے گاؤں کے قریب ٹھہرا اور اُسے نہایت تعجب ہوا جب کہ سید کئی تھیلیاں روپیہ سے بھری ہوئی لے کر آیا۔ سید نے کہا کہ "یہ سرکار کی ہیں" اور کل کیفیت اُن کے دستیاب ہونے اور خود اس کام میں لانے کی قابلیت نہ رکھنے کی بیان کی۔

پولٹیکل ایجنٹ کی مہمان نوازی

شکار پور میں یہ موسم نہایت دل پسند تھا۔ کسی قدر بارش ہوئی تھی اور اس قدر خنکی تھی کہ انسان سوار ہو کر باہر نکلے یا دن کو پیدل چل سکے۔ افسر اور گاہ بہ گاہ کوئی لیڈی اُس جگہ سے برابر اپنے مقامات کو دوروں کے باہر جاتے تھے اور جس وقت تک وہاں ٹھہرتے تھے سب ایجنسی میں قیام کرتے تھے۔ مسافروں کے بنگلے اُس وقت تک نہ تھے اور ہم لوگ نئی صورتوں کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے تھے۔ مگر یہ امر پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا کہ ہمیں کھانے کا خرچ گورنمنٹ سے نہ ملتا تھا۔۔۔ کفایت شعاری اور مہمان داری میں معاملہ ضدین کا تھا۔ اس معاملہ میں پولیٹکل ایجنٹ نے ایک عمدہ مثال بذات خود دکھلائی۔ ہر شخص جو آتا تھا اس کی وہ مہمان داری کرتے تھے۔ خود ان کے ماتحت جو قریب دس پندرہ کے تھے ہمیشہ دستر خوان پر کھانا

کھاتے تھے۔ اور انھیں اخراجات میں اُن کی نصف تنخواہ صرف ہو جاتی تھی کہ وہ زیادہ تھی۔

چودہ ہزار بیر اور شراب کی بوتلیں جو سالانہ اُن کی میز پر کھلتی تھیں وہی ایک رقم کثیر تھی اور ان میں شراب سوڈا واٹر اور پینے کی چیزیں قطع نظر کھانے کی چیزوں کے مثلاً دانہ خور بھیڑ وغیرہ شامل کر لیجئے۔ لوگ اس قدر خرچ کو بے پروائی سے دیکھتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہر مہینے چار ہزار روپیہ میزبان کی جیب میں آتے ہیں۔ مگر اسسٹنٹوں کے معاملہ میں جن کی تنخواہ اُس کے آٹھویں حصہ سے زیادہ نہ ہوتی تھی اور پھر بھی تمام وارد و صادر کی تواضع و تکریم کرتے تھے گو کہ وہ اس قدر شان و شوکت کی نہ ہوتی تھی جیسی کہ پولٹیکل افسر کے یہاں کے حکام کے ساتھ ایک جز و افسوس کا بھی ہوتا تھا۔

سخاوت کے اُن نمونوں میں لفٹنٹ ڈبلو متعینہ ٹھٹھہ کا تھا جس کی مہمان نوازی کا مثل اوروں کے میں بھی احسان مند ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ کبھی بغیر مہمان کے نہ ہوتا تھا اور بعض وقت چھوٹے جانوروں کے بعد بڑا جانور (کمانڈر انچیف) وہاں آکر بیچ ٹیکتا تھا جس کی دُم شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی تھی۔ میزبانی کا کام اس قدر پسندیدہ ہے کہ بہت جلد اس کی انسان کو عادت ہو جاتی ہے اور اُسے تنہا یا کفایت سے کھانا خوش نہیں آتا۔

بہر حال چاہے یہ طریقہ بُرا ہے یا بھلا وہاں رائج تھا اور اس کی بدولت بہت سے اچھے لوگوں سے مجھ سے شناسائی ہو گئی بلکہ دوستانہ جواب تک قائم ہے۔

کیپٹن آرتھر کی رفاقت

۱۳ر جنوری ۱۸۴۸ء کو کیپٹن آرتھر کنولی میرے پاس آیا اور دس دن تک ٹھہرا رہا۔ یہ زمانہ نہایت ہی قلیل تھا۔ کیونکہ کسی شخص سے اُس کی میرے سوا آج تک ملاقات نہیں ہوئی جس کی جانب میرا دل اس قدر جلد رجوع ہو گیا ہو۔ وہ شخص اس قدر بے غرض نیک باطن، دنیاوی قباحتوں سے بے خوف اور ساتھ ہی ساتھ اُس خوف سے پُر نظر آتا تھا جس سے انسان غافل ہو جاتا ہے۔ ہماری

اُس کی ملاقات عجیب طور پر ہوئی ۔ داروغہ نے مجھ سے آکر بیان کیا تھا کہ شہر میں ایک روسی جاسوس آیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں جاسوسوں کو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا اور اسے محض لچر خیال کرتا تھا ۔ مگر رسم کے طور پر کچھ سوالات کر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب صاحب کی اطلاع ہوئی ۔ کنولی نام داروغہ اور اُس کا روسیوں کا خوف میرے خیال سے دفع ہو گیا مگر اُسے متعجب پاکر اور حقیقت حال سمجھ کر میں نے اُس سے تصریح کر دی ۔ دراصل اُس نے کنولی کے یونانی ملازم کو روسی تصور کیا تھا اور آقا کو بھی ایسا ہی سمجھ لیا تھا ۔ کنولی ایسی شکل سے سفر کر رہا تھا جس سے ہمارے سندھی بہادر کی طبیعت خوش ہو جاتی ۔ اُس پر کسی فضول اسباب کی تہمت لگانا ناممکن تھا ۔ ایک چھوٹا سا خیمہ جس میں انسان سیدھا استادہ نہیں ہو سکتا اور جسے کسی جسیم آدمی نے موسم سرما میں بطور جبہ کے استعمال کیا ہوگا مع ایک جفت پورٹ مینٹو (چرمی صندوق) کے اُس کا کل سامان سفر تھا ۔ یہ نہیں معلوم کہ درّوں کے اوپر جب وہ تھا تو کیوں کر برف سے گل جانے سے بچ گیا ۔

کنولی کے سفر کے واقعات

اُس نے ایک نہایت ہی دلچسپ قصہ اپنے انگلستان سے سفر کرنے کا بیان کیا ہے ۔ وہاں میں اُس نے شہزادہ میٹرنگ سے خوب ملاقاتیں کیں جس نے اُس کو ایک حسین دوربین نذر کی ۔ اُس کو حکم ملا تھا کہ وہاں ایرانی ایلچی حسین خاں سے ملے اور اُس سے کہدے کہ انگلستان میں وہ مقبول نہ ہوگا ۔ وہاں سے وہ قسطنطنیہ گیا ۔ خوارزم کے سفیر نے اُسے کوکن لے جانے کو کہا ۔ اُس کی خواہش تھی کہ کوکن جائے اور اس کی بابت اپنی سرکار سے دریافت کیا مگر منظوری نہ ہوئی ۔ وہاں سے وہ براہ ارمنیا بغداد گیا اور خلیج فارس کی راہ بمبئی آیا ۔ راستہ میں وہ بعض وقت بہت مشکل سے جان سلامت لے کر نکلا ۔ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں چند عربوں نے اُس سے تمباکو مانگا ۔ مگر اُس کے پاس موجود نہ تھا تب وہ کمر تک پانی کے اندر چلے آئے تاکہ اُس پر بندوق سر کریں ۔ وہ کشتی کو منجدھار میں رکھنے کے لئے مجبور ہوا ۔ اور اُن لوگوں نے بہت دور تک اُس کا

تعاقب کیا لیکن ناکام رہے۔

جس عرصہ تک کنولی میرے ساتھ رہا ہم لوگوں نے دروں کے اوپر کی حالت پر بہت گفتگو کی۔ اس کی اصل غرض یہ تھی کہ خوارزم میں جو روسی قیدی ہیں اُن کو رہا کرائے۔ اُس کی جانب وہ مستعد ہوکر کام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر قسمت نے اُن کی رہائی دوسرے شخص کے ہاتھوں میں رکھی تھی اور یہ تجویز کردیا تھا کہ جو دوسروں کی آزادی کے لئے سرگرم ہو خود نہایت ہی سخت قیدوں میں رہے جس کا خاتمہ موت سے ہو۔ میں نے اُس سے اپنی دلی خواہش یہ ظاہر کی کہ وہ آگے کے ناکوں تک بڑھ جائے اور کابل یا ہرات بھیج دیا جائے اور مجھے اُس کے ساتھ جاکر مل جانے کی کمال خوشی ہوگی۔ اُس نے وعدہ کیا کہ اگر مجھ سے بن پڑے گا تو میں اس کی کوشش کروں گا اور بعد کو اُس نے انگریز سفیر متعینہ کابل سے اس کی درخواست کی۔ لیکن جواب ملا کہ میں اس قدر دور تھا کہ عین وقت پر اُس کا شریک نہیں ہو سکتا تھا ہم لوگ بطور دوست صادق کے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اُس نے اپنے سفر کی یادداشتیں دیں اور بالیاں کی لڑائی تک برابر اُس کے خطوط آتے رہے۔

زین العابدین شاہ سے ملاقات

۹ ر دسمبر کو میرے پاس زین العابدین شاہ ملنے آئے تھے جو تقی شاہ کے بھائی تھے۔ یہ شخص دُبلا زرد رو اور نہایت بد رو تھا اور صورت سے ایرانی معلوم ہوتا تھا یا یہ کہ کوئی سندھی امیروں میں سے ہو اُس نے میری خوشامد حد سے زیادہ کی۔ جب دینو کے ہاتھوں اُس کے عزیز کے مارے جانے کا ذکر آیا تو جامے سے باہر ہوگیا اور خیرپور کے وزیر فتح محمد اُس کے عزیز کے مارے جانے کا ذکر آیا تو جامہ سے باہر ہوگیا اور خیرپور کے وزیر فتح محمد خاں غوری کو الفاظ نا ملایم کہنے لگا۔ گویا اسی نے اس ڈاکو کو افعال نا شائستہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ وہ وزیر کی نسبت لفظ قرماق بے تکلف استعمال کرتا تھا۔ اور الفاظ فارسی دشنام کے بھی کہتا تھا۔ آج چیچک قیدیوں کو نکلنے لگی اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں چار بگتی راہی ملک عدم ہوئے۔

سردار خیرپور کمال خاں سے ملاقات کچھ دنوں کے بعد خیرپور کا سردار کمال خاں مجھ سے ملنے آیا۔ اس قبیلہ کے لوگ شیخ ہیں اور پہلے پھولاجی اور اس کے قرب وجوار میں رہتے تھے۔ یہاں اُن پر ڈُگی قبیلہ والے بجار خاں کی ماتحتی میں برابر حملے کیا کرتے تھے اور اُن کے نائب مری قبیلہ والے بھی ہوتے تھے۔ ایک دلیرانہ مقابلہ کے بعد اُن کی زمین چھن گئی اور وہ شکارپور کے قرب وجوار میں بھاگ کر چلے آئے۔ وہ قلات اور حیدرآباد بے سود مدد کی تلاش میں گئے۔ جب ہم لوگ ملک میں پہنچے تو وہ حتی الوسع ہماری مدد کے لئے آکر مستعد ہوئے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اُن کی دستگیری کی اور اُن سے وعدہ کیا گیا کہ پھر اُن اضلاع میں وہ آباد کئے جائیں گے۔ جہاں سے خارج کئے گئے ہیں۔

اعتبار خاں ایمیل کے رسالہ میں اس قبیلہ کے بہت سے لوگ تھے اور اُن میں دو ایسے شخص تھے جن پر اُس کو بہت کچھ بھروسہ تھا۔ اُن کا نام اعتبار خاں اور عبداللہ خاں تھا۔ پہلا ایک قوی سرخ رو شخص تھا جس سے خونخواری نمایاں تھی اس کی کمر میں بے شمار پستولیں لگی رہتی تھیں اور اپنی گھنی سیاہ ڈاڑھی اور سرخ پگڑی سے ڈاکو معلوم ہوتا تھا۔ اس کے افعال سے بھی اُس کی وضع کی تصدیق ہوتی تھی۔ وہ دشمن کا گلا کاٹنے کے لئے اس قدر بے پروائی سے اُترتا تھا کہ جس طرح کوئی انگریز اپنا دستانہ اٹھانے کے لئے۔ ایک مرتبہ جب وہ ایمیل کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا ایک مری بلوچ گولی کھا کر زمین پر گرا۔ قبل اس کے کہ ایمیل دخل دے۔ اعتبار نے اس کا سر کاٹ ڈالا اور اُس کے سر کو اُٹھا کر بے پروائی سے کہنے لگا۔

"میں اسے خوب جانتا ہوں یہ فیض اللہ خاں ہے کسی زمانے میں ہم اور یہ پکے دوست تھے"

اعتبار خاں کا انتقام دوسرا خیری عبداللہ خاں ایک حسین نوجوان تھا جس کی سیاہ کاکلیں شانوں پر پڑی رہتی تھیں اور آنکھیں سرگیں تھیں۔ وہ تمام دلیر ڈاکوؤں کا دوست رہ چکا تھا۔ اُن کے اڈوں سے واقف تھا۔ اور اعتبار کے ساتھ مری اور

بگتی پہاڑیوں کے درمیانی مقامات میں ہماری رہنمائی کرتا تھا۔ ان دونوں خیریوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ نفشک کی لڑائی کے بعد وہ میدان میں گئے اور جتنے مری ملے اُن کے سر کاٹ ڈالے۔ اُن کا قول تھا کہ موٹے حساب سے اُن لوگوں نے یہ عمدہ خدمت اُس قبیلہ کے ایک سو تینتیس بلوچیوں کے لئے انجام دی۔

اُن کو اس پر بڑا ناز تھا اور اعتبار واقعی نہایت سنجیدگی ظاہر کرتا تھا۔ جب اپنے ایک پرانے دشمن کا زخمیوں میں پانے کا ذکر کرتا تھا۔ جس سے اُس کو مدتوں سے قلبی عداوت تھی۔ ایک شخص ہیبت خاں ایک مشہور مری قبیلے کا سردار تھا جو نہایت سخت لڑائی کے بعد ہماری توپوں سے زخمی ہوکر گرا تھا۔ اعتبار خاں جب اُس قریب المرگ بہادر کے پاس گیا تو اُس کی خونخوار آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ اُس سے کہنے لگا۔ "ہیبت خاں! تم مجھے پہچانتے ہو پچھلی بار ہم سے اور تم سے ملاقات پھولاجی کے پھاٹک پر ہوئی تھی اور اُس وقت تمہارا پاؤں میرے بھائی کے جسم پر تھا۔ تم نے اُس وقت وہ کیا تھا جواب میں تمہارے ساتھ کروں گا۔" علاوہ ان وحشیانہ افعال کے اعتبار اور عبداللہ سے بے شک ہم لوگوں کو بڑی مدد ملی۔ واقعی اب وہ وقت آگیا تھا جب کہ ہماری کارروائیاں پہاڑی بلوچیوں کے مقابلہ میں نہایت ہی کامیاب ہوچکی تھیں۔

بی برگ سے معرکے میجر ملبور کی ماتحتی میں سرکاری فوج بگتی پہاڑیوں تک داخل ہوگئی تھی۔ وہاں کے سردار بی برگ کو گرفتار کرلیا تھا۔ اُس کے قبیلے کو کئی خونخوار معرکوں میں شکست دی تھی اور اُن کے اس مشہور زعم کا جو ہر ایک شخص کی زبان پر تھا خاتمہ کردیا تھا: "خدا بی برگ کو درہ میں مضرت نہیں پہنچا سکتا"۔ ہماری فوج کاہن بھی گئی تھی جو مریوں کا قلعہ ہے جنھوں نے شاید ہمارے یک بیک پہنچ جانے سے گھبرا کر جس کی نسبت گمان غالب ہے یا کسی دوسری وجہ سے ہمارا مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن ان سب کامیابیوں سے بڑھ کر قلات کا زوال اور محراب خاں کا مارا جانا ایسا امر ہوا جس سے پہاڑی قبیلے خوفناک ہوگئے۔

بجار آکر (جو علاوہ اس کے کہ ہمیشہ اُس کا تعاقب کرتے تھے. جو کچھ تھوڑا گھاس بھوسہ ان اضلاع میں ہوتا تھا جہاں وہ جاتا تھا اسے بھی صرف کرڈالتے تھے) اطاعت کرنے کا ارادہ کرلیا. شاہ پور کے سید کی وساطت سے اُس نے اپنا ارادہ لفٹنٹ پوسٹس پر ظاہر کیا[1]- اُس نے صرف یہی شرط کی کہ اُس کی جاں بخشی ہو.

بجار خاں، بی برگ اور سرداروں کی گرفتاری

۸ جنوری کو مشہور بجار خاں اور اڑتالیس سردار دمکیوں اور جکرانیوں کے مع بی برگ بگتی کے ہمارے قبضہ میں آئے. اب وہ وقت تھا جب کہ ریگستان کے ڈاکوؤں کو ہمیشہ کے لئے دفع کر سکتے تھے اور سندھ کے اس وبائی داغ کو مٹا سکتے تھے. ہم کو اختیار تھا کہ دو تدبیروں میں سے چاہے سختی سے کام لیں یا نرمی سے. ہماری غرض کے لئے ان میں سے کسی علاج کا کام میں لانا یکساں مناسب تھا. مگر ہمارے پولیٹکل افسر نے دونوں دواؤں کو اس بیہودہ طور پر آپس میں آمیز کیا کہ ایک نے دوسرے کا اثر زائل کر دیا. یہاں نہایت ہی مشہور ڈاکو اُس ملک کے اکٹھا تھے جن کے نام سے اُن کے وطن میں اُسی قدر خوف لوگوں پر طاری ہوتا تھا جس قدر ہمارے ملک میں رابن ہڈ یا راب رای کے نام سے. اُن کے بغیر یہ امر برسوں کے لئے ناممکن تھا کہ جو ڈاکو اب تک باقی تھے وہ اس ملک میں تسلط قائم کرنے کے لئے ہماری تدبیروں کو کسی مؤثر طور سے

---

[1] اس افسر پر یہ الزام لگایا ہے کہ اُس نے اس بلوچی سردار کو دھوکا دیا. گویا اُس نے پروانہ آزادی دیدیا تھا جس کو بعد کو ظاہر نہیں کیا گیا. یہ الزام محض بے بنیاد ہے. جو کاغذ بجار کو دیا گیا تھا وہ زبان فارسی میں تھا اور جس میں میں نے خود اُس سے گفتگو کی ہے اُس میں صرف اس کو جان کی امان دی گئی تھی. پس اُن کی جانب سے غلط فہمی نہیں ہوسکتی تھی یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں میں کوئی اور خبر مشہور ہو جو ہمیشہ ہماری بدنامی کی باتوں کو مشتہر کرنے پر آمادہ رہتے تھے بلکہ یہ زیادہ اغلب ہے معلوم ہوتا ہے کہ مریوں نے یہ خبر سُنی تھی جنھوں نے اُس کا ذکر اپنے خط میں میجر براؤن سے کیا جو کاہن میں کمانیہ تھا - ۱۲

روک دیں۔ لیکن اگر اس سے زیادہ ہم کرتے اور اُن کو اپنے مخالفین میں سے علیحدہ کر کے ملا لیتے اور اپنے ساتھ کارروائی کرنے پر آمادہ کرتے تو کل معاملہ فوراً طے ہو جاتا۔

مجھے یقین ہے کہ کسی سکھ گورنر نے کل جماعت کو بلا کسی زیادہ تکلف کے پھانسی دیدی ہوتی۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے یوروپین بہادروں میں سے بہتیروں نے جیسے والنٹینیئن یا کرا نویل جن کی ہمارے دوست کارلایل پرستش کرتے ہیں ایسا ہی کیا ہوتا۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اوٹرم یا ایک دوسرے شخص نے جس کا نام بتا سکتا ہوں، بجار اور بی برگ کو پکا دوست سرکار انگریزی کا بنا دیا ہوتا اور اُن کی طبیعت میں وہ اعتبار پیدا کر لیا ہوتا، جس کے ذریعہ سے اُن وحشی قبیلوں پر حکومت کی ہوتی جو اُنھیں سردار کہتے تھے۔ مگر اس وقت کیا کارروائی ہوئی۔ اسے سنئے وہ ان باتوں میں سے ایک بھی نہیں تھی بلکہ ایک نہایت عمدہ چال چلی گئی جو اپنے طور پر نہایت سہل اور موثر تھی۔ یعنی ریچھ کو اچھی طرح پھنسا یا اور پھر زنجیر علیحدہ کر دی۔

قیدیوں کی اہانت و رہائی

واقعی کل جماعت بجز بجار اور بی برگ کے پابجولاں ہو کر مثل معمولی مجرموں کے کشاں کشاں پھرائی گئی۔ ان کی اہانت کی گئی۔ ان کو اشتعال طبع دلایا گیا۔ وہ جانی دشمن بنائے گئے اور پھر اس کے بعد ہم سے انتقام لینے کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ یہ بات حماقت میں اس قدر بڑھی چڑھی ہے کہ مشکل سے لوگوں کو اعتبار ہوگا مگر یہ بالکل لفظاً و حرفاً درست ہے۔ ایک مثال اُس تدبیر کی یہاں بیان کی جاتی ہے۔ جس سے ان ڈاکوؤں کی اصلاح کی کوشش کی گئی تھی۔

جانی کی خونریزیاں

اُن میں ایک شخص کا نام جانی جو قمبر کا لڑکا تھا۔ اپنی خونریزیوں بے باکانہ جرأت اور بے رحمی کے لئے نہایت مشہور تھا۔ وہ جکرانی قبیلہ میں درجہ اول رکھتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں جکرانی سندھی تھے مگر اپنی دلیرانہ حرکتوں سے بلوچیوں کے برابر ہو گئے تھے۔ میں نے اُس کے حالات اس قدر سُنے تھے کہ جب سرداروں نے اطاعت قبول کی تو میں نے

اُس کی تلاش پہلے کی۔ اُس کی شناخت میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اس کا اس گروہ سے منتخب کرلینا آسان تھا۔ بہت سے زیادہ بلند قد اور قوی لوگ تھے لیکن کوئی ان میں ایسا نہ تھا جس کی صورت سے بدمعاشی اس قدر عیاں تھی۔ اُس کی بڑی بڑی بے باک چمکتی ہوئی آنکھیں اور مضطربانہ حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنی رائے سے وہ یہاں نہ آیا تھا۔ اُس کا قبیلہ بجار کا مقلد تھا۔ اور اُس کو یہ مقابلہ اپنے سرداروں دریا خاں اور ترک علی کے ترجیح دی تھی۔ ان کی خواہش کے مطابق جانی نے اپنے کو انگریزوں کے قبضہ میں کردیا تھا۔ لیکن جو کچھ اسے ان سے نفرت تھی اُسے وہ چھپانے کی کوشش نہ کرتا تھا۔ اُس کی تلوار اب تک خون سے قبضہ تک سرخ ہو رہی تھی اور اُس کے پیچ میں جو کئی دندانے ہوگئے تھے اور اُن میں انسان کے بال چمٹے ہوئے تھے اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس کام میں وہ لائی گئی تھی اُس نے اُس کو نہ چھپایا بلکہ ہنس کر اُسے دکھا دیا اور دھبہ کی کیفیت بھی بیان کی۔

جانی کا حملہ و گرفتاری

دو یا ایک دن قبل سواروں کا ایک دستہ جانی کا تعاقب کررہا تھا کہ اُن میں سے ایک کا گھوڑا ریگستان میں مرگیا۔ چار شخص زین اور اسباب کے لانے کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔ جانی جس کی مشکی مادیان اپنی تیزی کے لئے مشہور تھی اُن کے سر پر تھوڑے سے بلوچیوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ ہمارے سوار بھاگے مگر تین بھاگتے میں مارے گئے اور چوتھا بچ گیا۔ لیکن اُس کے گھوڑے کے پٹھے پر جو ایک کاری زخم لگا تھا اُس سے سوار کے خطرے کی کیفیت ظاہر تھی۔ اس خونخوار دلیر جانی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا جس نے ہمارے آدمیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ پہلے یہ تجویز ہوئی کہ وہ عمر بھر قید رکھا جائے۔ چنانچہ مجھے حکم دیا گیا کہ اُسے پابہ زنجیر کرکے سڑک پر اُن قیدیوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے جو شکارپور میں قید تھے بھیج دیا جائے۔ میں نے اُسے بلا کر اس کی سزا سُنادی۔ ان لوگوں کے لئے جو اُس کے پاس کھڑے تھے یہ بہتر ہوا کہ اُس کی تلوار اُس سے لے لی گئی تھی اُس نے ایک زبردست کوشش بھاگنے کی کی اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی دو ایک

ضرب رسید ہوتی زنا حق کیونکہ سزا میں نے نہیں دی تھی) اگر تین چار آدمی اُس کو چمٹ نہ گئے ہوتے ۔ اُسے لوگ لے گئے لیکن وہ جنگلی جانور کی طرح زور کرتا جاتا تھا اور پا بہ زنجیر تھا ۔ ہر روز جانی کو مشقت کرنے کے لئے لے جاتے تھے اور ہر روز حوالدار مجھ سے آکر کہتا تھا کہ جانی کام نہیں کرتا ۔ بہ عوض کام کرنے کے ایک قیدی اُس کے لئے ایک کپڑا لے جایا کرتا تھا (کیونکہ اُس کے نام کی ہیبت ایسی ہی تھی) جس پر انسپکٹر کے رعب داب سے بیٹھا رہتا تھا اور دوسرے لوگ کام کرتے تھے ۔ میں نے اُس نافرمان کو بلایا اور سمجھایا ۔ (مگر دل میں اس شخص کی دلیری کی تعریف کرتا تھا)

جانی کی رہائی

میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم کام نہ کرنے میں اصرار کرو گے تو کوئی امید تمھاری سزا کے کم ہونے کی نہیں ہے ۔ اُس نے جواب دیا کہ " مجھے پھانسی دے دو یا جس طرح جی چاہے مار ڈالو مگر میں تمھاری غلامی میں کام کو ہاتھ نہ لگاؤں گا " یہ عجیب ہی قسم کا جواب تھا جس سے میں سخت گھبرایا کیونکہ ایسے شخص پر سختی کرنے سے کیا ہو سکتا ہے جو کسی شے سے ڈرتا ہی نہ ہو ۔ ایسے آدمی کے لئے ۔ دوسری تدبیر کرنی چاہئے وہ تدبیر جو میں نے بخوشی کی ہوتی اور جو بالآخر عمل میں لائی گئی مگر بے وقت ۔ بہت عرصہ تک قید رکھنے کے بعد میرے پاس ایک خط آیا جس کی پشت پر لکھا تھا کہ " جانی کو رہا کر دو اور جہاں وہ چاہے اُسے جانے دو " ان الفاظ کا لکھنا آسان تھا مگر ان کے ہر ایک حرف کے لئے ایک شخص کی جان گئی ۔ اُس کی زنجیریں کاٹ دی گئیں ، نصیحت کر دی گئی اور وہ رہا ہو گیا ۔

جانی کا خاتمہ

لیکن تین ہی دن کے اندر اُس نے ایک دفعدار اور ہمارے آٹھ سواروں کو مار ڈالا ۔ اُس کی توبہ کا یہ پہلا ثمر تھا ۔ لیکن اُس کا خاتمہ بھی قریب تھا جو اُس کے لئے نہایت موزوں تھا ۔ وہ ہمیشہ سے اپنے فسق و فجور کے لئے مشہور تھا اور لہری کے سردار بلوچ خاں کی بیوی سے اُس کو محبت تھی ۔ ایک مرتبہ جب وہ اُس عورت کے پاس گیا ہوا تھا بلوچ خاں کو خبر اپنی بے آبروئی کی معلوم ہوئی ۔ جانی مسلح تھا اور اُس پر حملہ

کرنا خطرے کا کام تھا مگر یہ معاملہ آہستگی کے ساتھ طے ہوا۔ مکان کے دروازے بند کر دیئے گئے اور چھت علیحدہ کر دی گئی اور اوپر سے پتھر اس سوتے ہوئے جوڑے پر برسائے گئے جس سے وہ ہمیشہ کے لئے سوتے رہ گئے۔ لیکن جس طور پر جانی کے ساتھ ہمارے ہاں سلوک کیا گیا اُس سے مجھ کو اس قدر رنج نہ ہوا جس قدر اُن تدبیروں سے جو اُس کے ہمراہی قیدیوں کے ساتھ کی گئیں وہ ایک ظالم بے رحم بدمعاش تھا اور اُسے اپنے جرائم کی سزا ملی۔

بجارا اور بی برگ کا رویہ

مگر بجار کے گھرانے کے لوگ اور قسم کے تھے۔ البتہ وہ ظالم اور اس کی خونریزیوں کی جانب سے بے پروا تھے ان کے مذہب اور اُن کی سماجی یا غیر شائستہ حالت نے، جس میں عمدہ باتوں کے اجزا تھے، خود بجار میں بہت سی باتیں اچھی تھیں اور اُس کے بھائی منڈو خاں اور اُس کے بیٹے وزیر خاں اور اُس کے خاندان کے اور لوگوں میں بھی۔ اگر اُن کے ساتھ حکمتِ عملی کا برتاؤ ہوتا تو مجھے پکا یقین ہے کہ اُن لوگوں نے ہم کو دھوکا نہ دیا ہوتا۔ مگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈلوانا اُن کے اسلحہ اور گھوڑوں کو بیچ ڈالنا اور تب اُنھیں رہا کرنا سراسر غلط تھا۔ ان قیدیوں کے ہتھکڑی ڈالنے کا جو حکم آیا تھا وہاں پھر لکھا گیا۔ لیکن جب تاکیدی حکم آیا تو کوئی جگہ توقف کی باقی نہ رہی۔ پہلے بجار سے ملازمت کے لئے کہا گیا اور تنخواہ تین ہزار روپیہ مقرر کی گئی تھی۔ مگر اب زمانہ پلٹ گیا ایک دن اُس نے مجھ سے کہا کہ "صاحب قسمت من چنین است"۔ بی برگ نے اس قدر صبر نہ کیا اُس کو حکم دیا گیا تھا اپنے بیٹے اسلام خاں کو حاضر ہو جانے کے لئے لکھے۔ مگر اُس نے بالکل انکار کیا اور اپنی ناراضگی و شکایت بہ آواز بلند ظاہر کی۔ یہ بی برگ ایک عجیب ہی قسم کا بوڑھا تھا۔ مجھے جب موقع ملتا تھا تو اُس سے گفتگو کر کے اُن کے عجیب و غریب جوابوں سے لطف اٹھاتا تھا۔ ضعیفی میں وہی ایک شخص تھا۔ جو میرے تجربے میں جوان نظر آتا تھا۔ واقعی کسی پری نے اُسے تربت آبِ حیات پلا دیا تھا جس سے وہ چالیس برس سے زیادہ سن کا معلوم نہ ہوتا تھا اُس کے بال نہایت لمبے تھے اور سیاہ تھے اور اُس کی سرگیں آنکھیں مثل الماس کے درخشاں تھیں۔

قیدیوں کے اسلحہ و مویشیوں کی فروختگی

۸ر فروری کو دکی اور جکرانی قیدیوں کے اسلحہ اور جانور بک گئے۔ بجز بجار اور دریا خاں کے سب نہایت ہی ادنے درجہ کے جانور شکار پور میں ساتھ لائے تھے وہ سب دراصل بدرو چھوٹے چھوٹے یابوؤں پر سوار تھے جو مضبوط اور تیز بہت تھے مگر اس قدر پستہ قد اور کمزور تھے کہ اُن کے سوار ہمارے سواروں کے مدمقابل نہیں ہو سکتے تھے۔اُن کے ہتھیار توڑے دار ذلیل بندوقیں گینڈے کی کھال کی ڈھالیں اور چوڑی چوڑی تیز تلواریں تھیں۔ بلوچی تلوار کے بڑے دھنی ہوتے ہیں۔ یہ مشہور ہے کہ اُن کے یہاں ایک معمولی کرتب یہ ہے کہ ایک وار میں بھیڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتیں۔ بجار خاں اور جکرانی سردار کی گھوڑیاں جسیم اور قوی تھیں۔ چنانچہ پہلے شخص کی دو سو دس روپیہ میں فروخت ہوئی اور دوسرے کی چار سو روپیہ میں بجار کی گھوڑی بڑی شائستہ تھی چنانچہ وہ بمبئی نسل بڑھانے کے لئے بھیج دی گئی۔

مگر دوسری گھوڑی نہایت ہی تیز اور شریر تھی۔اسے پہلے ایک افسر نے نہایت پسند کر کے مول لیا۔لیکن کبھی اُس کی چال دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔کچھ دنوں تک اُسے باہر نکال کر مشق کرائی جاتی تھی۔ اور چمکا کر وہ راہ پر لائی جاتی تھی مگر سب بے سود تھا۔ اس کے خراٹوں ایال کی ترچھی استادگی اور غضب ناک صورت سے صاف صاف معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ کہہ رہی ہے کہ" میں وحشی جانور وحشی سوار کے لئے موزوں ہوں۔

آخر کار الف خاں ترین نے جو شریر جانور کو نہایت پسند کرتا تھا اُس کی خریداری پر آمادگی ظاہر کی۔معاملہ فوراً طے ہوگیا اور دریا خاں کی گھوڑی کو پھر ایک سوار اپنی پشت پر محسوس ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر یہ بھی بڑی حکمت سے سوار ہو سکا۔ وہ اُسے ایک تنگ گلی میں دیواروں کے درمیان لے گیا جہاں سے وہ نکل نہ سکتی تھی۔ اور اس وقت اُسے پیٹھ پر بوجھ معلوم ہوا۔ وہ الف ہوگئی اور ریشتیکین چلانی شروع کیں اور دو تین بار اچھلنے کے بعد اس زبردست شخص کو آگے پھینک دیا۔

ہر چند کہ اسے چوٹ لگی مگر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پیٹھ پر جا بیٹھا اور اس مرتبہ گھوڑی نے شاید یہ سمجھ کر کہ اس کی قوت کی آزمایش ہو چکی سکوت اختیار کیا۔

واقعی وہ جانور اصیل تھا اور الف خاں اس کی شرارتوں سے خوش ہوتا تھا اور اکثر کہتا تھا کہ "جب میں اس گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانیوں کا غرور میری ران کے نیچے ہے۔ مگر جب دریا خاں رہا ہوا تو وہ گھوڑی الف خاں سے لے کر اس کے حوالہ کی گئی۔ اور اس کی قیمت گورنمنٹ سے واپس ملی۔

باب ۷

معرکۂ ستراف

کلارک کی مہم

انگلستان کے لوگوں کو ماہ مئی کا ایک عمدہ خیال ہے اور اُس لفظ ہی سے اُن کو سبز کھیتوں اور بچوں کا سرخ و سفید پھولوں کو جن سے دل فرخ خوشبو آتی ہے جمع کرنے کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس میرے دل سے ایک مدت ہوئی کہ یہ توہمات خارج ہو گئے ہیں۔ اب مجھ کو اس بات کی نصیحت کرنے کے لئے میرا مئی کا مہینہ قدیم انگلستان کے خوش نما مئی کے مہینے سے جدا ہے خود کو لڑتے ہوئے پنکھے کی ضرورت نہ تھی جسے ایک بوڑھا سیہ فام شخص پگڑی باندھے کھینچتا تھا نہ تاریک کمرہ اور ہوا سے پنکھے کی لگاتار گردشوں کی۔ میں بے بسی سے چھیانوے درجہ کی گرمی میں عرق عرق ہو رہا تھا کہ ایک لانبا نوجوان افسر اندر داخل ہوا اور مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے اُس سے کہا کہ "کیوں کلارک! تم کس لئے ایسے نامعقول موسم میں باہر نکلے؟ جس سے انسان کا دماغ پگھل رہا ہے چاہے وہ فولاد یا سنگ خارا سے کیوں نہ بنا ہو" اُس نے جواب دیا "مجھے مری کی پہاڑیوں میں رسد کی حفاظت کے لئے جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں بالکل تندرست نہیں ہوں کیونکہ تین دن سے بخار آ رہا ہے اور نہ میری کام کی باری ہے، مگر میں اس کی نسبت کچھ نہ کہوں گا" اُس نے رہنما طلب کئے۔ اور میں نے اُس کو دیئے اور وہ رخصت ہوا۔

سرتاف کی لڑائی

چند روز کے بعد میں بخار میں مبتلا اور کمبلوں کے بوجھ سے دبا ہوا کانپ رہا تھا کہ میرے کمرے کا پردہ ہٹا کر مجھ سے یہ کہا کہ "خبر نہایت خراب ہے۔ کلارک اور اُس کے کل آدمی مارے گئے اور ان میں سے ایک متنفس نہیں بچا"۔ واقعی یہی ہوا اور وہ بہادر دل جو اس قدر زیادہ تڑپ رکھتا تھا اس وقت موت سے سرد ہوگیا تھا۔ بہت دنوں کے بعد مجھے اس کی کل کیفیت عبداللہ اور دوسرے لوگوں سے، جو موجود تھے، معلوم ہوئی۔ انھوں نے بیان کیا کہ کلارک نے چند بلوچیوں سے کہا تھا کہ میں کاہن کو جاتا ہوں۔ اگر دودامری مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو کرے۔ یہ پیغام ناعاقبت اندیشی کا تھا بشرطیکہ واقعی وہ بھی گیا۔ لیکن مجھ کو اس مقام پر راوی کی صداقت پر شک ہے کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ کلارک کام کا آدمی تھا اور ڈینگ مارنا اُس کا شیوہ نہ تھا۔ بہرحال مریوں نے ہماری فوج کو راہ میں کاہن سے واپس آتے وقت روکا، جس کے ساتھ معمول کے مطابق ایک بڑی قطار اونٹوں کی تھی۔ کلارک نے آگے پیچھے کی پہاڑیوں کو آدمیوں سے بھرا ہوا پایا۔ وہ اپنا آخری کھانا کھانے کے لئے بیٹھا۔ اور اُسی اطمینان کے ساتھ کھایا کہ گویا کوئی دشمن مقابلہ میں نہیں ہے اور پھر مرنے کے لئے اٹھا۔ اُس نے اپنے لوگوں کو ایک جگہ ڈھلان پر اکٹھا کیا جو سرتاف کہلاتی ہے (غالباً یہ لفظ سرآب ہے جس کے معنی پانی کے چشمہ کے ہیں)، جہاں سے اُس نے کئی بار بلوچیوں کو، جو خونخواری کے ساتھ حملہ کرتے تھے پسپا کیا۔

کلارک کا قتل

مگر آخرکار ایک گروہ اُن لوگوں کا اُس کے عقب میں ایک اور اونچے مقام سے آگیا۔ اور ایک بہادرانہ مقابلہ کے بعد وہ زمین پر گرا دیا گیا اور اُس کا گلا اس قسم کی ایک چھری سے کاٹا گیا جو تمام بلوچی اپنی کمر میں اس قسم کے نیک کاموں یا اپنے معمولی مصرفوں کے لئے رکھتے ہیں۔ اس کی کمان میں جو فوج قریب ایک سو ساٹھ آدمیوں کے تھی، اُن میں سے صرف بے قاعدہ سوار تیس یا چالیس کے درمیان اور چھ سات سپاہی، جن میں سے زیادہ لوگ زخمی تھے، جان سلامت لے کر آئے۔ مہینوں کے بعد

ایک سندھی میرے دوست کی کنجیاں اور کچھ اور چیزیں اور اس کا پتلون خون آلودہ جو ایک چٹان کے جوف میں تھا میرے پاس لے کر آیا۔ یہی پہلا سخت نقصان ہم لوگوں کو مع شکست کے جب سے کہ ہماری فوج سندھ دریا کے پار اتری تھی ہوا۔ اس کا اثر زیادہ ہوا اور مری اپنی کامیابی سے نہایت خوش ہوئے۔ چنانچہ اُس وقت سے کوئی دستہ بغیر خطرے کے پہاڑیوں میں نہ جا سکتا تھا۔ سپاہیوں کو جب اُس طرف روانہ کرتے تھے تو وہ یہ تصور کرتے تھے کہ گویا اُن کو سیدھا راستہ ملک الموت کے ملک کا بتایا گیا ہے۔

جکرانی اور مری قبیلوں کے حملوں کا خطرہ

سرتاف کے معرکہ کے ساتھ ایک اور بھی ناموزوں واقعہ ہوا۔ ایمیل کو یہ خبر ملی کہ جکرانی قبیلہ والے جو مری قبیلے کے ملک کی مشرقی پہاڑوں پر آباد اور مشہور ڈاکو ہیں، ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس نے ان کا تعاقب کرنا چاہا اور قریب اسّی سواروں کو جو اس کے لفٹیننٹ وارڈن کے زیر کمان تھے اور یارو کو ساکو بطور رہنما کے ساتھ لے کر شام کو اُس طرف روانہ ہوا جہاں ڈاکو مع اپنے اسباب غنیمت کے ٹھہرے ہوئے بیان کئے گئے تھے۔ وہ لوگ تمام رات چلتے گئے۔ جب صبح ہوئی تو دشمن نظر نہ آئے بلکہ ایک وسیع شیطان کی آنت سا ریگستان دکھائی دیا۔ وہاں دن اس قدر آہستہ چال سے نہیں چلتا جس طرح اور عمدہ ملکوں میں وہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا ہے۔ وہ یک بیک سرخ و خونخوار اور ناقابل برداشت ہو کر ریگستان میں پھٹ پڑتا ہے۔ سوائے ریگستان کے ڈاکوؤں کے اور کوئی اس آتشی آزمائش کو نہیں برداشت کر سکتا۔ چونکہ وہ انھیں خشک جگہوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ طفلی ہی سے تکان اور تشنگی کے برداشت کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے۔

تمام لوگوں میں بلوچی عرصہ تک پانی کی خواہش کو روک سکتے ہیں ۔ جب وہ بہت دور دھاوے ڈالتے ہیں تو صرف ایک ہی بار پانی پیتے ہیں اور دن کی تپش میں کبھی نہیں پیتے۔ دراصل وہ ایک قسم کی نہایت ہی سخت مشاقی کرتے ہیں اور جو اُن کا مقابلہ کرنا چاہیں وہ بھی اُسے حاصل کریں ۔ مگر کوئی یوروپین اپنی طبیعت کو اس قدر تبدیل کرنے کی امید نہیں کرسکتا کہ سخت جانی میں اُن کا ہم پلہ ہو ۔ بلوچی لگاتار پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ بلکہ ستر میل تک بغیر کسی جگہ ٹھہرنے کے چلے جاتے ہیں ۔ ان کی چندیا کھلی رہتی ہے صرف ایک لمبی پیٹی ڈھیلی پیشانی کے گرد لپٹی رہتی ہے ۔ سواری کے لئے زین کاٹھ کا ایسا سخت ہوتا ہے جس سے درد پیدا ہو جائے ۔ گھوڑا وہ جو قد میں چھوٹا دُبلا بدرو مگر قوی ۔ گھوڑی ایسی جس کا قدم بجز اُس وقت کے جب وہ بگڑی ہوئی ہو چھوٹا اور بھدا نہیں پڑتا ہے ۔

ایک موقع پر جب کہ ایک مختصر جماعت سر جان کین کی فوج کے شریک ہونے کے لئے جاتی تھی اور آدھے آدمی شکارپور اور پرشوری کے درمیان اس وجہ سے ضایع ہو چکے تھے کہ بلوچی رہنما ان کو ایک ہی بار بہت دور تک لے گیا تھا ۔ جب اُس سے یہ پوچھا گیا کہ " تو نے اُن بدنصیبوں کو کیوں کوئی جگہ ٹھہرنے کی نہ دکھائی ۔ جب کہ کئی ایک راستہ پر موجود تھیں " ۔ تو اُس نے جواب دیا کہ " کیونکہ میں کہہ سکتا تھا ۔ میں اور میرا جانور اب تک تازہ دم ہیں اور میں سمجھا کہ اُن کو چلنا ناگوار نہیں ہے " مگر وہاں اُن کی جان پر آبنی ۔

ایمیل کے دستہ کی پریشانی ایمیل کے سواروں کی بھی جب دن نکل آیا تو آگے بڑھنے کی قوت جاتی رہی ۔ ہر طرف پانی کی پکار تھی ۔ بعض راستہ بھول گئے یا پیچھے رہ گئے اور مصیبت سے مرے ۔ عزیمت کی غرض فراموش ہوگئی ۔ اب یہی

لہ مگر وہ بھنگ پینے کے بڑے عادی ہیں جو خون کو نہایت جوش دیتی ہے ۔ لیکن تعجب ہے کہ مثل افیون یا شراب کے نشہ اتر جانے پر کسی قسم کی سستی نہیں لاتی ۔ ۱۲

خیال ہوا کہ کسی قدر جان لے کر واپس چلئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ سب لوگ یارو رہنما کے قبضہ میں تھے۔ اگر وہ چلا گیا ہوتا یا اُس نے دو ایک گھنٹہ تک اور لوگوں کو ریگستان میں رکھا ہوتا تو ہر شخص کی قضا آجاتی۔ مگر شاید یارو اپنے اگلے دوستوں بگٹیوں کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ تاہم اُس کی یہ خواہش نہ تھی کہ گورنمنٹ سے جو تنخواہ ماہوار ملتی ہے اُسے ضائع کرے۔ وہ ایمیل کو ایک گندے تالاب پر لے گیا جو ریگستان کے ڈاکوؤں ہی کو معلوم تھا اور اس پانی کے ملنے سے وہ دستہ پھر اُس جگہ واپس آسکا جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ پانی کو دیکھکر جو سیاہ گدلا اور بدبودار تھا، کل جماعت انسان اور جانور منھ کے بَل دوڑ کر اُس پر جا گرے اور آپس میں اُس قیمتی شے کے لئے لڑنے لگے۔

اس طور پر یہ کوشش ناکام ہوئی اور چند دن کے بعد تین گھوڑے اور اُن کے سوار ریگستان میں چند ہی میل پر شکارپور کی سرحد سے مُردہ اور اینٹھے ہوئے پائے گئے۔ یہ ناکامی کی افسوسناک یادگار تھی۔ اور لوگ جو اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑے تلاش کیے گئے اور مجنونانہ حالت میں لائے گئے۔ جیسا کہ ایسی حالتوں میں معمول ہے۔

یارو کے خلاف مقدمہ

تمام لوگ یارو کے خلاف شور کرتے تھے۔ وہ شکارپور میں قید کرکے بھیج دیا گیا اور اُس کے پھانسی دیئے جانے کی درخواست کی گئی۔ میں اُس کے خلاف بیان لینے پر تعینات ہوا اور مجھے اس امر سے خوشی بھی ہوئی کہ یہ کام میرے سپرد ہوا کیونکہ مجھے اس کی نسبت کوئی تعصب نہ تھا۔ غور کیجئے تو ہمارا یہ حد سے زیادہ امید کرنا نہیں ہے؟ کہ جو لوگ ہماری ملازمت اختیار کریں ہم اُن سے یہ درخواست کریں کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو گرفتار یا ہلاک کرائیں۔

جب شہادت لی گئی تو کوئی بات ایسی معلوم نہ ہوئی جس سے ثابت ہو کہ یارو بالقصد ہمارے آدمیوں کو راہ سے علیحدہ لے گیا تھا۔ جو کچھ اُس سے کہا جاتا تھا اس کا ایک لفظ بھی وہ سمجھ نہ سکتا تھا۔ اُس نے ڈاکوؤں کی خبر نہ دی تھی اور یہ ظن غالب ہے کہ اگر اُس

نے ہزار کوشش کی ہوتی تو اُن کو نہ پاتا۔ اُس نے خود کہا کہ واپسی کا حکم جس وقت دیا گیا اُس وقت دو تہائی بھی اُس مسافت کی طے نہ کر چکے تھے جہاں ڈاکوؤں کی موجودگی کی امید تھی۔ خلاصہ یہ کہ یا رو برّی ہو گیا اور بعد میں اُس نے اعلیٰ خدمت انجام دی۔

بلوچی سرداروں کی اطاعت

۱۸۴۰ء کی گرمی کا موسم اب بخوبی آگیا تھا اور ایک بڑی تبدیلی ہماری حالت میں دریا رسندھ کے پار ہو گئی تھی۔ سال ماقبل ہمارے کابل کی عزیمت کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا تھا شاہ اپنے مورثوں کے تخت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ قندھار کے سردار اور اُن کا زبردست بھائی دوست محمد بھاگ گیا تھا۔ محراب خاں قلاتی نے ہمارے ساتھ عداوت کرنے کا کفارہ اپنے خون سے دیا اور بالآخر ڈاکو بلوچیوں کے سرداروں نے سمجھ کر ہماری اطاعت قبول کی تھی اور اس وقت ہماری قید میں تھے۔ ہم لوگوں نے ایک وسیع ملک کو فتح کر لیا تھا۔ مگر اُس کو قبضہ میں رکھنے کا کام جو اس سے زیادہ وقت طلب تھا وہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر ہوشیاری کی ہوتی تو بے شک ہم لوگ اُس کو قبضہ میں بہ آسانی رکھ سکتے تھے۔

مگر اب ہر ایک قدم پیچھے پڑنے لگا۔ ہم لوگ پولٹیکل سیڑھی پر صرف اسی لئے چڑھ گئے تھے کہ دکھا دیں کہ کس پھرتی سے ہم نیچے اُتر سکتے ہیں۔ اولاً ہم نے اپنی فوج بہت جلد ہٹالی اور جو پلٹنیں رہ گئیں اُن میں جس نے خانگی کام کے حیلہ سے رخصت چاہی ملی۔ افغان اور بلوچیوں نے ہماری تھوڑی تعداد کو شمار کرنا شروع کیا۔ ان کو شرم آئی کہ تھوڑے سے لوگوں سے دب کر رہیں۔ اس پر سرتاف میں زک ملی جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے فوجی دستے پہاڑیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک دستہ کلارک کی ماتحتی میں بالکل ضائع ہوا اور پلٹنوں کی ضرورت تھی۔ مگر وہ سندھ میں کہاں مل سکتی تھیں تاوقتیکہ ہم لوگوں نے سکھر اور کراچی کے مستقروں کو چھوڑ دینا منظور نہ کیا۔

سیاسی افسر کی لاپرواہی

اس درمیان میں ہمارے پولٹیکل افسر بالا شملہ کی سرد ہوا کی

کا لطف معرکۂ جنگ سے کوسوں دور بیٹھے ہوئے اٹھا رہے تھے۔ مگر وہاں سے مثل ایک دیوتا کے اس دنیا کے معاملات کی نگرانی بھی کر رہے تھے جو اسسٹنٹ ایجنسی کا انچارج تھا، اُسے ہر ایک ضروری امر میں اپنے غیر حاضر افسر سے دریافت کرنا ہوتا تھا اور ہفتوں میں اس کا جواب آتا تھا۔ اس کے سوا وہ زبان سے بالکل ناواقف تھا اور ہر بات کی اطلاع کے لئے اُسے اپنے چلتے پرزے منشی پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ سچ ہے کہ وہ ایک لائق افسر تھا اور اس میں عمدہ خلقی اوصاف تھے مگر اس کی کل روش کی بنا کچھ ایسے اصول پر تھی جس سے وہ کسی امر سے خوش ہی نہ ہوتا تھا۔ دوسرے جو شخص روزانہ ایک درجن سے لے کر دو درجن تک بیر شراب لنڈھائے وہ ہمیشہ عمدہ طور پر نہایت باریک تفرلق مصلحت اور خلاف مصلحت امور میں نہیں کر سکتا۔

محاصرہ کاہن

اس حالت میں اس بات کے جاننے کے لئے کہ مصیبتیں سر پر آنے والی ہیں کچھ الہام کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے جو قلات میں تیس سپاہیوں کے ساتھ تھا مدد کے لئے لکھنا شروع کیا اور کاہن کو دشمن نے گھیر لیا تھا۔ میں نے بہت سے خطوط بمبئی کے سکریٹریٹ کے دفتر میں روانہ کئے جس میں میں نے حتی الوسع غلطیاں اور اُن کی تدابیر دکھلائیں۔ سب سے فاش غلطی ہماری یہ تھی کہ ایک مشہور دغا باز اور مرتد کو کچھی کے صوبے کا حاکم مقرر کیا تھا۔ انگریزی حکومت انصاف کا نمونہ ہے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے نہ کسی کی رعایت۔ سب لوگ برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں۔ کسی عہدے کے لئے کوئی ناقابلیت نہیں سمجھی جا سکتی۔ تاکہ لوگ اسے محض زبانی جمع خرچ نہ تصور کریں۔ اس کی مثال دکھا دینی چاہئے اور ایسی مثال تجویز کرنی چاہیئے جس پر فوراً خیال رجوع ہو۔

صوبہ کچھی پر محمد شریف کا تقرر

انگریزوں نے ایک نیا صوبہ کچھی کا برائے نام شاہ کے لئے فتح کیا۔ لیکن سچ پوچھئے تو وہ اپنے لئے تھا۔ خیر اسے

جانے دیجئے ۔کیونکہ انھیں ایک نیا صوبہ ملا تھا ۔پس ایک نئے حاکم کی ضرورت تھی چنانچہ مذکورۂ بالا اصول کچھ ثابت کر دکھائے اور اس امر کے اظہار کے لئے کہ کسی شخص کا حق ترقی نظر انداز نہ کیا جائے گا انھوں نے ایسے شخص کو منتخب کیا جس کے حقوق کمتر ہی نہیں تھے بلکہ قطعی طور پر نفی کے برابر تھے ۔

کیا کسی نے پوچھا بھی تھا کہ محمد شریف کون شخص ہے ؟ جس وقت وہ کچھی کا حاکم مقرر کیا گیا ۔اگر پوچھا گیا ہوتا تو صداقت خود بول اُٹھتی کہ "وہ ہرند اور داجل کے اضلاع کا حاکم محراب خان قلاتی کی جانب سے تھا اور انھیں رنجیت سنگھ سے سازش کر کے حوالہ کردیا ۔ وہ ایسا شخص تھا ۔جس سے لوگ اسی قدر نفرت کرتے تھے جس قدر خوف سے ۔اُسے کسی آقا کی خدمت کرنے میں عذر نہ تھا کیونکہ وہ سب کے ساتھ دغا کرتا تھا ورنہ اُسے تنخواہ کی کچھ پروا نہ تھی ۔ کیونکہ چاہے تنخواہ کم ہو یا زیادہ جن پر وہ حکومت کرتا تھا اُن کے کپڑے تک اُتروا لیتا تھا ۔وہ اپنا سلسلہ خاندانی حضرت محمدؐ سے قائم کرتا تھا اور اُس کا دعویٰ صحیح بھی تھا کیونکہ آنحضرتؐ کی طرح اُس نے ایک معجزہ بھی دکھلایا ۔ اور لوگ اُس پر اعتبار کرنے لگے ۔

محمد شریف کی مطلق العنانی

ایسے شخص کو ضبط کے باعث لوگوں نے سرکار کی جانب سے کچھی کا حاکم مقرر کیا ۔اُس کے ساتھ کوئی یوروپین افسر اُس کی کارروائی کی نگرانی کے لئے تعینات نہیں ہوا ۔اس کو بذات خاص مطلق العنان کر دیا کہ من مانی عیاریاں کرے اور اُس نے تھوڑے ہی دن میں اُس وسیع بغاوت کی بنیاد ڈالی جس سے شاہ نواز کو قلات سے مفرور ہونا پڑا ۔کوڑے مارا گیا اور کچھی لٹ گیا ۔ وہ اوائل میں ایک مرتبہ ایجنسی میں ملنے کے لئے آیا تھا جہاں مجھ سے ملاقات ہوئی تھی ۔ صورت سے وہ وجیہہ لمبا اور سجیلا جوان تھا اور اُس کی سیاہ ڈاڑھی نہایت اچھی تھی ۔ مگر وہ شاذ ہی لوگوں سے نگاہ ملا کر ہم کلام ہوتا تھا اور جب ایسا کرتا تھا تو اُس کی نگاہ

سے ایک بدنما اثر ظاہر ہوتا تھا۔ البتہ اُس کے الفاظ بڑی طاقت کے تھے جس سے ہیڈکوارٹر میں اُس کا رسوخ بہت جلد زیادہ ہوگیا۔

اُس کے اور خاص منشی نربنیا سہائے کے درمیان لگاتار خط وکتابت جاری تھی۔ یہ ظاہر تھا کہ دونوں ایک ہی کشتی پر سوار ہیں اور آخر میں اسی کشتی میں دونوں ڈوب مرے۔ میں نہیں جانتا کہ انھیں حضرات کی رائے سے یہ کیا گیا۔ یا کسی اور کے مشورہ پر کہ تمام جاگیریں جو لوگوں کو اگلی سرکاروں نے خدمات کے صلہ میں دی تھیں۔ انگریز سرکار نے کچھی پینے پر ضبط کرلیں۔

براہوی سرداروں کی جاگیروں کی ضبطی اتفاقاً وہ زمانہ خشک سالی کا تھا۔ پس ایسی کارروائی کی نسبت لوگوں کے کیا خیالات تھے؟ وہ تصور کیے جا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کی اراضیات ضبطی میں آئیں اُن میں شاہ نواز خاں کا بہنوئی کمال خاں ایقازئی ورحیم خاں منگل جس کا باپ قدرت کے دھاوے میں مارا گیا تھا وعیٰسی خاں منگل وعطا خاں اور براہویوں کے چند اور بڑے زبردست اور بارسوخ سردار بھی تھے۔ ان میں سے بعض شکار پور ہو کر سکھر گئے۔ تاکہ اپنے حقوق کی واپسی کے لئے درخواست کریں۔ میں اُن کی آمد اور غرض سے واقف تھا۔ چنانچہ جس قدر مجھ سے ہوسکا میں نے پرزور خط اُن کے حقوق کی تائید میں لکھا۔ مگر اُن کو کئی دن تک یوں ہی ٹھہرا رکھا گیا اور آخر میں کج خلقی کے ساتھ انکار کردیا گیا۔

براہوی سرداروں کی ناراضگی مجھے ذرا بھی شک اس امر میں نہیں ہے کہ محمد شریف کے یہ کانٹے بوتے ہوئے تھے اور اس طور پر وہ ایک جماعت ناراض سرداروں کی ہمارے خلاف تیار کرنا چاہتا تھا۔ اگر اُس کی یہ غرض تھی تو بخوبی پوری ہوئی۔ کیونکہ جب وہ لوگ ناامید اور افسردہ ہوکر اپنے پہاڑوں کو واپس گئے اور جاگیروں کی واپسی کی درخواست کی سماعت نہ ہوئی تو اُن لوگوں نے کئی ہزار بلوائی اکٹھا

کرلئے۔ لیکن ہماری حکمت عملی یہیں تک نہ تھی کہ بغاوت کی آگ مشتعل کریں بلکہ اُس کے قایم رکھنے کے لئے ہم نے سامان بھی فراہم کردیا۔

ان حصوں میں سرکاری مال گزاری جنس کی شکل میں وصول ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت کچھ ذخیرہ اناج کا محمد شریف نے گنڈواکوٹڑواور ڈاڈر میں جمع کیا اور یہ مقامات بلوائیوں کے موقع کے تھے جو آگے بڑھے آتے تھے کیونکہ بعض جگہ مثل ڈاڈر کے بالکل فوج نہ تھی یا تھی بھی تو نہایت مختصر۔

پولٹیکل ایجنٹوں کی نااہلی

اس درمیان میں جب یہ واقعات یہاں ہورہے تھے تو پولٹیکل ایجنٹ لوگ کیا کررہے تھے؟ میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ خودمیری حالت نہایت افسوسناک تھی۔ یعنی میں شطرنج کا کھیل دیکھ رہا تھا جس میں اچھی اور بُری دونوں چالیں چلی جاتی تھیں۔ لیکن زبان نہیں ہلا سکتا تھا۔ ہمارے فرائض منصبی بھی اس قدر زیادہ اور مختلف قسم کے تھے کہ ہم لوگوں کو بجز اتفاقیہ نہایش کے اور موقع اپنے افسر بالاکو لکھنے کا نہ ملتا تھا۔ ایک بڑے خزانے کی نگرانی اور محبس کی حفاظت جس میں بے شمار لوگ تھے۔ اور ڈاک خانہ کا کام جس سے سیکڑوں خطوط اور پارسل روزانہ ہوتے تھے۔ انسان کو زیادہ خیالات پر زور دینے کا موقع کم دیتے تھے۔

سندھی لغت کی تیاری

میری نگرانی کے کاموں میں یہ کام بھی تھے کہ ایک لمبی چوڑی رپورٹ شمالی سندھ کے تمام موضعوں کی تیار کروں جس میں مالکان کے نام اور تعداد مال گزاری وصول شدہ کی ہو۔ اور ایک نرخ نامہ شکارپور کے بازار کی اشیاء فروختنی کا بھی نتھی رہے اور ایک ڈکشنری سندھی زبان کی درست کروں جس میں چار پانچ ہزار الفاظ ہوں اور کئی منشیوں سے ایک ایک لفظ پر بحث کی جائے لغت کے تیار کرنے میں مجھے خواہ مخواہ حرفوں کو بھی سیکھنا پڑا جس میں یہ تخصیص ہے کہ

صرف ابتدائی حروف شمسی باستثنائے چند کے لکھے جاتے ہیں۔اس وجہ سے تحریر میں سخت دقت واقع ہوتی ہے کیونکہ فقط حروف قمری ظاہر کیے جاتے ہیں اور شمسی کو جیسا موقع بہ لحاظ معنی کے آپ دیکھیں ویسا کام میں لائیں ۔ مثلاً لفظ پیر تن جس کے معنی پیارے کے ہیں ٹھیک اسی طور پر لکھا جاتا ہے جس طرح پرے جس کے معنی آگے ہیں کیونکہ حروف (پ) اور (ر) ظاہر کیے جاتے ہیں ۔ اسی طور کا جس میں محذوف حروف رہیں۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خود وہاں کے باشندے اُن مختصر عجیب وغریب خطوط کے جوان کے پاس آتے ہیں، اپنی مرضی کے معنی نکالتے اور سخت غلطیاں کرتے ہیں ۔

ایک سوداگر کے پاس ایک خط راجپوتانہ سے ایک دوست کے ہاں سے آیا تھا جہاں اُس کا لڑکا چلا گیا تھا۔ چونکہ وہ کتابت جلد نہ پڑھ سکتا تھا اس لیے اُس نے شتاب سے خط پڑھوایا اور پڑھنے والے نے اس طور پر اُس کی تفسیر کی کہ وہ اُس کے فرزند کی موت کی خبر سمجھی گئی۔ بے چارہ باپ سر پہ خاک اُڑانے اور زور سے چلانے لگا۔ اور ایک بھیڑ اس کے گرد جمع ہوگئی۔ وہ رو رو کر کہتا تھا کہ " افسوس ! وہ میرا اکلوتا لڑکا تھا"!
تماشائیوں میں سے ایک شخص نے اُس کی حالت پر افسوس کرکے خط دیکھنے کے لیے مانگا۔ اُس نے کہا کہ " اس میں تو تمھارے لڑکے کے مرنے کی خبر کہیں بھی نہیں ہے بلکہ یہ کہ اس نے اپنا بیاہ کرلیا"۔ باپ نے کہا کہ " اب میری حالت اور بھی خراب ہے اور نہ میں رو سکتا ہوں نہ ہنس سکتا ہوں"۔

ایک اور شخص کا ذکر ہے جس نے کاتب کو کچھ اجرت بھی دی تھی۔ جب خط اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا تو کوئی شخص بجز فرستندہ کے نام کے ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ واپس آیا اور فرستندہ غصہ میں آکر لکھنے والے کے پاس لے کر گیا کہ خط نہ پڑھے جانے کی وجہ سے واپس آیا۔ کاتب نے کہا کہ " ہاں ! یہ ممکن ہے کیونکہ میں خود نہیں پڑھ سکتا۔ تم نے مجھے لکھنے کی اُجرت دی تھی نہ خط کے پڑھنے کی۔ یہ کیفیت کچھ دھوتیا پرشادمہر دوں کی

سی ہے اور جسے اس لطف کے دیکھنے کا شوق ہو وہ شکار پور تشریف لے جائے۔

مالیہ میں اضافہ چونکہ ہمارے لئے روزانہ بازار کے اصل نرخ کا جاننا نہایت ضروری تھا میں نے حرفوں کے پڑھنے کی دقت پر قابو حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا اور برابر محنت کرنے لگا حتیٰ کہ میرا ہندوستانی محاسب مجھ کو دھوکا نہ دے سکتا تھا۔ ایک ثمرہ اس کا یہ حاصل ہوا کہ جہاں کمپنی کا نقصان دس فی صدی قندھار کی ہنڈیوں پر ہوتا تھا وہاں شکار پور کی ہنڈیوں میں ایک فی صدی کا فائدہ ہونے لگا اور یہ فائدہ سال میں کئی ہزار روپیہ کا ہوا۔

باب ۸

کاہن پر قبضہ

ولی اللہ کی اہمیت و توقیر
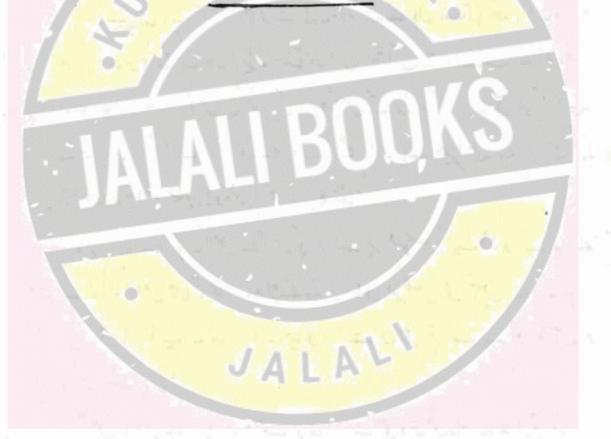
ولی کس کام کے ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد تو اُن سے کوئی مصرف نہیں نکلتا۔ مگر مشرق میں ولی زندہ اور مردہ دونوں قسم کے ہوتے ہیں اور جو زندہ رہتے ہیں۔ وہ کام کے ہوتے ہیں۔

فرض کیجیے، کہ کسی سوداگر کو کسی خطرناک اور دور دراز ملک میں جانا ہے اور وہ اپنے لڑکے کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ اور چھوڑ جانے میں بھی خوف لگا ہوا ہے۔ نہ راہ رفتن نہ پائے ماندن۔ ایسی حالت میں وہ فوراً کسی پیر کو تلاش کرکے اپنی لڑکی اُس کی بیویوں کے سپرد کردیتا ہے۔ اور پھر بے تردد سفر کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسے خوب معلوم رہتا ہے کہ کوئی پیر کی حرم سرا میں نہیں جاسکتا۔ یہی کیفیت مال کی ہے کہ اگر کسی پیر کے سپرد کردیا جائے تو حفاظت سے رہے گا اور کوئی اُسے ہاتھ نہ لگائے گا۔ پس مشرقی ولی آج کل یونان کے ڈیلفی اور المپیا[1] کا درجہ رکھتے ہیں۔ یا جو کیفیت خانقاہوں کی ہمارے آبا و اجداد کے وقت میں تھی۔ یہ سچ ہے کہ یہ لوگ ایسے مہاجن ہیں جن سے کچھ سود نہیں وصول ہوتا۔

---

[1] ڈیلفی اور المپیا قدیم یونان کے دو معبد تھے۔ ۱۲

مگر وہ آپ کا اصل بھی نہیں ہضم کر جاتے ۔

پیر محی الدین سرہندی سے ملاقات ایک دن میرے پاس ایک حسین فارسی کتاب لائی گئی اور لانے والے نے کہا کہ سرہند کے پیر نے آپ کے لئے بھیجی ہے اور وہ آپ سے شناسائی پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ میں نے سلام کہلا بھیجا اور وہ میری ملاقات کے لئے آئے ۔ پیر صاحب جن کا نام خدائے محی الدین خلیفہ حضرت ابو بکر کی نسل سے تھے جو حضرت پیغمبر اسلام کے چار اصحاب میں سے تھے ۔ اُن کی روش سے ایک ایسا وقار پایا جاتا ہے جو نمائش سے بالکل مبرا تھا اور جو خود پوپ[ا] کے شایاں تھا ۔ وہ ہندوستان میں رہ چکے تھے اور ہماری طرز حکومت کے مداح تھے جس میں خوشامد کو دخل نہ تھا اور سندھیوں اور افغانوں کے طور طریقہ اور تاریخ کے بارے میں بہت اچھی طرح گفتگو کرتے تھے ۔ یہ محض تعصب ہے کہ اگر کوئی خیال کرے کہ مذہب اسلام کے یہ پیشوایان دین اکثر راست باز اور اپنے نوز تہذیب ولیاقت کے مطابق ارادہ کے درست نہیں ہوتے ۔ بلکہ ان کی تہذیب کی روشنی ہر چند کہ دھندلی ہوتی ہے تاہم بعض وقت زیادہ منور شعاعوں کی بہ نسبت جو ہم پر پڑتی ہیں عمدہ ترین کام میں لائی جاتی ہے ۔

پابند شرع پیر ان پیروں میں سے ایک شخص جو مذہب کے نہایت پابند مشہور تھے ۔ حیدرآباد کے امیروں کے پاس چند سال قبل ہم سے ملنے گئے تھے ۔ اُن کے روبرو کوئی حرکت ایسی کی گئی جو قرآن شریف میں ممنوع ہے وہ فوراً اُس مکان سے چلے گئے ۔ اپنا بوریا بندھنا سنبھالا ۔ اور اپنے وطن کو واپس روانہ ہوئے ۔ امیروں نے پیغامات اور تحائف بھیجے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ اپنے آقاؤں سے کہدو کہ میں پھر اُن کے مکان

[ا] رومن کیتھلک عیسائیوں میں پوپ پیشوائے دین سمجھا جاتا ہے ۔ جسے امام یا مجتہد العصر تصور کر سکتے ہیں ۔ ۱۲

میں قدم نہ رکھوں گا۔ چاہے وہ میری واپسی کے لئے اپنی تمام کائنات بخش دیں"۔

ایک ضعیفہ کا واویلا میرے پاس سے پیر صاحب کے چلے جانے کی تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک ضعیفہ آئی۔ جو نہایت روتی چلاتی اور اپنے بالوں کو نوچتی تھی۔ اور تمام نبیوں اور ولیوں کا نام لیتی تھی کہ میرا انصاف کیا جائے۔ میں اپنا نام اُس کے شور و غل کی آواز کے ساتھ سُن کر نہایت شرمندہ ہوا جسے وہ اس طرح لیتی تھی کہ تعریف کے بالعکس تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ "بہتر ہوا کہ اس وقت پیر صاحب تشریف نہیں رکھتے ورنہ وہ بہت تعجب کرتے۔ نہ معلوم میں نے ایسا کیا کیا ہے جس سے وہ بوڑھی عورت اس قدر مجھ سے ناخوش ہے۔ مجھے یاد بھی نہیں کہ میں نے اُس کا منحوس چہرہ کبھی دیکھا ہو۔ جس شخص کو ہندوستان میں مقدمات کے سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ مستغیث سے اصل ماجرا دریافت کرنا کس قدر دقت طلب ہے۔ دوسرے ملکوں میں لوگ اس کو مناسب سمجھتے ہیں کہ مجرم اپنی صفائی بیان کرے مگر خود مستغیث اپنی تکلیف کو بیان نہیں کرنے پاتا۔ آخر کار مجھے معلوم ہوا کہ ایک بڑھئی نے جو میرے یہاں نوکر تھا ایک درخت اُس ضعیفہ کا کاٹ ڈالا تھا۔ اُس کا بیان تھا کہ وہ درختوں کا جد امجد تھا اور اُسے اپنی آنکھوں کی طرح پیارا تھا۔ جس کے نیچے وہ شب کو سوتی تھی اور دن کو دھوپ سے پناہ لیتی تھی۔ اور اُسے اُس نے اپنے سینہ سے لگا لیا تھا تاکہ کاٹا نہ جائے۔

میں بڑھئی پر نہایت خفا ہوا اور اُسے بلوا کر سخت گھُرکا۔ بڑھئی ہنسنے لگا اور مجھ سے کہا کہ چل کر دیکھئے۔ میں نے ضعیفہ کو روپے دیئے اور شام کو اُس کے پیارے درخت کو دیکھنے کے لئے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ محض ایک خشک ٹھا ہے جس کی جان عرصہ سے نکل چکی تھی اور جو صرف اس لئے کارآمد تھا کہ اُس کی بدولت فرنگی سے روپیہ وصول ہو۔ میں نے بڑھئی سے کہا کہ "اچھا بڑھیا کے پاس روپیہ رہنے دو کیونکہ اُس نے نقل عمدہ کی"۔ مگر وہ تکلیف وہ بوڑھی سندھی عورت بمقابلہ اُن بلاؤں کے جو ہمارے بعض ماتحتین تھے کم مصیبت تھی۔ اگر آپ کو

اُن سے مُڈبھیڑ کرلوی جائے پھر دیکھئے تماشا۔

ماتحتوں کی حرمتی

مثلاً ایک ہم عصر پولٹیکل افسر نے مجھ کو لکھا کہ مسٹر فلاں ۔ فلاں دن اپنے دفتر جانے کے لئے شکار پور سے ہو کر جائیں گے ۔ آپ اُنھیں رہنے کی جگہ اور جو کچھ سفر کے لئے درکار ہو دیدیں ۔ جب وہ شخص آیا تو اُس نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھے اُس کی صورت اور ظاہرداری سے اُس کی نسبت اچھا خیال پیدا ہوا ۔ اُس کا طور وطریقہ اُس کے موجودہ رتبہ سے بڑھا ہوا نظر آتا تھا ۔ میں نے اُس کی چیزیں منگوا بھیجیں اسے ایک خیمہ دیا اور ایک رسالدار سے ملاقات کرائی جو ایک دستہ سواروں کا افسر اور قریب ہی خیمہ زن تھا اور جس کے کچھ لوگ دوسرے دن اس نووارد شخص کو بحفاظت پہنچانے والے تھے ۔ شب کو بہت کچھ شور وغل مچا اور لوگ برابر ادھر اُدھر پھر رہے تھے میں نے دو تین بار وجہ دریافت کرائی ۔ صبح کو رسالدار منہ بنائے آیا اور کہنے لگا کہ جو صاحب کل شب کو آئے ہیں وہ بیہودہ عادتیں رکھتے ہیں ۔ خیمہ میں جاکر انھوں نے کئی گھنٹہ تک شراب پی اور اس کے بعد برہنہ تلوار لے کر نکلے اور ملازمین کا پیچھا کرنا شروع کیا ۔ حتیٰ کہ جب وہ خیمہ کی رسیوں سے اُلجھ کر گر پڑے تو چند سواروں نے کسی طرح اُن کے ہاتھ سے تلوار چھین لی ۔ میں نے شب کی کیفیت لکھی اور خود اُس مجبوراً اُس شخص کے ہاتھ اُس کے افسر کے پاس روانہ کردی ۔ میرے دوست کا خیال تھا کہ وہ سُدھر جائے گا مگر وہ اصلاً راہ پر نہ آیا بقول سعدی ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست الخ

چنانچہ انھوں نے ایک مہینے کے امتحان کے بعد مایوس ہو کر واپس بھیج دیا یعنی دست بستہ سکھر روانہ کیا کیونکہ اُس نے ہندوستانی خزانچی کے بازو کو دانتوں سے زخمی کردیا تھا جس سے اُس عہدہ دار کا تحمل جاتا رہا اور وہ نہایت ہی دردناکی اور غمگینی سے چلانے لگا ۔

شکارپور کی شدید گرمی

جولائی کے مہینے کی سخت گرمی اب آگئی تھی ۔ میں سوتا تھا تو پنکھا میرے سر سے کچھ ہی اونچا کھنچا کرتا تھا اور پنکھا کھینچنے والے پر کبھی

نیند کا غلبہ ہوتا تھا تو میری آنکھ فوراً کھل جاتی تھی ۔ ایک شب کو تھوڑی ہی دیر تک ٹھہر ٹھہر کر نیند آنے کے بعد میں اُٹھ بیٹھا اور ایک ہندوستانی ملازم پر جو میرے قریب زمین پر پڑا تھا ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ میں نے اُس سے مایوس ہو کر پوچھا کہ کہیں ہوا بھی ہے تو اُس نے جواب دیا کہ شاید ہو مگر مجھے معلوم نہیں ہوئی ۔ میں باغ میں گیا کہ وہاں جا کر دم لوں۔ دو انگریز افسروں میں سے جو میرے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے ایک سبز باغ کے اندر گھس کر بیٹھا تھا کہ اپنے کو سردی پہنچائے اور دوسرا چند درختوں کے نیچے ٹہل رہا تھا۔ ہم میں سے کوئی بقیہ رات نہیں سویا۔ کرۂ ہوا اس قدر گندا ہو رہا تھا کہ چاقو سے کاٹے کٹ سکتا تھا اور میرا جی چاہتا تھا کہ محض دشمنی سے اُسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں ۔ ایک پلٹن جس کو شکارپور جانے کا حکم صرف بیس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ سے ہوا تھا۔ دوہی شب راستہ میں رہ کر ابتر ہوگئی۔ چند لوگ نہروں میں جا گرے ۔ کتنے پاگل ہو گئے اور بہتیروں کو بخار نے گھیر لیا۔ اسی وقت ہمیں ہماری اس خلاف مصلحت سلوک کا ثمرہ ملا جو ہم لوگوں نے بردہی اور پہاڑی بلوچیوں کے ساتھ کیا تھا۔

گکھڑوں کا سیالکوٹ پر حملہ ۲۴ر جون کو سیالکوٹ پر گکھڑوں نے حملہ کیا مگر مع ساٹھ آدمیوں کے نقصان کے پیچھے ہٹا دیئے گئے ۔ ایک جماعت جس میں بیس سپاہی اور ایک حوالدار لفٹیننٹ لوڈے کے منشی غلام حسین کو پہنچانے جاتے تھے ۔ اُن پر حملہ ہوا اور ایک شخص بھی زندہ بچ کر نہ آیا ۔ قلات سے لفٹیننٹ لوڈے اور دونوں بھائیوں شاہ نواز خاں اور فتح خاں کے خطوط میرے پاس اس مضمون کے آئے کہ "جن سرداروں کی زمین ہم لوگوں نے چھین لی تھی اُن کی پیشوائی میں قبیلے باغی ہو گئے اور خود ہم لوگوں کی جماعت میں دغابازی کا خوف ہے اور تاوقتیکہ مدد نہ کی جائے گی۔ غالباً قلات جلد دشمنوں کے قبضہ میں ہوگا۔"

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس خبر سے مجھ کو رنج بہت ہوا۔ لیکن تعجب ذرا بھی نہ ہوا جس

وقت سے ۳۱ رجمنٹ جو قلات میں تعینات کی گئی تھی کہ شاہ نواز اُس بغاوت کو نہ روک سکے گا جو بعجلت ترقی کر رہی تھی ۔ میرا پہلے ہی سے خیال تھا اور اب بھی ہے کہ شاہ نواز کو مقرر کرنا اچھا ہوا باوجود یکہ اُس کی اس بارے میں بہت کچھ مذمت کی گئی ہے ۔

شاہ نواز خاں اور امارت قلات

قلات کے لے لینے اور محراب خاں کے مرجانے کے بعد اُس کے بیٹے کو تخت پر بٹھانا کیا بڑی ڈھٹائی کا کام نہ ہوتا۔ ایران میں یہ ہو سکتا تھا کہ کسی ظالم جج کی زندہ کھال کھنچوائی جاتی ۔ اور اُس کے جانشین کے لئے اُس میں بھُس بھر وا کر نشست بنائی گئی ہوتی ۔ مگر مجھے اس بات کا پکا یقین نہیں ہے کہ لڑکے اور زیادہ وفادار اور خیر خواہ اس طور پر بنائے جا سکتے ہیں کہ اُن کے باپ کو گولی مار دی جائے ۔ تمام شہزادے اُس نیک شہزادی میری کی تقلید نہیں کرتے جو اپنی طفلی کی خوشی میں اس محل میں دوڑتی پھرتی تھی ۔ جس سے اُس کا باپ ہمارے شاہ جیمز ثانی نکال دیئے گئے تھے ۔ عقلاً یہ تصور کیا جا سکتا ہے ۔ کہ نصیر خاں نے اُس تلوار کو یاد رکھا ہوتا جس نے اُسے تاج حاصل ہوا ۔ نہ کسی شخص کو اس بات پر یقین کرنا چاہیے کہ جب کئی خون ریز مجادلوں کے بعد ہم لوگوں نے اُس کے ملک کو چھوڑ دیا تو نصیر خاں ہم سے بخندہ پیشانی پیش آیا ۔ البتہ وہ ہم کو دشمن نہ سمجھنے لگا ۔ لیکن شاہ نواز کے بارے میں ہم سے یہ غلطی نہیں ہوئی ۔ کہ اُسے تخت پر بٹھایا بلکہ یہ کہ اس کی مدد اُس وقت نہ کی ۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایسی مدد سے ہمارا بہت صرف ہوتا اور جب تک شاہ نواز اپنے بل سے نہ قایم رہ سکتا تو اُس کی رعایا اس سے خوش نہ ہوتی ۔ تو ہم لوگوں کو مناسب تھا کہ اُس کی آزمائش عمدہ طور پر کی ہوتی اور اُس کی حکومت میں صوبہ کچی کو علیحدہ کر کے ایک ایجنٹ اور تھوڑے سے سپاہی اس کے دارالسلطنت میں تعینات کر کے بل نہ ڈالا ہوتا ۔ اس کے سبب سے وہ ہمارے ساتھ ارتباط رکھنے کے باعث بدنام ہوا ۔ اور اُس کو اس ارتباط کا کوئی معقول فائدہ نہ ہوا بلکہ ہم لوگوں نے اس سے بھی بدتر فعل کیا جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے کہ خود شاہ نواز کے خاندان

ہیں اُس کے دشمن اُس کے بہنوئی کمال خاں التازی کی جاگیر چھین کر پیدا کر دیئے۔

وراثت کے خیال سے شاہ نواز کا حق قلات کے تخت کی نسبت نصیر خاں کے مساوی تھا۔ دونوں کے باپ اُس کے لئے اس طرح جھگڑ رہے تھے جس طرح اب بیٹے لڑتے تھے اور شاہ نواز کو بے دردی اور دغا بازی سے محراب نے مار ڈالا تھا۔ شاہ نواز کو شاہ شجاع نے کبھی پسند کیا تھا جو اصل مالک تھا اور جسے سندھ کے امیر ہمیشہ ایسا ہی تصور کرتے تھے کیونکہ اُس کی جلا وطنی کی حالت میں انھوں نے اُس کی کفالت کی اور بطور بادشاہ کے برتاؤ کیا۔ خیر یہ سب کچھ ہوا ہماری انگریز گورنمنٹ نے شاہ نواز خاں کو قلات کا حاکم بنا دیا اور اس کو وہیں چھوڑ دینا اعلیٰ درجہ کا احمق پن تھا۔

برطانوی حکومت کی غلط پالیسی

مشرق میں جس امر سے ہماری قوت میں زیادہ زوال آ گیا ہے۔ وہ اس اعتقاد کے باعث سے ہے۔ جو روز بروز پکڑتا جاتا ہے کہ انگریز دوست صادق نہیں ہیں۔ اور بہادر دشمن کو ان سے زیادہ وصول ہو سکتا ہے بہ نسبت کسی مطیع دوست کے لارڈ ایلنبرا نے اس امر کو دریافت کیا اور اُس نے بہاول خاں کو مورد انعام کر کے ہمارے حق میں اُس سے زیادہ بہتری کی جو بیس خونریز لڑائیوں سے ہوتی۔ ہماری سلطنت کا قیام ہندوستان میں اُسی طور پر ہو سکتا ہے جس طور پر وہ حاصل ہوئی۔ اور جس طور پر روم دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ یعنی ان کو قوی بنانا جو ہماری امداد کریں اور انھیں تمام مخالفتوں سے سلامت نکال لے جانا۔

مسلمانوں کی بیزاری

مگر بجز بہاول خاں کے اب وہ لوگ اور کہاں ہیں جو کچھ عرصہ ہوا کہ ہمارے دوست تھے۔ شاہ شجاع الملک، شاہ نواز خاں کدھر، میر رستم اور میر صوبہ دار کس طرف ہیں اور وہ سردار کس جگہ ہیں؛ جنھوں نے ہمارے شریک ہو کر اپنے ہی قبیلوں پر تلوار کھینچی تھی۔ سب مارے گئے یا جلا وطن ہوئے اور ان کی جگہ وہ لوگ ہیں جو شروع ہی سے مخالف تھے۔ دراصل یہ خیال بہت دل پسند نہیں معلوم ہوتا مسلمان

بھی اپنے جی میں کہہ سکتا ہے کہ سور ہونا بہتر ہے مگر فرنگی کا دوست ہونا اچھا نہیں۔

بیچارے لوڈے نے مجھ کو لکھا تھا کہ مجھے خوب یقین ہے کہ میں اور میرے لوگ مارے جائیں گے۔ مگر میں بالقصد چاہتا ہوں کہ چاہے مرجاؤں مگر اپنی جگہ سے نہ ہٹوں گا۔ میں نے ایجنٹ متعینہ سکھر کو لکھا اور درخواست کی کہ ایک پلٹن گنداوا درہ سے فوراً روانہ کردی جائے۔ اُس نے جواب دیا کہ بغیر چیف سے دریافت کئے۔ جو شملہ پر ہیں کوئی شخص فوج کی نقل و حرکت کا حکم نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا کہ اس کی ذمہ داری میں اپنے سر لوں گا۔ اگر آپ میری درخواست کی تائید بریگیڈیر جرنیل سے جو کمانیر ہے کریں۔ اس کا کوئی جواب نہ آیا اور موقع جو ہمارے ہاتھ سے اب نکلا جاتا تھا آخر کار نکل گیا۔ اور ناحق ہم نے پھر اُس کے روکنے کی کوشش کی۔

عبداللہ خیری کی مخبری

اس وقت عبداللہ خیری جو پہاڑی مہموں میں ہماری رہنمائی کرتا تھا میرے پاس ملنے آیا۔ اُس کو کاہن کے محصور ہوجانے کی خبر معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے کہا کہ "مری قبیلے والے اُس راستہ میں لہری اور نفسنک میں مورچے تیار کررہے ہیں۔" میں نے پوچھا کہ "اُن کے ساتھ کچھ جماعت بھی ہے؟" اُس نے جواب دیا کہ اُن کی جماعت اس قدر کثیر ہے کہ وہ آپ کے پانچ سو لوگوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ البتہ اگر ہزار آدمی بھیجئے تو وہ کامیاب ہوسکتے ہیں مگر تب بھی سخت جنگ ہوگی۔" اُس نے اُن سرداروں کے نام بتائے جن کو اُس نے سُنا تھا کہ کاہن کی رہائی کے روکنے کے لئے جمع ہیں۔ میں فوراً عبداللہ کو ایک دوسرے پولٹیکل افسر کے پاس لے گیا۔ اور جو الفاظ اُس نے کہے تھے اُن کا اعادہ کرایا۔ میں کسی شخص کو ایسا نہ پاتا تھا۔ جو اس خبر کا اعتبار کرے۔ ہر شخص ہنستا تھا کہ مری قبیلے والے ایک پلٹن سے کیا لڑیں گے۔

۲۴ر جولائی کو سخت بارش بجلی اور گرج کے ساتھ ہوئی۔ اور اس سے کسی قدر ہوا خنک ہوگئی۔

بریگیڈیر راس کا انتقال

اگست کے شروع میں سکھر میں گیا۔ میں نے بریگیڈیر راس کو سرسام سے مرتا ہوا پایا۔ پلستر سے کسی قدر بوجھ کم ہو گیا تھا۔ اُسے لوگوں نے بستر پر بٹھا دیا تھا اُس نے کہا کہ " جب میں اچھا ہو جاؤں گا تو مجھے نہ معلوم شملہ یا کراچی جانا پڑے گا۔ کیوں ڈاکٹر کون سی جگہ میرے لئے موزوں ہوگی ؟" ڈاکٹر نے جواب دیا " شاید کراچی "۔ جب کمرے سے ہم لوگ باہر آئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ " وہ صبح نہ ہونے پائے گی کہ مر جائیں گے "۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن شام کے وقت میں اُس کے جنازے کے ساتھ دفن کرنے گیا۔ وہاں کی کیفیت غمناک تھی کئی افسروں کی قبریں اُس مقام پر تھیں جہاں وہ دفن ہوا۔ گیدڑوں نے اُن میں سوراخ بنا دیئے تھے تاکہ لاش تک پہنچ جائیں۔ باڑھ داغنے والوں نے کسی عجیب غلطی سے بجائے تابوت کے اوپر سلامی اتارنے کے دوسری جانب کو بندوقیں داغ دیں۔ ۔ ایک افسر نے دبی زبان سے جلدی جلدی دعا پڑھی۔ اور انجیل کے فرسٹ کارنتھینس کی اُس عمدہ عبارت نے پاس کے استادہ لوگوں کے دلوں پر کچھ اثر نہ پیدا کیا۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ خدا کرے کہ میری موت اپنے وطن میں آئے اور کفار میں نہ مروں جو حضرت عیسیٰؑ سے کوئی امید نہیں رکھتے

فوجی دستوں کی روانگی

۱۲ اگست کو میں شکارپور واپس آیا۔ ہماری ایک کی فوج جس میں ایک پلٹن[۱] گرینیڈیرس کے ڈھائی سو سوار[۲] گرنیڈیرس کی لائٹ کمپنی اور کچھ توپیں تھیں۔ کاہن جاتے ہوئے یہاں سے گذرے۔ تجویز کی گئی کہ اُس کے ساتھ دو کمپنی گوروں کی اور ایک پورا بازو[۳] گرنیڈیرس کا بھی بھیج دیا جائے۔ جس وقت ہم لوگ ایجنسی کے زینہ پر کھڑے تھے تو میں نے اُس سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ آپ انھیں لیتے جائیں کیونکہ لڑائی سخت ہوگی۔ مگر انھوں نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت مجھے نہ ہوگی کیونکہ بلوچی ہمارا مقابلہ نہ کریں گے۔

میں نے ایک درخواست لکھ کر روانہ کی کہ مجھے اُس فوج کے ساتھ جانے کی اجازت ملے جس کا جواب آیا کہ جہاں میں ہوں وہیں میری ضرورت ہے۔ میرے دل میں اُس طریقہ کو دیکھکر وہم پیدا ہوا جس کے مطابق دشمن کو لوگ حقیر تصور کرتے تھے اور فوج کے ساتھ لمبی قطار اونٹوں کی

جاتی تھی۔ افسروں میں ایک آئرلینڈ کے رہنے والے تھے جو بڑے گرانڈیل جوان چھ فیٹ پانچ انچ لمبے اور فیل تن تھے۔ اُن کا مزاج نہایت گرم تھا۔ اُنھیں چند اونٹ درکار تھے۔ میں نے شکارپور کے داروغہ کو اُن کے پاس دریافت حال اور اُن کی احتیاجات کے رفع کردینے کے لیے بھیجا۔ وہ پستہ قد ایرانی میرے پاس کانپتا ہوا واپس آیا اور کہنے لگا۔ واہ صاحب آپ نے مجھے عفریت کے پاس بھیجا تھا وہ تو دیو ہے آدمی نہیں ہے۔ براہ مہربانی آپ ہی اُن کے لئے اونٹ منگوا دیجئے اور مجھے خشمگیں شیر کے پنجے سے نجات بخشیئے۔

قلات کے فتح ہونے کی اطلاع

۱۴ ار کو مجھے ایک خط لوڈے کا ملا جس میں سخت مقابلے کے بعد قلات کے فتح ہونے کا حال درج تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ اگر دو سو سپاہی خان اور اُس کے بھائی کے ساتھ ہوتے تو انھوں نے ساری بلا ٹال دی ہوتی۔ مگر اُن کو اُنھیں کے لوگوں نے دغا دی۔" شاہ نواز نے بڑی دلیری ظاہر کی تھی اور حملہ کرنے والوں میں سے ایک شخص کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا تھا۔

دادر روانگی کا حکم

اب مجھے دادر جانے اور راہ میں ہر ایک مقام پر ایک مسافر خانہ تیار کرنے اور کنوؤں کے صاف کرانے کا حکم ملا تاکہ فوج کی پیش قدمی کے وقت اُن کے ٹھہرنے کے مقامات پر پانی تو مہیا رہے۔ میرے ساتھ جانے والے کاریگروں کو چند روز کی فرصت ملی۔ تاکہ وہ اپنا انتظام سفر کرلیں۔ اور اس درمیان میں میں نے حبیب کا کوٹ میں قیام کیا۔ جہاں سرہند کے پیر رہتے تھے۔ وہ ایک نہایت ہی آسایش کے مکان میں رہتے تھے جس میں ایک باغ تھا جو سندھ کے لئے نہایت حسین تھا انھوں نے مجھے چاندی کے ظروف میں بہت مزے دار کھانا کھلایا۔ مجھے خاص کر لمبے پشاوری چاول بھلے معلوم ہوئے جو معمولی چاول سے تگنے ہوتے تھے اور جن کی اس قدر قدر کی جاتی ہے کہ رنجیت سنگھ پشاور کے محاصل میں ایک جزو اُن کا لینا تھا اور اُسے بطور تحفوں کے بھیجتا تھا۔

کھانے کے بعد ایک شخص نے صاف میٹھی آواز سے سہراب اور رستم کی جنگ کی کیفیت

شاہنامے سے بڑے شد و مد سے پڑھی ۔ اُس کے بعد ہم لوگ باغ میں سیر کرنے لگے اور شکارپور میں آدھی رات کو واپس آیا ۔ رات نہایت اندھیری تھی چنانچہ پھاٹک سے گذرتے وقت میری پیشانی کسی کیل سے ٹکرا گئی جس سے میں اونٹ کی پیٹھ پر چت ہوگیا ۔ مگر قسمت سے نہ گرا ۔ اور میرے سر پہ ایک انگریزی گھوڑ چڑھی لوپی تھی ۔ جس میں روئی خوب بھری ہوئی تھی پس اُس کی بدولت میرا سر پھٹنے سے بچا ۔ دوسرے دن مجھے حیدرآباد کے وزیر ابراہیم شاہ نے قاضی کے باغ میں ایک محفل ناچ و رنگ میں مدعو کیا ۔ سندھ کی طوائفیں ہندوستان کے اور مقامات کی طوائفوں سے کمتر درجہ کی ہوتی ہیں ۔ ایک جس کا نام مہتاب تھا کسی قدر حسینہ تھی ۔

شکارپور سے روانگی

۲۹ راگست کو میں آدھی رات کو شکارپور سے روانہ ہوا اور دوسرے دن صبح کو پانچ بجے ایک مقام پر جو بیس میل کے فاصلہ پر تھا پہنچا ۔ یہ جانی درہ کہلاتا ہے اور جہاں ایک قلعہ نیم مسمار ہے ۔ اُس کے آس پاس ایک وسیع میدان ہے ۔ جو کوسوں تک اس موسم میں ایک قسم کے بڑے اناج کی فصل سے ڈھکا رہتا ہے جسے جوار کہتے ہیں ۔ دنیا کے کسی حصہ میں یہ پودے اس قدر اونچے نہیں ہوتے کہ یہاں اونٹ پر سوار ہونے پر بھی میں نے اُسے کئی فٹ سر سے اونچا پایا اور بہتیرے مقامات میں وہ زمین سے بیس فٹ بلند ہوگا ۔ ایسی جگہ جہاں سات یا آٹھ میل تک یہ پودے ہوں ، ڈاکوؤں کی خوب کمین گاہ ہوتی ہے ۔ جس کا مجھے تھوڑے ہی دنوں میں ثبوت مل گیا ۔

درہ جانی

جانی درہ میں صرف ایک ہی بہت بڑا درخت ہے جو ظاہرا اپنے گرد و نواح کی چھوٹی چیزوں کو دیکھکر بڑی شان سے کھڑا ہوا نظر آتا ہے ۔ اس اکیلے درخت میں سینکڑوں پرند بسیرا لیتے ہیں ۔ میں نے اُس پر بے تکی باڑھ ماردی اور دو فیر میں قریب چوراسی بگیریوں کے ماریں ۔ یہاں بعض وقت ایک سخت باد سموم ریگستان سے آتی ہے ۔ بے قاعدہ رسالہ کے کمانیر نے جو وہاں تعینات تھا مجھ سے کہا کہ ایک مرتبہ اُسے دو روز تک کھانا دستیاب نہ ہوا ۔

کیونکہ ہوا قلعہ کے مکانات کے چھپروں کو اڑا لے گئی اور اس قدر خاک اڑتی تھی کہ کسی چیز کا پکانا نا ممکن تھا۔ کسی زمانے میں ریگستان میں بہت دور تک جانی درہ سے آگے نہریں تھیں۔ اُس وقت کاشت کاری بہت ہوتی تھی اور بہت سے گاؤں تھے جن کے نام اس وقت فراموش ہو گئے ہیں اور خود دُھس کے گرد ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ جس کی جگہ پر اب مدفن ہے اور بہت سی قبریں ہیں۔

قلعہ خان گڑھ کی تاراجی

میں نے لوگوں کو مسافر خانہ بنانے کے کام میں لگا دیا اور دوسرے دن گیارہ میل آگے خان گڈھ گیا جہاں ایک قلعہ ہے جس میں اُس وقت، جب لارڈکین کی فوج افغانستان گئی تھی تو دو سو آدمی خاص کرکو سا قبیلے کے رہتے تھے۔ اُن میں سے بعض کی نسبت مشہور تھا کہ ہمارے اسباب کو لوٹ لے گئے مگر اور سندھیوں کا بیان ہے کہ یہ لوگ بے قصور تھے۔ اور یہ فعل ناشائستہ جکرانیوں نے کیا تھا۔ اس کی صداقت چاہے جو کچھ ہو مگر یہ صحیح ہے کہ پانچویں نمبر کی بمبئی کی ہندوستانی پلٹن نے اُس پر حملہ کیا۔ اُن کے ساتھ توپیں تھیں۔ مگر ہلکی اور اس کے سوا ان سے عمدہ طور پر کام نہیں لیا گیا۔ کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ پہلا گولا دُھس میں نہ لگا اور اُس کے محافظوں نے طنز کا نعرہ مارا۔ اس درمیان میں اندر کے لوگ غافل نہ تھے۔ ایک توڑہ دار بندوق کی گولی سے پلٹن کا صوبہ دار مارا گیا۔ اور کچھ اور لوگ بھی کام آئے۔ اُس پلٹن کے دو نوجوان افسر، جنھوں نے کبھی لڑائی آنکھوں سے نہ دیکھی تھی۔ دلیری کے ساتھ قلعہ کے پھاٹک تک گئے۔ اور اُس لکڑی کو جس سے وہ مسدود ہو رہا تھا ہٹا دینا چاہا۔ ایک زخمی ہوا مگر اُن کی کوشش کامیاب ہوئی۔ اور راستہ بن گیا۔ بہت سے بلوچیوں کو سنگینیں بھونک کر مارا جن کی تعداد ایک سو تیس بیان کی گئی ہے اور بقیہ قید ہو کر شکارپور بھیجے گئے جہاں بعد کو انھوں نے رہائی پائی۔ اگر واقعی کو قبیلے والے اُس لوٹ کے مجرم تھے جو اُن سے منسوب کی گئی تھی تو اُن کو سخت سزا دی گئی کیونکہ وہ جگہ بالکل ویران کردی گئی اور آج تک ویرانے کی شکل میں پڑی ہوئی ہے۔

مسافر خانہ کی تعمیر

معماروں کو کام میں لگا دینے کے بعد میں پھر روانہ ہوا کسی تازہ کھیت اور نئے رمنے کی تلاش میں نہیں بلکہ تازہ ریگستان کی جستجو میں جہاں رمنے، بہت کم بلکہ بالکل ہی نہ تھے۔ راستہ میں چند ہرن ہم کو دور سے نظر آئے۔ انھیں ہرنوں کو میں نے دریائے سندھ کے مغرب میں دیکھا حالانکہ معلوم ہے کہ ہندوستان میں یہ جانور بھرے ہوئے ہیں۔ راج کوٹ میں یہ میرا معمول تھا کہ صبح کو سوار ہو کر اُن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا کرتا اور خوف زدہ ہو کر متواتر میرے گھوڑے کے سامنے سے گذرتے تھے۔ اگر وہ سیدھے جاتے تو نگاہ سے جلد غائب ہو جاتے۔ مگر اس ترکیب سے میں نے اکثر قریب قریب اُن تک گھوڑا پہنچا دیا ہے۔ مگر جہاں میں اس وقت تھا وہاں کوئی موقع اس قسم کی مشاقی کا نہ تھا پس وہ خوف زدہ جانور اپنی راہ چلے گئے۔

باب ۹

مری قبیلے کے معرکے

انگریزی سپاہ کی شکست کی اطلاع

اس وقت میرا رخ دادر کی جانب تھا لیکن مجھے جانی درہ واپس آنا پڑا تاکہ اپنی منزل مقصود تک پہنچوں۔ میرا خیمہ کھڑا ہونے ہی پایا تھا کہ میرا منشی ایک ہیبت زدہ شکل سے میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "صاحب! عجیب و غریب خبریں مشہور ہو رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ کل دن بھر توپ کی آواز سنائی دیتی رہی۔ کلنیبرن صاحب سے ایک جنگ مری قبیلہ والوں سے پہاڑیوں میں ہوئی۔ کمپنی کا ستارہ اس وقت دُھندلا ہو رہا ہے اور بلوچیوں کے گانوں میں اُن فرنگیوں کے کان بھرے ہوئے ہیں جو لڑائی میں مارے گئے"۔ میں نے کہا کہ "منشی! یہ آج تم کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی روایت پر اعتبار کرتے ہو۔ یہاں مری پہاڑیوں کی توپیں کیونکر سُنائی دیں گی۔ جو سو میل کے فاصلہ پر ہے اور کسی کو کیونکر خبر اتنے فاصلہ کی لڑائی کی جو کل ہی ہوئی آج مل سکتی ہے۔ وہ تمھیں احمق بنا رہے ہیں"۔ یہ کہکر میں نے منشی کو رخصت کیا اور اُس کے ساتھ جنگ کے جملہ خیالات کو بھی اور وہاں سے اپنے مسافر خانے کی تعمیر دیکھنے کے لئے چلا گیا۔

سندھی مزدوروں کی کاہلی

تمام سندھیوں کا اصول ہے کہ انسان کام میں عجلت نہ کرے۔ چنانچہ جس دن میں نہ آیا ایک کام بھی نہ ہوا۔ جو مستری اور دن کا

سردار تھا اُس نے دیکھا کہ چند کاریگر پیشگی لے کر چل دیئے جس پر اُس نے اوروں کو جوڑ گئے تھے گالیاں دینی شروع کیں اس وقت آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ اور یہ جھگڑا دیر تک اس وجہ سے قائم رہا کہ جھگڑنے والے اپنا وقت حقہ کے پینے اور امر متنازعہ فیہ پر غور کرنے میں صرف کرتے تھے۔ اُن حضرات کو خیال تھا کہ ایک دن کام ضائع ہونے سے کوئی نقصان اُس صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ ماہوار تنخواہ برابر ملتی جاتی ہو۔ اسی وجہ سے ہمارے سندھی مہربانوں نے سب کچھ غور و فکر کرنے کے بعد جو بالعموم کام کے قبل ہوا کرتی ہے خود کام سے کنارہ کشی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کو مستری سے رنج تھا اُن لوگوں نے جی میں ٹھان لی تھی۔ کہ مکان کا بنانا جس کے لئے وہ تنخواہ پاتے تھے ایک عمدہ بات ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سامان پر غور کیا ہوگا جس کی نسبت بہت کچھ بحث کی گنجائش نہ تھی کیونکہ جو کچھ اسباب مہیا ہو سکتا تھا سامنے موجود تھا۔ اُس وقت اُن لوگوں نے ارادہ کیا ہوگا۔ لیکن ارادہ کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو قلعہ دیکھے۔

غرض کہ میں نے اپنے سندھی مہربانوں کو اسی حیص بیص میں جس طرح بچے پہیلیاں بوجھنے میں غور کرتے رہتے ہیں۔ آپس میں یہ تجویز کرتے پایا کہ آیا انھیں تعمیر شروع کرنی چاہئے یا نہیں۔ چنانچہ میں نے فوراً یہ ارادہ کر لیا کہ دو ایک دن رہ کر اُن کو اپنی نگرانی اور ہمت دہی کا فائدہ بخشوں گا۔ میں نے اُن سے کام لینا شروع کیا اور ہر چند کہ میں اُس احتیاط پر نہایت گھبرایا جس کے ساتھ وہ لوگ پانچ سیر کی ایک لکڑی بہت دیر میں اُٹھاتے تھے اور دوسرا انھیں رکھکر آتا تھا۔ تاہم کام شروع ہو گیا اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہی پہلی کارروائی غنیمت تصور کی جاتی ہے۔

میجر کلنیبرن کی شکست

ان وجہوں سے مجبوراً ٹھہر جانے سے بعد کو میں نہایت خوش ہوا کہ یہاں مجھے دیر ہوئی کیونکہ دوسرے دن میرے پاس سرکاری فوج کی شکست کی خبر مقام نفشک ایسے وسیلہ سے ملی کہ اب کوئی اُسے جھٹلا نہیں سکتا۔

ہیں نے اس خبر بد کو شکارپور پہنچا دیا اور اس کے جواب میں یہ ہدایت آئی کہ میجر کلینبرن کو لکھ بھیجوں کہ وہ لہری یا پھولاجی میں پہاڑی کے نیچے کمک کے نہ پہنچنے تک ٹھہر جائیں۔ مگر انھوں نے اپنی فوج کی حالت کو ایسی نہ خیال کیا کہ ٹھہر سکتے۔ منجملہ چار توپوں کے تین توپیں ان کی جاتی رہی تھیں اور ان کے چار سو اونٹ مع کل اسباب و خزانے کے چھن گئے تھے۔ بس ایک تو خیمہ وغیرہ نہ تھا دوسرے طبیعتیں مایوس تھیں۔ تیسرے ایک تہائی آدمی زخمی تھے۔ اس لئے انھوں نے جہاں تک جلد ممکن تھا شکارپور پہنچ جانے کا قصد کیا۔

علاوہ بریں ایسی فوج کو دیکھ کر جو کچھ دن ہوئے کہ نہایت زعم اور سرگرمی کے ساتھ روانہ ہوئی تھی کہ اپنے محصور بھائیوں کو جو کاہن میں تھے نجات بخشے۔ اور اب شکست کی ہر ایک علامت کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ ان لوگوں کو جن پر ہم شمالی سندھ میں حکومت کرتے تھے۔ ہماری عمدہ حالت کا کوئی قوی خیال نہ ہوتا۔ اس بنیاد پر پولیٹکل افسروں نے خیال کیا کہ یہ امر قرین مصلحت ہوگا اگر میجر کلینبرن اپنی شکست حتی الوسع چھپائیں اور ٹھہر جائیں۔ تاکہ اس درمیان میں ان کی فوج کچھ درستی پر آجائے۔ خاص کر اس لئے کہ اس شکست کے باعث سے لہری اور شکارپور کے درمیان کا کل ملک ڈاکو بلوچیوں کے لئے کھل جائے گا۔

شکست خوردہ فوج کی حالت مگر مجھے زیادہ دیر تک اس فکر میں رہنا نہ پڑا کہ کس طریقہ کو جو پسندیدہ ہو یا نہیں اختیار کیا جائے گا جانی درہ میں متفرق لوگ آنے لگے جو راہ کے مارے پیٹے تھے۔ اور صورت سے وہ افسردگی برستی تھی جو شکست کی علامت ہے۔ اس کے بعد اصل فوج ایسی حالت میں آئی جو اس سے بہت مختلف تھی جس تیاری سے وہ گئی تھی۔ ایک ہی خیمہ رہ گیا تھا جس میں ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ افسروں میں ایک تہائی لوگ مارے گئے تھے اور جو بچ گئے تھے ان میں سے کئی زخمی تھے۔ گفتگو جیسا کہ تصور ہو سکتا ہے۔ اسی جنگ کی تھی۔ اس کی کیفیت

یہ تھی کہ وہ لوگ لہری سے جب روانہ ہوئے تو کوئی امید نہ تھی کہ دشمن مقابلہ کرے گا۔ تین چار منزل تک کوئی دشمن نظر نہ آیا پھر کچھ بلوچی دکھائی دیتے۔ پہاڑیوں کا راستہ نہایت دقّت طلب تھا۔ اونٹ چھوٹنے لگے اور کچھ مر گئے۔ اُن کے اسباب معمول کے مطابق دوسروں پر لاد دیے گئے جو پہلے ہی سے اپنے بوجھ سے دب رہے تھے اس وقت ہل چل مچی کیونکہ دشمن زیادہ نظر آئے۔ اور انھوں نے حملہ کرنے اور آگے بڑھنے سے روکنا شروع کیا۔ کئی معرکے پیش آئے جن میں سے ایک میں جو افسر پونا کے رسالے کا کمانیر تھا دو قوی بلوچیوں سے تلوار سے اکیلا لڑا اور دونوں کا کام تمام کیا۔ پھر بھی دشمن ڈھٹائی ظاہر کرتے گئے اور کچھ اسباب لے گئے۔

گرنیڈیرس کی موت

آفتاب کی گرمی اُن دنوں بھی کہ اگست کا اخیر زمانہ تھا اس قدر زیادہ تھی کہ کئی شخص مر گئے۔ جن میں وہ قد آور افسر گرنیڈیرس کی پلٹن کا تھا جس نے شکارپور میں داروغہ کو اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا۔ پچھلی فوج کے لانے کا کام اُس کے ذمہ کیا گیا تھا۔ راستہ میں اس قدر بھیڑ تھی کہ آخری توپ ٹھہرنے کی جگہ پر تین بجے کے قریب دن میں پہنچی۔ اُس دن کی محنت سے وہ قوی شخص مر گیا۔ جو کمزور تھے۔ وہ بچ گئے اور وہ شخص جس کا زبردست ہاتھ ایسا تھا کہ سانڈ کو مار کر گرا دیتا ایک لمحہ میں مر گیا اور کوئی علامت معلوم نہ ہوئی کہ موت نے اُس پر کہاں اثر کیا۔

دوسرے کوچ میں فوج ایک ڈھلوان اور پیچیدہ پہاڑی پر پہنچی۔ در اصل راستہ توڑ دیا گیا تھا۔ اُس کی چوٹی پر دشمن بہت سے جمع تھے اور کچھ میل کے فاصلہ پر آگے بڑھ کر کاہن تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، ایسی جگہ پر ٹھہرنا جہاں پانی نہ تھا ناممکن تھا۔ اور واپس چلنا جب کہ عزیمت کی غرض قریب حصول کے تھی خیال سے کوسوں دور تھا۔

انگریزی سپاہ کی پیش قدمی

ایک دستہ تیار رہا کہ پہاڑی پر دشمن کو توڑ کر نکل جائے اور اُن کا راستہ صاف کرنے کے لئے توپیں لگائی گئیں۔ مگر گورے

بہت ہی دُور گرے اور جونہی چڑھائی کرنے والی فوج جس میں چالیس سوار تھے اوپر چڑھنے لگی تو اُس پر توڑہ دار بندوقوں کی تیز بوچھاڑ پڑنے لگی۔ ہر ایک جانتا ہے کہ ایسے موقعوں پر توڑہ دار بندوق ٹوپی والی بندوق سے زیادہ مہلک ہے۔ کیونکہ اول تو اس کی گولی دُور تک جاتی ہے اور دوسرے جو لوگ اُن کو چلاتے ہیں وہ بہ نسبت ہمارے سپاہیوں کے عمدہ نشانہ کرتے ہیں۔

قبیلہ مری سے جنگ

سپاہی جلد جلد کام آنے لگے اور جو افسران کو لیے جاتا تھا وہ بے طرح زخمی ہوا مگر پھر بھی آگے بڑھتا گیا۔ وہ اور ایک سپاہی صرف دو ہی آدمی پہاڑی کی چوٹی تک پہنچے۔ کیونکہ جس وقت وہ دستہ قریب نصف فاصلہ کے جاچکا تھا مری قبیلے والے نیچے بڑھے۔ اور جس طرح پہاڑ کا پانی زور شور سے آتا ہے وہ بھی ہر ایک چیز کو اپنے سامنے صاف کرتے چلے گئے۔ اُس دستہ کا ہر ایک افسر بجز ایک کے مارا گیا۔ اور اسی نے دو روز قبل دو بلوچیوں کو ایک مقابلہ میں مارا تھا۔ اب اُس کے زخمی ہونے کی باری آگئی تھی۔ وہ زخمی ہوکر گر پڑا تھا مگر اُس کی جان اُس کے ہندوستانی اردلی نے بچائی جس نے دوسرا وار جو اُس پر ہونے والا تھا روکا اور حملہ کرنے والے کو گولی سے مار ڈالا۔ اور پھر اپنے افسر کو کھڑا ہو جانے میں مدد دی۔ مگر اُن کا خطرہ پھر بھی باقی تھا کیونکہ ایک قوی بلوچی نے اُن کا تعاقب ویسی ہی زخمی حالت میں پہاڑی کے نیچے اُس مقام تک کیا جہاں کہ پلٹن مربع شکل میں بن گئی تھی۔ اُن میں اس قدر قوت باقی رہ گئی تھی کہ وہ ایک توپ کے قریب پہنچ گئے اور وہاں بیہوش ہوکر گر پڑے۔ ایک گولا انداز انھیں مُردہ خیال کرکے بندوق فیر کرتے وقت اُن کے جسم پر کھڑا ہو گیا۔

قبیلہ مری کی دلیری

جو لوگ پہاڑی پر حملہ کرنے گئے تھے اُن میں سے بیس آدمی بھی باقی نہ رہے اور فتح مند بلوچی ایک ہاتھ میں ایک بڑا پتھر اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لیتے ہوئے توپ کے مہرے تک آئے۔ انھوں نے پتھر ہمارے لوگوں کے منہ پر

مارے جن کا بیان تھا کہ حملہ کرنے کا یہ طریقہ اس قدر خوفناک ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا مریوں کے ایک مشہور سردار نے واقعی اپنی ڈھال ایک توپ کے منہ پر اس وقت لگادی جب کہ وہ عنقریب چلنے والی تھی۔ اور اُسی کے ساتھ اڑ گیا۔ اور لوگ سپاہیوں کی بندوقیں تھام لیتے تھے اور سنگینوں پر گرپڑتے تھے۔ وہ لوگ مثل پاگلوں یا جنگلی جانوروں کے لڑتے تھے۔ اور ہماری فوج کو خطرہ اس قدر زیادہ تھا کہ جو میجر کلیبرن نے لکھا تھا کہ "آخر میں جو قسمت سے گراپ کا گولہ مارا گیا تو اُس کے باعث سے کل پلٹن برباد ہو جانے سے بچی ورنہ اور طریقہ پر ممکن نہ تھا۔

انگریزی فوج دستہ کا صفایا جب دشمن ہٹ گئے تو یہی خیال تھا کہ کس طور پر جس قدر جلد ممکن ہو واپس چلیں لیکن لوگ پیاس سے مررہے تھے۔ رہنماؤں نے بیان کیا کہ پانی قرب وجوار میں مل سکتا ہے مگر گمان غالب ہے کہ انھوں نے دروغ بیانی کی جس کی وجہ کچھ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ دشمن کے قبضہ میں پڑتے تو وہ بھی مار ڈالے گئے ہوتے۔ مگر ایک دستہ چشمہ کی تلاش میں گیا جس پر بلوچیوں نے حملہ کیا اور تمام لوگوں کو بجز رہنماؤں کے مار ڈالا۔ اعتبار خاں میجر کلیبرن کے ایک نقرہ گھوڑے پر سوار ہو کر گیا تھا اور اُسی پر بھاگ آیا۔ مگر اُس نے اپنے بیان کے مطابق اُس وقفہ کا جو پہلے حملہ کے بعد ہوا تھا قبل اس جماعت کے ساتھ جانے کے فائدہ اٹھایا اور گھوم گھوم کر تمام بلوچیوں کے جو گرے تھے سر کاٹ لیے تھے جن میں ہیبت خاں ایک مشہور سردار تھا جس سے اُس کا جھگڑا چلا آتا تھا۔

بے چارے مرنے والوں کے کپڑوں میں آگ بھی لگ گئی تھی جو مثل بارود کے جلتے تھے اور اس سے ان میں اور بھی تکلیف تھی۔ جب میجر کلیبرن نے دیکھا کہ جو جماعت پانی کے لئے گئی تھی واپس نہ آئی تو اُس نے اگلے دن ٹھہرنے کی جگہ پر چلنے کا حکم دیا۔

انگریز فوج کا تعاقب اُدھر جاتے وقت اور چار دن لہری پہنچنے تک ہماری فوج کا تعاقب

کیا گیا۔ جو لوگ چھوٹ گئے تھے وہ مار ڈالے گئے اور باقی اسباب چھین لیا گیا۔ جاتی درہ میں بھی ان کی جان نہ بچی۔ جس وقت ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے ایک سپاہی اندر گھس آیا جس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا تھا۔ اُسے اُسی وقت زخمی کیا گیا تھا۔ وہ خیمہ گاہ سے دو چار سو گز کے فاصلہ پر گیا تھا کہ دو تین بلوچی اُس کے سر پر آ پہنچے۔ وہ بھاگا اور جوں ہی اُس نے اپنا سر بچانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ایک نے ایسی تلوار ماری کہ ہاتھ دو ٹکڑے ہو گیا۔ تلوار کی تیزی کا یہی ثبوت کافی تھا کہ زخم میں ذرا بھی ناہمواری یا کجی نہ تھی۔ وہ بے چارہ نہایت تکلیف میں تھا اور ہم لوگ سب باہر نکل پڑے کہ دیکھیں بلوچی کیا ہوئے۔

کئی آدمی جو ہمارے آس پاس تھے، سوار ہو کر جوار کے کھیت کے کنارے کنارے گئے۔ مگر کوئی ڈاکو نظر نہ آیا اور وہ فوراً واپس آئے۔ انسان ایک ہنسنے والی مخلوق ہے۔ چنانچہ باوجود اس شکست کے ہم لوگ ڈاکٹر صاحب پر ہنستے تھے جنھوں نے نفشنک میں چند گولہ اندازوں کے مر جانے پر ایک توپ کے بھرنے میں نہایت مردانہ اعانت کی۔ انھوں نے نہایت زور کے ساتھ تھیلی بارود وغیرہ کی گز سے توپ میں بھر دی۔ لیکن ہزار قوت دکھائی مگر گز باہر نہ نکلا۔ یہ وقت غنیمت تھا کیونکہ بلوچی پھر حملہ کرنے والے تھے اور توپ کے قریب آ چکے تھے۔ ڈاکٹر نے بے انتہا کوشش کی۔ لیکن گز ذرا ہلا تک نہیں۔ جو افسر اُسے فیر کرنے والا تھا اُس نے بہ آواز بلند کہا کہ "اُسے نکال لو میاں"۔ ڈاکٹر نے جواب دیا کہ "میں اسے نکال نہیں سکتا"۔ اُس نے کہا "تو اچھا اپنی خبر لو"۔ اور ڈاکٹر کو ایک طرف لڑھکنے کا موقع مشکل سے ملنے پایا تھا کہ توپ چل گئی اور گز اور جو لوگ اُن کے قریب آ گئے تھے سب اُڑ گئے۔

میجر کلیبرن کے خلاف تحقیقات

دوسرے دن کلیبرن کی فوج جاتی درہ سے شکار پور کو روانہ ہوتی۔ چند لوگوں کو (شاید سپاہی نہ تھے) راستہ میں ایک بڑا ذخیرہ بیر شراب کا ملا۔ جو پھولاجی اور لواح ریگستان کے دوسرے محصور مقامات کے متعینہ پیاسے لوگوں کے لئے جا رہا تھا۔ اُنھوں نے سنڈی کے اصول کے خلاف عمل کر کے

اور یہ سمجھ کر کہ "میری ضرورت تیری ضرورت سے زیادہ ہے" جس قدر شراب تھی عیسائیوں کے لطف اور مشکوری کے ساتھ لنڈھائی۔ قسمت سے میرے پاس بیر نہ تھی ورنہ میری شراب بھی شاید اسی طرح چلی جاتی۔ اس طور پر کاہن کی رہائی کے لئے ہماری کوشش کا یہ انجام ہوا۔ میجر کلینبرن کی نسبت تحقیقات باضابطہ کی گئی۔ اور اُن کی رائے کی نسبت مجوزین نے کسی قدر نہایت مخالف فیصلہ کیا۔ اُن لوگوں سے دوبارہ غور کرنے کے لئے کہا گیا۔ لیکن وہ اپنی رائے پر قایم رہے اور اس طرح میری رائے ہیں سب نامنصفانہ طور پر غلطی میں پڑے۔ میں یہی کہوں گا کہ خوش قسمتی سے کوئی پولٹیکل افسر ساتھ نہ تھا ورنہ طویلے کی بلا بندر کے سر ہوتی۔ اس غریب کو اس بدنامی کا بار اٹھانے کے لئے جو اُس کی نسبت عائد کی جاتی بڑی قوت درکار ہوتی۔ بریگیڈ میجر فلاں نے اس قدر منہ بنا کر جس سے اُسے خود تکلیف ہوتی کہا ہوتا کہ "یہ انھیں بدمعاش پولٹیکل افسروں کے باعث ہوا" اجیٹن فلاں نے اس میں ہاں میں ہاں ملائی ہوتی اور کل فوج میں ایک ناموزوں شور وغل مچا ہوتا کہ "انھیں بدمعاش پولٹیکل افسروں کے باعث ہوا"

واقعی مجھے تو ایک حضرت کا خیال آیا جو اپنے موضع کے کسی دیندار شخص کو بیمار یا پریشان حال یا کسی حادثہ میں مبتلا دیکھکر ایک فقرہ ایسے موقع پر یہ کہا کرتے تھے کہ "یہ سب اسی نامعقول مذہب کا باعث ہے"

بروڈی قبیلہ کا حملہ

جانی درہ سے چلنے کے پیشتر میرے پاس رحمان ڈاکو آیا جو اس وقت لنگی پہنے تھا اور ہماری ملازمت میں عارضی طور پر نیک چلن ہو گیا تھا۔ چونکہ میں نے دیکھا کہ اس کی مشکی گھوڑی ساتھ ہے۔ میں نے دو ایک دن کے لئے عاریتاً طلب کی۔ اُسے یہ درخواست نہ بھائی مگر وہ راضی ہوا اور دوسری مرتبہ جب میں سوار ہوا تو وہی گھوڑی میری سواری میں تھی۔ وہ ایک نہایت قوی مادیان تھی اور اس میں شک نہیں کہ بہت دور تک دھاوے کر سکتی تھی۔ لیکن اُس کے قدم اچھے نہیں پڑتے تھے اور اُس میں

ایک بدنما عادت رُک جانے کی تھی اور ایک جانب مڑکر کے گویا کان لگا کر سُن رہی ہے۔ استادہ ہو جانے کی تھی اور جب تک وہ اپنی طبیعت بھر نہ لیتی تھی آگے نہ بڑھتی تھی۔

رحمان کو اُس کے واپس پانے کی بڑی فکر تھی اور اس سے فریب کرنے کی گفتگو ہی روا نہ رکھتا تھا۔ پس میں نے اُسے گھوڑی واپس کردی اور وہ فوراً ہی تعجیل کے ساتھ چلا گیا۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ دوسرا دن وہ اور دوسرے بڑے ڈاکو ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کرنے کے لئے مقرر کرچکے تھے۔ جسے اُن لوگوں نے انجام کو پہنچایا اور بہت سے مویشی لے گئے۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ وہ بدمعاش اپنے جانور کے لئے اس قدر متردد تھا۔ جن گھوڑوں پر دیسی لوگ سوار ہوچکے ہوں اُنھیں یورو پین کم پسند کرتے ہیں۔ وہ لوگ اُن کے منہ اور قدم خراب کرڈالتے ہیں اور اُن کو اُچھل کود کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ نمایش ظاہراً تو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر سوار کی اس میں موت ہے۔ تاوقتیکہ وہ دیسی سواروں کی چوبی زین کے عادی نہ ہوچکے ہوں۔ ایک مرتبہ مجھے اُس بے حد اُچھل کود سے جو ایک نوجوان اور وجیہہ افغان سوار اپنے گھوڑے کا دکھلا رہا تھا بہت عبرت ہوئی۔ میں نے چنانچہ ویسا ہی خیال کیا کہ میں بھی اسی طرح آزمائش کروں۔ گھوڑے پر سوار ہوکر ایڑ لگائی اور گھوڑے کی باگ کھچی ہوئی رکھی۔

لیکن دو یا تین جست کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ میری زین برگ گل یا مخمل کی نہیں ہے۔ چنانچہ گھوڑے کو روکنا چاہا مگر اُسے یہ دل لگی زیادہ پسند آئی اور جس قدر میں اُسے روکتا تھا وہ اور زیادہ اُچھلتا تھا۔ ایک نہایت ہی باریک شب خوابی کا پاجامہ میرے جسم اور ایسی سخت لکڑی کے بیچ میں حائل تھا جو انسان نے کبھی دوسرے انسان کی آرام بلکہ تکلیف وہ بے آرامی کے لئے بنائی ہوگی۔ آخرکار جب میں گھوڑے سے اُترا تو میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ ایسے زین سے خدا سمجھے اگر انسان فولاد کا بنا ہو تو اس پر بیٹھ سکے۔

بردہی قبیلہ کے حملہ کا خطرہ

جب میں روجان سے چلنے والا تھا تو میرے پاس ایک خط وارڈن نے لکھا جو رسالہ کا ایک افسر اور باغ میں نعینات تھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ بردہی قبیلے والے بڑی جماعت سے گنداورے سے اُتر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ کئی ہزار سوار اور بڑی بھیڑ پیدلوں کی ہے۔ روجان (جس کا تلفظ ذرا بگاڑ کر کہنے سے روجان یعنی جان جائے ہو سکتا ہے) میں ایک دن ٹھہرا تاکہ کنواں صاف کرادوں۔ جیسا پانی اُس میں تھا اُس کی گندگی پر ناب دالوں کے پانی کو بھی رشک ہوتا۔ جب وہ ایرانی چکر کے ذریعہ سے باہر نکالا گیا تو اُس کی بدبو سے کوئی قریب نہ جاسکتا تھا۔ شاید کئی جانوروں کی لاشیں جو اُس کے اندر سے برآمد ہوئی اُس بدبو کا باعث تھی۔ جس کے سبب سے اُس کے قریب جانے کی تمام کوشش بیکار جاتی تھی۔ مگر جو ہیں گھنٹوں تک لگاتار نکالنے کے بعد پانی کی بدبو اور اُس کا پہلا ہرا رنگ دفع ہوگیا۔

جمالی قبیلہ کے سردار سے گفتگو

میں نے کچھ باتیں جمالیوں کے سردار سے کیں جو روجان میں رہتا ہے۔ اُس کا بیان تھا کہ اُس کے قبیلہ کو بے ڈھب طور پر چکر بگٹیوں نے ایک شبخون میں مارا اور خود اُس کو کئی زخم لگے۔ دوسری شب کو میں ریگستان سے گذرا جو بالکل سخت اور مسطح تھا اور رہنما نہ ہوتے تو سمندر کی طرح یہاں بھی قطب نما کی ضرورت پڑتی۔ روجان سے کچھ فاصلہ پر ایک سید کا مزار ہے وہی ایک نشان تیس میل کے فاصلے میں ہے۔ جس وقت ہم لوگ قریب نصف راہ کے ریگستان سے گذر چکے تھے ہم لوگوں نے چنگاریاں اڑتی ہوئی دیکھیں جن سے معلوم ہوا کہ توڑے دار بندوقیں قریب ہیں۔ میرے جمالی قبیلے کے رہنما آگے دیکھنے بھالنے کے لئے گئے۔ لیکن پھر فوراً لوٹ کر آئے اور کہا کہ دو افغان سیاح جاتے ہیں۔ جب ہم لوگ اُن کے پاس تک پہنچے تو دیکھا کہ اُن لوگوں نے اپنے اونٹوں کو

بٹھا رکھا ہے اور بندوقوں کو اُن پر ٹیکے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ اُستادہ
کئی بلوچی ڈاکو ہمارے قریب آگئے تھے کہ تم لوگوں کے آجانے سے ہٹ گئے"۔
گئے۔ اور اُن لوگوں نے ہماری جماعت کے ساتھ چلنے کی اجازت بعد کرنے کی گفتگو
لینے بہ خوشی دے دی۔ ب کے ساتھ چلا گیا۔

موضع برشوری میں قیام

قبل صبح ہونے کے ہم لوگ برشوری پہنچے جو ایک نہایت ہی ذلیل موضع ہے اس کے نام کے معنی "قریب نمک" کے ہیں اور یہ اسم بامسمٰی ہے۔ کیونکہ واقعی وہاں کا پانی شور ہے۔ مگر یہاں بھی ایک سردار رہتا ہے جس کا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ "دوزخ میں شاہی کرنا جنت میں خدمت گاری کرنے سے بہتر ہے"۔ کنوؤں کا حال دریافت کرنے پر مجھے چند ذلیل غار دکھائے گئے جن میں ایک یا دو فٹ پانی تھا۔ اور نیچے کھودنے سے اُس تہہ کے پار پہنچ جاتے جس پر پانی ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اس طور پر وہ ذخیرہ بالکل ضائع ہو جاتا۔

سندھی ٹوپی پہننے کا انجام

میں نے ایک بنگلہ کی تیاری کا حکم دیا۔ اور ایک جھونپڑی کے نیچے اس قدر رعب داب سے اصل سندھی پوشش سر کی پہنے ہوئے بیٹھا جس قدر ممکن تھا۔ یہ ایک شہسواری ٹوپی تھی جس کے اندر اوپر کی جانب خوب روئی بھری ہوئی تھی۔ اور ململ کی ایک پگڑی تقریباً بیس گز لمبی اُس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ تاہم مجھے معلوم ہوتا تھا کہ گویا میرا دماغ پک رہا ہو اور پسینہ برابر ہر ایک رونگٹے کی جڑ سے نکلتا تھا۔

برشوری میں عمارت کی تعمیر

میں نے چند کاریگروں کو عمارت کے بنانے کے لئے چھوڑ دیا اور اس عمدہ جگہ کو جہاں ایک گھنٹہ کا ٹھہرنا

برسوں معلوم ہوتا تھا چھوڑا۔ مگر ان ویرانے مقامات میں بھی سبزہ اُگ سکتا ہے۔ بشرطیکہ دریائے سندھ سے نہر نکال دی جائے۔ پہلے زمانے میں واقعی دو بڑی بڑی نہریں موجود تھیں۔ ایک جس کا نام میرواہ تھا حیدر آباد سے علاقہ رکھتی تھی۔ اور دوسری جس کا نام مرادواہ تھا وہ خیرپور کے امیروں کی ملک تھی۔ رفتہ رفتہ دہ قابل مرمت ہوتی گئیں اور ملک کی ابتر حالت سے ان کا ازسرِنو قائم ہونا موقوف رہا۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے ایک خط اپنے افسر بالا کو روانہ کیا جس میں ان نہروں کی حالت اور جس سمت سے وہ گذری تھیں اور اُن کی مرمت کی تجویز درج تھی۔ جو بلوچی میرا خطے جانے والے تھے انھوں نے مجھ سے روپیہ بھنگ خریدنے کے لئے مانگا کیونکہ اُن کا قول تھا کہ "ہم لوگ ریگستان کا سامنا بغیر کسی نشہ کے جو ہماری ہمت کو قائم رکھے نہیں کرسکتے"۔ میں نے اُنھیں نقد دیا۔ اُس وقت اُن لوگوں نے کہا کہ "اب ہم راستہ بھر الاپتے جائیں گے"۔

برشوری سے روانگی

برشوری سے روانہ ہونے پر ہیں ریگستان میں بارہ میل چل کر میرپور پہنچا۔ میں نے راستہ میں بجز دو انسانوں کی دو کھوپڑیوں اور چند مسمار موضعوں کے اور کچھ نہ دیکھا۔ میرپور قدیم ایک بہت بڑا گاؤں ہے مگر زیادہ تر ویران ہورہا ہے۔ اُس میں ایک باغ عمدہ درختوں کا ہے جس کے سایہ میں میں نے اپنا خیمہ استادہ کیا۔ جس وقت نہایت ہی گرم رات کے گذرنے پر میری آنکھ کھلی تو مجھ سے لوگوں نے کہا کہ ایک گروہ سواروں کا آرہا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ یہ بروہی قبیلے کے لوگ ہیں اور اگر وہ لوگ ہوتے۔ تو میں نے چار سپاہیوں اور اسی قدر سواروں سے اُن کا خفیف مقابلہ کیا ہوتا۔ مگر ظاہر ہوا کہ باغ کا قاضی اسی آدمیوں کے ساتھ وارڈن کا فرستادہ آرہا ہے، جس نے سخت التجا کی ہے کہ جو کچھ فوج جمع ہو سکے اُس کے ساتھ پہنچوں، کیونکہ بروہی قبیلے والے کئی سرداروں کی ماتحتی میں باغ سے چند ہی

منزل پر ہیں۔

مجھے اپنی فوج کو جس میں کل نوٹے آدمی تھے۔ دیکھکر خواہ مخواہ ہنسی آئی۔ قاضی بھی اس قدر کمک کو دیکھکر نہایت افسردہ ہوا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھ کر آیا تھا کہ کم سے کم میرے ہمراہ نتو آدمی ہوں گے۔ دراصل ہمارے افسر بالا نے جو کبھی بغیر کئی سو سواروں اور پیدلوں کے ایک میل کا سفر بھی نہیں کرتے تھے۔ مجھے صرف ایک حولدار کی جماعت کے ساتھ محفوظ تصور کرلیا تھا۔ ہر چند کہ میرے پاس کئی ہزار روپے کاریگروں کو دینے کے لئے تھے میں نے فوراً بروہی قبیلے کی چڑھائی کی اطلاع سکھر اور سرخانہ بھیج دی۔ اور قاضی کے ساتھ باغ کو روانہ ہوا۔ ہم لوگ ایک موضع میں ایک گھنٹہ میں پہنچے جس کا نام قاسم کا جھوک[1] تھا۔ اور شاہ کی کانٹجنٹ فوج کے ایک افسر کاٹرنگٹن نے بہت خوب کہا کہ وہ جگہ قاسم کے لئے دل لگی کی ہو تو ہو مگر میرے لئے کوئی دل لگی نہیں ہے کیونکہ رسد کمیاب ہے۔ اس گاؤں کا مالک اور زمیندار قاسم خاں ہم سے ملنے آیا۔ یہ ایک خوش رو جوان تھا جس کی سیاہ ڈاڑھی بہت عمدہ تھی۔ اس کے ساتھ محمد خان ابرا[2] آیا جو ایک نیک مزاج شخص کسانوں کی وضع کا تھا۔ اسے میں نے اپنا خیمہ بالفعل سونپا۔ شب کو دو بجے ہم لوگ باغ پہنچے۔ اور اس درمیان میں منجملہ ان دیسی سواروں کے جو قاضی کے ساتھ میرپور میں آئے تھے فقط وہی رہ گیا اور بقیہ کسی نہ کسی حیلہ سے چل دیئے۔

باغ میں وڑڈن سے ملاقات جس وقت ہم لوگ شہر کے پھاٹک کے قریب پہنچے تو قاضی کو خیال آیا کہ ایسے بے وقت آنے پر ایسا نہ ہو کہ

---

[1] انگریزی میں لفظ جوک کی معنی مذاق یا دل لگی کے ہیں۔ ۱۲

[2] یہ ابرا لوگ کاشتکار اور نہایت صلح پسند گولا انداز کے ہیں مگر سر چارلس نیپیر کو جو لچر خبر ہیجبر کلینبرن نے دی ربلویک صفحہ ۲۰۲) ان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے مقابل میں پانچ ہزار آدمی لے کر آنے والے ہیں۔ ۱۲

کہ کوئی گولی مار دے اور اس وجہ سے اور بھی زیادہ خیال ہوا کہ قلعہ دار فوج بروہی کی جستجو میں تھے اس لئے اس نے مجھ سے کہا کہ بندوق کی زد سے دن ہونے تک دور ٹھہروں۔ اور جس وقت کہ ہم لوگ آگے بڑھے اُس کے دانت خوف سے بجنے لگے واقعی جونہی میں نے پھاٹک پر دستک دی اور اندر داخل ہونے کے لئے پکارا تو دو یا تین بندوقیں میرے سر کے برابر نکلتی نظر آئیں اور مجھ سے کہا گیا کہ اگر مجھے نشانہ بننا منظور نہ ہو تو دروازے سے دس قدم ہٹ جاؤں۔ پھاٹک کے اوپر لوگوں نے سر باہر نکالے اور پھر بعجلت تمام اندر کر لئے۔ اور بہت دیر کے بعد میں نے اُن لوگوں کو اس حماقت سے باز آنے اور مجھے اندر داخل کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر میں اندر داخل ہوتے ہی اُس مکان کی طرف گیا۔ جہاں وڑڈن تھا اور اُسے جگا کر باہم مشورہ کیا۔ اُس نے بیان کیا کہ میرے پاس لوے سوار بے قاعدہ ہیں۔ اور ان میں سے بہتیرے نوآموز ہیں۔ اور میں نے کئی بار دادر سے مدد مانگی تھی۔ جہاں پانچ سو آدمی اور کئی توپیں ہیں۔ مگر اُن لوگوں نے صرف گولا انداز کو میرے پاس بھیج دیا کہ دو یا تین جو پُرانی زنگ خوردہ توپیں ہیں۔ اُنھیں کام میں لانے کا ذکر کیا۔ ایک کا خود اُس نے امتحان کیا اور ایک ویرانے کو شہر کے سامنے دو سو گز کے فاصلہ پر نشانہ بنایا۔ نشانہ نے خطا کیا اور توپ دیوار کے نیچے گر پڑی۔ جہاں وہ اب تک پڑی ہے۔ اُس نے کہا کہ جس شہر میں کئی ہزار آدمی ہمارے مخالف رہتے ہیں اُس پر یا ہمارے معاملے کی جانب سے بمقابلہ قلات کے نوجوان خاں کے جو درہ بولان سے اُتر رہا ہے اور کمال خاں کے جو تین یا چار ہزار آدمیوں سے درۂ گنڈوا سے آچکا ہے، لاپروا ہیں۔

اہم سرداروں سے مشورہ

شہر کی دیوار بہتیرے مقامات میں دس فٹ سے زیادہ اونچی نہ تھی اور پانی کے لئے باہر جانا پڑتا تھا۔ اس کے سوا محمد شریف کچھی کا حاکم جو اس شہر میں رہتا تھا۔ بروہیوں کے ساتھ

سازشس کرنے کے لیے مشہور ہو رہا تھا۔ اس معقول خبر کے سننے پر میں نے یہ تجویز کی کہ ہم لوگ شہر کے خاص خاص سرداروں کو بلا کر اُن کی رائے دریافت کریں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ایک مجلس شوریٰ بلائی اور وہاں کے مہرغنوں نے جن میں غلام بنی مغیری اور حیدر خاں ابرا خاص لوگ تھے صاف صاف کہا کہ اگر ہم لوگ اُس جگہ پر قبضہ رکھ سکیں تو بہتر ہے ورنہ وہ لوگ خان قلات سے ضرور صلح کر لیں گے۔ کیونکہ ان کی جائداد تلف ہو جائے گی اور خود ان کی زندگی پر حرف آئے گا اگر ہم لوگ انھیں نہ بچا سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کے خیالات ہماری جانب سے اچھے تھے۔ لیکن انھوں نے ہمارے ضعف کو دیکھا اور محمد شریف کی بد ذاتی کو خوب جانتے تھے کہ وہ بروہیوں کو دروازہ کھول کر بطور دوستوں کے بلالے گا۔

مقامی باشندوں کی عداوت

مقامی باشندوں کی عداوت کا ثبوت چند روز قبل ہو چکا تھا۔ ایک حولدار اپنی جماعت کے ساتھ وہاں آیا تھا جس وقت وہ شہر میں گھوم رہا تھا کسی شخص نے پیچھے سے آکر اس کا سر کاٹ لیا جو کئی گز کے فاصلہ پر اُس کے جسم سے پڑا ہوا تھا۔ بروہیوں کی بغاوت کی اس قدر کم امید تھی کہ مجھے گنڈوا میں ایک کنواں انھیں ایام میں کھودنے کا حکم ہوا تھا جس وقت کہ کمال خاں کی فوج نے اُس پر قبضہ کیا۔ چونکہ باغ میں ہمارے پاس بہت بڑا ذخیرہ غلہ کا تھا۔ اس لئے اُس شہر کو محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ اس لئے رائے ہوئی کہ میں اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کو وڈن کے ساتھ چھوڑ کر چھولا جی کو جو قریب تھا جاؤں اور وہاں سے کچھ مدد لانے کی کوشش کروں اور چاہے کامیاب ہوں یا نہیں دو دن کے اندر باغ کو واپس آؤں۔

باغ سے روانگی

باوجودیکہ میں رات کو چلنے کے باعث تھک رہا تھا پھر بھی ایک سانڈنی پر سوار ہوا اور چھولا جی چلا۔ ریگستان کے اٹھارہ میل

طے کر کے میں چاچ پہنچا یہ موضع دریائے لہری پر واقع ہے۔ اور اس کے ارد گرد جواری کی فصل کوسوں تک لگی ہوئی تھی۔ وہاں سے میں وزیدہ گیا جو مشہور بجر خان ڈگی کا گاؤں ہے اور جو بعد کو اس لئے مشہور ہوا کہ اُس کا تعاقب سرچارلس نیپر نے کیا تھا۔ مگر اس وقت سکھر میں قید تھا۔ چار میل اور چل کر میں خیہ میں پہنچا۔ یہ ایک قلعہ ڈگیوں کا ہے جس میں بجر خاں کے عیال و اطفال رہتے تھے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ میرے لئے یہ اچھا ہوا کہ میں بلوچیوں میں بدنام نہ تھا کیونکہ اس وقت حسب اتفاق اُسی اونٹ پر سوار تھا جو بجر خاں سے مطیع ہوتے وقت لیا گیا تھا اور تنہا تھکا ہوا آدھی رات کو اُس کے قبیلے کے قلعہ میں پہنچا۔

مبارک خاں سے ملاقات

بجبر خاں کا بیٹا وزیر خاں اور اُس کا بھائی مبارک میرے پاس آئے۔ اور اُن کے ساتھ ایک یا دو درجن اُن کے بلوچی آدمی تھے۔ انھوں نے فوراً اونٹ کو پہچان لیا اور اس کا نام لے کر پکارا اور وہ مجھے بھی خوب جانتے تھے کیونکہ جب وہ گرفتار ہو کر گئے تھے تو میں نے کئی بار اُن کی دعوت کی تھی۔ اُسی وقت اُنھوں نے ایک بھیڑ اور شراب منگوائی۔ اور ہم لوگ ایک عمدہ طعام کھانے لگے۔ یہاں بھیڑیں بہت عمدہ اور نہایت فربہ ہوتی ہیں جن کی دم بڑی ہوتی ہے۔

ہم لوگوں میں نفنتک کی لڑائی کی گفتگو ہوتی رہی اور اُن لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اُس علاقے کے تمام بلوچی مریوں کی مدد کے لئے گئے ہیں اور انھوں نے جنگ میں شرکت کی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کتنے لوگ کام آئے اُنھوں نے بیان کیا کہ دو سو انگریز اور اسّی بلوچی۔

تقریباً ایک گھنٹہ استراحت کرنے کے بعد میں پھر روانہ ہوا اور مبارک خاں میرے ساتھ جنگل کے چھ میل طے کر کے پھولاجی تک گیا۔ یہ ایک اچھا موضع مری

اور گبتی پہاڑیوں کے دامن سے قریب ہے۔ یہ پہلے قابو کرنے کی ہماری ملازمت کی اور بعوض اس کے پھولاجی اور قرب وجوار کے اضلاع واپس پائے۔

گنڈوا کا تاراج باغ سے پھولاجی تک کی لمبی مسافت میں مجھے پورا وقت حالت موجودہ پر غور کرنے اور اس کے سوچنے کا ملا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ حالت یہ تھی۔

سکھر کے حکام کو اب تک لاعلمی اُس طوفان کی جانب سے تھی جو اس قدر قریب تھا کیونکہ میرے خطوط اُن کو نہیں ملے تھے۔ بردہی قبیلے والے دو بڑے بڑے دستوں میں کچھی پر اتر رہے تھے۔ جو کمال خاں کی ماتحتی میں تین یا چار ہزار کی تعداد میں تھے اور گنڈوا میں پہنچ گئے تھے اور اُس نے اُسے لوٹ لیا تھا اور جو نصیر خاں کی ماتحتی میں پانچ یا چھ ہزار کا تھا وہ اب بھی کئی منزل دادر سے تھا۔ تین منزل کے بعد کمال خان باغ میں پہنچ گیا تھا۔ اُس کے مقابلہ کے لئے کوئی فوج وہاں بجز چند بے باقاعدہ سواروں کے نہ تھی اور وہاں کا حاکم محمد شریف خاں بردہیوں سے ملا ہوا تھا۔ باغ پر قبضہ کرنے سے کمال خاں نے غلہ کے ذخیرہ پر قبضہ پایا ہوتا اور دادر دونوں جانب کی مار میں پڑ جاتا۔ اس کے علاوہ اس نے کچک کے لوگوں اور مری اور گبتی پہاڑیوں کے بلوچیوں سے سلسلہ خط وکتابت جاری کر لیا ہوتا۔

باغ کی تاراجی کا خطرہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ اُس وقت دادر ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اور ہماری فوج کام آ جاتی، کیونکہ اگر اُس کو کسی قدر دقت نصیر خاں کے مقابلہ میں تھی تو کیا اُس کا اس وقت سامنا کر سکتی تھی جب کہ اُس کے شریک کئی ہزار آدمی اور ہو جاتے اور جیسی کچھ توپیں باغ میں تھیں وہ ان کے ہاتھ آ تیں۔

میرے نزدیک یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ جس قدر زبردست فوج ممکن ہو۔ باغ کو لے چلوں اور پیدلوں کو وہاں چھوڑ کر جس قدر سوار ہو سکیں ان کے ساتھ بردہیوں پر گنڈوا میں چڑھائی کر دوں۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے افسر بالا سے کچھ ہدایت نہیں ملی تھی۔ لیکن اگر میں حکم کا انتظار کرتا تو قبل اس کے کہ کوئی حکم آتا باغ لٹ جاتا۔

مجھے خاص خاص زمینداروں سے مدد کی امید تھی مثلاً حیدر خاں ابرا اور امام بخش رند اور غلام حیدر مغیری اور احمد خاں مغیری جو بجھے کئی سو سواروں سے مدد دیتے بلکہ دشمن کی ہر ایک نقل و حرکت سے مطلع بھی کرتے رہتے ۔ ان کی وفاداری کی ضمانت یہ کس قدر تھی کہ ان کی اراضیات اور فصل استادہ اس وقت محفوظ تھی۔ لیکن اگر کئی ہزار بلوچی سوار آپڑتے تو بالکل ضائع ہو جاتی ۔ ہم لوگوں نے ایک ہزار سوار ہر قسم کے جمع کرتے ہوتے جو کمال خاں کو پہاڑیوں میں بھگا دینے کے لئے کافی تھے اور اس وقت دادر کی فوج کو حملہ کرنے کے قابل کر دیا ہوتا بجائے اس کے کہ وہ اپنے ذخیرے کا نقصان کرتے جو اس کے سامنے جلایا گیا۔

ایک فوجی دستہ کی کمک جونہی میں پھولاجی پہنچا تو دو سو پیدل اور اسی قدر سوار لہڑی جاتے ہوتے ملے اُن سے مجھے معلوم ہوا کہ ایک بازو پیدلوں کا اور دو توپیں اور کچھ سوار بہت جلد داد۔ کو جانے والے ہیں مگر باغ ہو کر نہ جائیں گے کیونکہ جو بلا اُس پر آنے والی تھی اُن کی کچھ کیفیت لوگوں کو معلوم تھی ۔ میں نے لہڑی جانے اور وہاں کے کمانیر کو باغ کی طرف سے جانے پر آمادہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہاں پہنچ کر ہم لوگوں کو کافی وقت بروھیوں کے لئے جو گنڈوا میں تھے کسی تدبیر کے کرنے کا بہت عرصہ قبل اُس کے ملتا جب کہ دادر میں امداد کی ضرورت ہوتی ۔کیونکہ دراصل اٹھارہ دن گذرنے کے بعد نصیر خاں نے دادر پر حملہ کیا۔

بی برگ اور بجر سے ملاقات لہڑی جانے کے قبل میں نے بجر خاں اور بی برگ سے ملاقات کی جو پھولاجی اس لئے لائے گئے تھے کہ وہ جلد رہا کر دیئے جائیں گو کہ اب بھی وہ حراست میں تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر نہایت خوش ہوتے اور دیر تک ہم لوگ تمام امور پر جو حال میں ہوئے تھے گفتگو کرتے رہے۔ بی برگ ایک عرصہ تک قید رہنے سے نہایت بے صبر ہو رہا تھا اور صاف صاف اُس گھڑی کو کوستا تھا جس دن اُس نے اطاعت کی تھی ۔ مگر بجر جو زیادہ تہذیب کا سردار تھا صرف اس قدر کہنے لگا کہ " افسوس

صاحب! اگر میری قسمت میں آپ کے بھائی کا مطیع ہونا ہوتا تو انھوں نے ہمارے ساتھ دوسرا برتاؤ کیا ہوتا اور ہم لوگوں کو انھوں نے انگریزی سرکار کا دوست بنا لیا ہوتا۔" پیدلوں کے افسروں میں خود میرا ایک رشتہ دار تھا۔ اور باتوں کے ذکر میں کجک کے "قلعہ کا بھی ذکر آ گیا۔ میں نے کہا کہ" وہاں ایک اچھا معرکہ پیش آئے گا۔" وہ کہنے لگا کہ "توبہ کیجئے یہ لوگ ہماری توپوں کے مقابل کیا کر سکتے ہیں وہ کبھی لڑنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔" میں نے اُس سے کہا کہ " وہ ضرور لڑیں گے یاد رکھو۔" اور میں رخصت ہوا۔ دو مہینے نہیں گذرے تھے کہ یہ لڑکا مارا گیا جس وقت وہ دلیری سے کجک پر حملہ کرنے والوں کی پیشوائی کر رہا تھا۔ یہ حملہ گو کہ تین بار کیا گیا مگر ہر بار شکست ہوئی۔

مری قبیلہ کی اعلیٰ ظرفی

لہری پہنچنے پر مجھے وہاں وہ فوج ملی جو اتنے عرصہ تک کاہن میں محصور رہ چکی تھی اور جو کچھ اُن کے ساتھ برتاؤ مری قبیلہ والوں نے کیا۔ اُس کے حالات سن کر مجھے نہایت لطف آیا۔ اُس عالی ظرف قبیلہ نے نہ صرف ہماری فوج کو بے روک ٹوک چلے ہی نہ آنے دیا بلکہ مہربانی کے ساتھ رحم بھی کیا۔ جب سپاہیوں میں ایک شخص تھک کر گر پڑا تو مری رہنما اُسے اپنے ٹٹو پر سوار کر کے لے آیا۔ سردار دودا نے یہ قابل یادگار پیغام وہاں کے کمانیر کے پاس بھیجا تھا کہ "صاحب سے کہہ دو کہ جتنے لوگ مریوں نے قتل کئے وہ لڑائی میں مارے گئے۔ رہا پھیر و زخمی و قیدیوں کا مارا جانا اُس کے ذمہ دار بگٹی فرقے والے ہیں۔ ہم نے اپنے ہاتھ ایسے لوگوں کے خون سے نہیں رنگے جنھوں نے مقابلہ نہیں کیا۔ بہادر اور جری لوگوں میں مریوں کو جو اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے برابر رتبہ نہ دے وہ منصف مزاج مورخ نہیں ہے۔ ان کی عورتیں بھی اس جنگ کی ہمت رکھتی ہیں۔ وہ زخمیوں کے لے جانے میں مدد دیتی ہیں اور سخت معرکوں میں جہاں یہ قبیلہ زیادہ گھر گیا ہے انھوں نے لڑائی میں شرکت کر کے اثر پیدا کیا ہے۔

مری قبیلہ کی دلیر خواتین

جیسا کہ بلوچیوں میں قاعدہ ہے ہر شخص کے ایک ہی زوجہ ہوتی

ہے اور اُن کی پاک دامنی ضرب المثل ہے۔ اگلے زمانے میں جب افغان شکارپور میں حاکم تھے ایک گورنر نے متواتر کوشش ایک مری بلوچی کی بیوی کو پھنسانے کی۔ جس نے اُس کے یہاں نوکری کر لی تھی۔ جب دیکھا کہ زر کا طمع دکھانے سے کام نہیں چلتا تو اس نے خاوند کو کہیں بھیج دیا۔ اور تن تنہا اُس کے مکان پر زبردستی کی کارروائی کرنے کے لئے گیا جب شام ہوئی تو گورنر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس کی تلاش شروع ہوئی اور آخر کار اُس کے ملازموں میں سے ایک شخص جو اپنے آقا کے تعشق سے واقف تھا اُسی مکان پر گیا۔ اُس نے کنڈی ہلائی مگر صدائے برنخاست۔ آخرالامر اُس نے دروازہ توڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ گورنر کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا ہے اور ہاتھ پیر بندھے ہیں۔ اور اُس نے اس قدر مار کھائی ہے کہ بغیر سہارے کے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ بات ٹھیک نہ معلوم ہوئی کہ یہ واقعہ کیونکر ہوا۔ لیکن کسی طور پر یہ سننے میں آیا کہ وہ عورت اپنے عاشق سے تنہا زبردست نکلی اور خوب زدوکوب کرنے کے بعد اُس نے اُسے رشتہ محبت کے بدلے دوسری رسی سے باندھ دیا اور اپنے خاوند کے پاس چل دی جو پھر شکارپور لوٹ کر نہ آیا۔

چاچڑ میں قیام جب میں نے فوجی افسر اعلیٰ سے یہ کیفیت بیان کی تو اُس نے میری رائے کی معقولیت کو فوراً دریافت کر لیا اور باغ کی جانب روانہ ہونے پر راضی ہوا۔ ہم لوگ اُسی رات کو روانہ ہوئے اور ڈھائی بجے شب کو چاچڑ پہنچے یہاں ہم لوگوں نے قیام کیا اور میں نے ایک جوار کے کھیت میں آرام کرنے کا افتخار حاصل کیا جہاں گنبد نیلگوں میری مسہری تھی جس سے مچھر بے طرح آتے تھے اور میرا چغہ بہتر تھا۔ میں سردی سے ٹھٹھر کر اُٹھ بیٹھا اور ایک خیمہ میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے تولیہ لینے گیا۔ اُس کے مالک نے کہا کہ "تولیہ چاہیئے، بہت بہتر! ارے کوئی آدمی تولیہ لاؤ" نوکر نے اپنے آقا کی شان کے لئے بڑی جستجو کی۔ میرے دوست نے پھر پوچھا کہ "او آدمی کیا کر رہا ہے؟ تولیہ کیوں نہیں لاتا؟" اس نے جواب دیا کہ "صاحب ایک ہی تولیہ ہے اور وہ آپ کے پاس ہے"

بروہیوں کی پیش قدمی

دوسرے دن ہم لوگ باغ پہنچ گئے اور چونکہ پچھلے چھتیس گھنٹہ میں میں نے ایک سو بیس میل کی مسافت سواری پرطے کی تھی مجھے آرام ملنے سے مسرت حاصل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ہمارا پہنچ جانا موقع سے ہوا کیونکہ بروہی گنڈوا سے کچھی کے جنوب میں تمام جگہ پھیل گئے تھے اور اُن کے سواروں کے گروہ باغ سے چند میل کے فاصلہ پر نظر آتے تھے۔ محمد شریف جس کا برتاؤ نہایت ہی [illegible] اُس وقت ہوا تھا جب میں دو روز قبل وہاں گیا تھا اُس وقت بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ مجھے ناشتہ کئے [illegible] نہ ہوئی تھی کہ دور سے بہت کچھ گرد و غبار نظر آیا۔ ہمارے سوار اس طرف دیکھنے کو گئے اور توپیں فوراً کسی قدر بلند مقام پر کھینچ کر لائی گئیں جہاں ایک برج تھا اور ہمارے ساڑھے تین سو پیدل سپاہی تھے۔ وہ محض جھوٹا خطرہ نکلا اور صرف اس قدر ہمارا نقصان ہوا۔ کہ الف خاں کا چھوٹا بیٹا گھوڑے پر سے گر پڑا جس سے اُس کا ہاتھ اکھڑ گیا۔ وہ محض لڑکا تھا اور اُس کا بازو مثل لڑکیوں کے گول اور اسی قدر کمزور بھی تھا۔ مگر اُس نے اپنی تکلیف دلیرانہ برداشت کی۔

مدافعت کے موثر انتظامات

اب میں نے اپنی رائے گنڈوا پر چڑھ دوڑنے کی تجویز پیش کی۔ تاکہ ہماری آمد کی خبر بروہیوں تک پہنچنے کے قبل اس کا انجام ہو۔ میری تجویز کو سب نے پسند کیا اور میں نے ایمیل اور دوسرے رسالوں کے افسروں کو خط روانہ کئے جو گرد و نواح میں تھے اور ہماری شرکت چوبیس گھنٹہ کے اندر کرسکتے تھے۔ اس درمیان میں ہم لوگوں نے دروازوں کو بند رکھنے کا ارادہ کرلیا تاکہ دشمن کے پاس قاصد نہ پہنچنے پائیں۔ مگر ہماری تدبیر بری ہو یا بھلی شدنی نہ تھی۔ میں نے یہ انتظامات کئے بھی نہ تھے کہ میرے افسر بالا کے پاس سے مجھے خط ملا کہ فوراً اُن کے پاس سکھر پہنچ جاؤں۔ میرے لئے بجز تعمیل کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اور پھر ایک مرتبہ میں شکارپور کی جانب روانہ ہوا مجھے اس امر سے کسی قدر تسلی ہوئی تھی کہ میں نے باغ کو بچا لیا جس کی ایک یا دو دن کے اندر کنڈا اور گنڈوا کی حالت ہوئی ہوتی۔ اور جسے لوگوں نے لوٹا اور ان جگہوں کی طرح شاید خاک کر ڈالا ہوتا۔

باب ۱۰

معرکہ گنڈوا

باغ سے روانگی

۱۱ اکتوبر کو میں باغ سے روانہ ہوا اور چالیس میل چل کر طاہر کا کوٹ میں پہنچا جہاں سے چند گھنٹے آرام کرکے شاہ پور کو مقام چتر سے ہو کر گیا جو ایک بڑا قصبہ قاہرون کا تھا اور مثل پھولاجی کے دکیوں نے اُن سے لے لیا تھا۔ مگر ہم لوگوں نے چیتر قاہریوں کے حوالہ کیا۔ میں نے شاہ پور میں ایمیل اور ایک دوسرے افسر کو پایا جن کو نہایت افسوس ہوا کہ گنڈوا پر جو حملہ ہونے والا تھا۔ وہ موقوف رہا۔ ایمیل نے مجھ سے اپنے بہت سے قصے ریگستان کے بیان کئے۔

جکرانی سردار ترک علی

بلوچیوں میں جو ہماری ملازمت میں تھے کوئی شخص اس قدر مشہور نہ تھا جیسا کہ جکرانی سردار ترک علی۔ وہ ایک لمبا دُبلا پتلا بوڑھا شخص تھا جس کی سفید ڈاڑھی بہ تائید سنت نبوی سرخ رنگ سے رنگی تھی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی داڑھی خون کی طرح سرخ رہتی تھی۔ ترک علی انسان کی جان کی قدر اس سے بھی کم کرتا تھا جو ان ناشائستہ ملکوں میں معمولی طور پر ہوتی ہے۔ ایک دن ایک ہندو دُکان دار ایمیل کو کچھ خریدنے کے لئے تنگ کر رہا تھا ردیسی پھیری کرنے والے

بساطی نہایت موزوں طور پر بوہرہ کہلاتے ہیں) کہ ایمیل نے مذاقاً کہا کہ "ترک علی اُس شخص کو لے جا کر اس کی زبان بند کردو"۔ فوراً اُس خونخوار بوڑھے بلوچی نے اُس بدنصیب بساطی کو پکڑا اور جب اُسے کھینچ کر لے چلا تو صرف اس قدر کہنے لگا کہ "میں اسے جلد چپ کردیتا ہوں"۔ مگر اپنے چہرے کی جانب بھی ہاتھ بڑھایا۔ ایمیل گھبرا کر دوڑ پڑا اور اُس ہندو کو ترک علی کے ہاتھ سے نجات دی۔ جس سے وہ نہایت متعجب اور ناخوش ہوا۔ جب میں شکارپور گیا تو میرے ساتھ حکمرانوں کا ایک گارڈ تھا۔ جو ترک علی کے آدمی تھے وہ نہ جانتے تھے کہ میں اُن کی گفتگو سمجھتا ہوں اور جس طور پر انھوں نے لارڈ کین کی نوج کو لوٹا تھا اُس کا ذکر کرکے ہنس رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ "فرنگی بڑی مروت کے لوگ ہیں کیونکہ وہ اُس اونٹ کو پھر خرید لیتے ہیں جسے تم نے چوری کیا تھا۔ ان سے بہتر کون گاہک ہوگا"۔ مجھے معلوم ہوا کہ پھر مجھے شکارپور کا چارج لینا پڑے گا جو کچھی کے لئے آب ریگستانوں سے ایک عمدہ جگہ تھی۔

عبدالخالق نامی عالم سے ملاقات

اپنے واپس آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں نے وہاں کے فاضل اجل سے ملاقات کی جن کا نام عبدالخالق تھا۔ وہ سوائے کسی مسلمان کے یوروپین کے ہاں کبھی نہ جاتے تھے۔ چونکہ اُن کا میری ملاقات کو آنا ممکن نہ تھا اس لئے میں نے اُس رئیس کو ایک خوش رو بوڑھا پایا جس کی گفتگو سے ہر معاملہ میں مذہب حق کی بو پائی جاتی تھی۔ وہ ذرا بھی کفار کی حقارت میں کمی نہ کرتے تھے۔ اور باتوں میں اس کی بحث بھی رہی کہ مسلمان کو عیسائی کے ساتھ کھانا چاہیے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ امر قرآن شریف میں صرف ممنوع ہی نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ انھوں نے کہا کہ "صحیح ہے مگر تم لوگ اپنے قواعد کے پابند نہیں ہو۔ تم کو خوک اور غیر ذبیحہ کھانے کی ممانعت ہے۔ تم لوگ ان باتوں کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ جب تم لوگ اپنے قانون کے خلاف کرتے ہو تو کیسے امید کر سکتے ہو کہ ہم تمھیں سوائے کافر کے اور کچھ تصور کریں"۔

عبدالخالق عالم سے مذہبی بحث انھوں نے معمولی دلیل مسلمانوں کی عیسائی مذہب کے ناتمام رہ جانے کی بیان کی۔ "خود تمھارے نبی نے ایک دوسرے نبی کے آنے کی خبر دی ہے جو خاتم النبی ہوگا۔ یہ حضرتؐ تھے۔" ہم لوگوں نے نجوم کے معاملہ میں گفتگو کی۔ ایک شخص نے کہا کہ "جدید تحقیقات کوئی شے نہیں ہے کیونکہ تمام چیزیں پہلے ہی سے دریافت ہوچکی ہیں اور قرآن شریف میں موجود ہیں۔ میں نے کہا کہ "میں نے قرآن شریف پڑھا ہے مگر مجھے کوئی صحیح کیفیت سیاروں کی جسامت یا ان کے دورے کی زمین سے معلوم نہ ہوئی۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ ایمان کے نہ ہونے میں اندھا ہورہا ہوں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ "اگر تم کو ایمان ہوتا تو جو کچھ جاننا چاہتے قرآن شریف سے معلوم ہوجاتا۔" کوئی شخص عالم اُس وقت ہوسکتا ہے جب وہ صحیح طور پر دوسرے عالم کے سوالات کا جواب دے۔ جب وہ اُس کو لاجواب کردے۔ تو اُس کے سر پر دستار فضیلت باندھ دی جاتی ہے اور وہ اُن کے پہلو میں بیٹھتا ہے۔ رئیس العلمار کا خطاب بالاتفاق ایسے شخص کو ملتا ہے جو شریعت کے معاملہ میں نہایت واقف کار اور متعصب ہوتا ہے۔

برطانوی افواج کا سکھر میں اجتماع جس زمانے میں میں کچھی میں تھا ایک بڑی فوج سکھر میں جمع ہورہی تھی۔ جس وقت بروہی قبیلہ کے لوگ ان غیر محفوظ میدانوں میں اُتر رہے تھے جو ہالہ پہاڑ کے گرد درہ گنڈوا سے درہ بولان تک ہیں ہمارے خاص خاص حکام اپنے دشمنوں کی جانب سے رنجیدہ اور تیز پیرے معمور ہوکر آئندہ جنگ کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اور ایک ہی وقت میں اس پر بھی بحث کرتے تھے کہ نوجوان خان قلات کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اور دوسری فتح کیونکر ہوگی۔ لگاتار پلٹنیں سکھر سے میدان جنگ کو روانہ ہورہی تھیں۔ مگر پھر بھی سکھر بھرا پڑا تھا۔ آخر کار جب ہماری سرکار کا مکڑی کا ساجال بے طرح شکست ہوا اور کئی درجن پھندے ٹوٹ گئے جن سے جابجا بڑے بڑے رخنے ہوگئے تو بڑی پولیٹیکل مکڑی اس طرف مخاطب ہوئی اور

نہایت شان اور زہرے پُر ہوکر باہر نکل آئی مگر اُس وقت جس ڈھیٹ مکھیوں نے یہ سب نقصان کیا تھا وہ اُڑ گئی تھیں۔

بروہی قبیلہ سے جھڑپیں

اس درمیان میں جن کاریگروں کو میں ہرشوری چھوڑ آیا تھا اُن کو بروہی سواروں نے ریگستان میں بھگا دیا تھا اور جب اُن کی باری آئی اور سرکاری بے قاعدہ سواروں سے تعاقب ہوا تو چالیسویں رجمنٹ گوروں کی پلٹن تھی۔ جو آگے بڑھ رہی تھی تو ان کو سخت شکست ہوئی اور ایک سو تیس مرد اور داس کا نہ لکھنا بہتر ہے) تین عورتیں کام آئیں۔ جب عورتیں مردوں کا لباس پہن کر اپنے خاوندوں کے ساتھ رات کو حملوں میں شریک ہوں تو کون تمیز کر سکتا ہے۔ یہی کنڈ میں اتفاق ہوا مگر اُن غریبوں کو تلوار نے زیادہ سخت تکلیفوں بھوک اور پیاس اور خاوند۔ بھائی۔ بچوں کو اپنے خون میں لوٹتے ہوئے دیکھنے سے نجات دی۔ اسی زمانے میں ورڈن کا جو باغ میں تھا ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے مقابلہ ہوا جن کے چالیس آدمی اُس نے مارے۔ اُس نے خود دو کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ ہر چند کہ وہ دیکھنے میں کچھ بڑا تلوار چلانے والا نہ تھا۔ اُس نے کہا کہ مجھے سخت تعجب اس امر پر آیا کہ انسان کو مار ڈالنا اس قدر امر آسان ہے۔ وہ ایک کمبخت کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر گیا جو پیدل بھاگا جاتا تھا اور تلوار کا ہولا دیا۔ وہ اُس کی پیٹھ سے داخل ہوئی۔ اور سینہ سے نکلی۔ اُس کمبخت کی زبان سے بسم اللہ نکلا اور وہ مُردہ گر پڑا۔ کس قدر طبیعت کانپ اُٹھتی ہے جب اپنے ابنائے جنس انسان کو اس قدر بے رحمی سے مار ڈالنے کا خیال آتا ہے۔ واقعی بروہیوں کی لڑائی محض ایک افسوسناک قصائی پن تھا۔ اس فرقہ نے بمقابلہ افغانوں یا بلوچیوں کے خفیف مقابلہ کیا۔ جب اُن کی تعداد کئی ہزار تھی اُس وقت بھی انھیں سرکاری فوج نے دادر میں بہ آسانی ہٹا دیا۔ ہمارے صرف دو افسر اور بیس آدمی زخمی ہوئے تھے اور دو یا تین شخص مارے گئے۔ مگر بروہیوں نے اسباب لوٹ لیا اور میگزین میں آگ لگادی۔

چالیسویں رجمنٹ کی پیش قدمی جب چالیسویں رجمنٹ گوروں کی آگے بڑھی تو کمال خان پہاڑیوں میں چلا گیا۔ اور کنڈوا میں آگ لگا دی۔

میرا دوست پوسٹنسن یہاں ڈوب ہی چکا تھا۔ اُس نے اپنا خیمہ رات کو ایسی جگہ نصب کیا تھا جو ظاہرا ایک غار معلوم ہوتا تھا اور گھاس اُگی ہوئی تھی۔ سفر کے تکان کے باعث وہ فوڑا سو گیا اور خواب دیکھنے لگا اس خیال نے اُسے انگلستان پہنچا دیا اور زندگی کے رجسٹر سے بیس سال قلم زد کر دیئے وہ اپنے نزدیک پھر بچہ تھا اور ریت پر سمندر کے کنارے گھوم رہا تھا اُسے معلوم ہوا کہ سمندر بڑھتا آ رہا ہے۔ اور جس قدر زیادہ وہ بھاگتا تھا اُسی قدر زیادہ وہ اس کا تعاقب کرتا تھا۔ نہانے والی عورتیں اُسے تیز بھاگنے کے لئے غل مچا مچا کر کہہ رہی تھیں۔ اس مخمصہ کی حالت میں اُس کی آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ پاؤں پانی کے اندر ہیں اور بہت سے سپاہی اور افسر اُس کو پکار رہے ہیں اور قہقہہ لگا رہے ہیں کہ وہ تیر کر نکل آئے۔ ماجرا یہ تھا کہ اُس نے اپنا خیمہ ایک پرانے پانی کے نالے پر استادہ کیا تھا۔ شب کو پہاڑیوں میں سخت بارش ہوئی اور اُس وقت پانی زور و شور سے اُس نالہ میں جو چند گھنٹے پیشتر بالکل خشک تھا بہ رہا تھا۔

کمال خاں کی واپسی اب کہ کمال خاں کے آدمی مضرت کی راہ سے الگ ہٹ گئے تھے۔ ہماری فوج دادر پر بڑھی۔ چونکہ سواران کے پاس کم تھے اور یہ لوگ سفر سے تھک رہے تھے جو ایسے وقت پہنچے جب خان کی فوج واپس جا رہی تھی۔ بروہی فرقہ والوں نے جن کی تعداد پانچ ہزار تھی ارادہ کر لیا تھا کہ جب ہماری فوج بڑھتی ہو تو اُس پر حملہ کریں اور اُن کو امید تھی کہ سفر کے باعث وہ ابتر ہو گی۔ مگر اس ارادہ کو اُن لوگوں نے جلد فسخ کر دیا اور چند لوگوں نے انھیں تھوڑے ہی عرصہ میں بھگا دیا۔ اُن کی پشت پر ایک بڑی پہاڑی تھی جس پر وہ کثرت سے جمع ہوئے اور اپنا خیمہ و سامان وغیرہ سب زمین پر چھوڑ دیا۔ اُس وقت سواروں کے حملہ کرنے کا موقع تھا۔ کہ قبل اس کے کہ دشمن پہاڑی میں

پر پہنچنے پائے اُن پر زد پڑے ۔ مگر سوار اس وجہ سے روک دیئے گئے کہ وہ پیدلوں سے بہت آگے بڑھ آئے تھے اور یہ خیال کیا گیا کہ وہ بغیر گوروں کی مدد کے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ یہ دیر لوڈے کی باعث ہلاکت ہوئی ۔ جس وقت ہماری فوج خان کے خیمہ تک پہنچی تو ایک افسوسناک کیفیت نظر آئی ۔ قریب ہی برہنہ اور نہایت ہی لاغر مگر اس وقت تک گرم اور خوں چکاں جسم اُس بہادر لڑکے کا پڑا ہوا تھا ۔ اس کا بایاں پاؤں ایک کجاوے میں زنجیر سے بندھا ہوا تھا اس کا سر مڑا ہوا اُس کے داہنے کندھے کے نیچے تھا اور ایک بڑا زخم جو اُس کی پشت گردن پر لگا ہوا تھا اُس سے سارا حال معلوم ہوتا تھا ۔

ایک ہندوستانی افسر کی روداد ایک ہندوستانی افسر بھی پابہ زنجیر پھوٹ کر رہ رہا تھا جس کی سادہ حکایت نے اس کی وفاداری کا پُر اثر ثبوت دیا ۔ اُس نے بیان کیا کہ جب خان مستنگ گیا تو لوڈے کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور جب سرداروں کی یہ رائے ہوئی کہ انگریزوں سے مصالحت ہو جائے تو اُس سے کہا گیا کہ کپتان بین کو لکھے ۔ یہ اُس نے بہت تاکیدوں پر کیا ۔ ایک اور یوروپین جو بروہیوں کے قبضہ میں گرفتار تھا اور چار سوار اس خط کو لے کر گئے ۔ یہ لوگ واپس نہ آئے مگر کپتان بین کا خط آیا جس سے امیروں نے لوڈے کو مار ڈالنا اور ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا ۔ مگر ایک مال دار ہندو سوداگر نے سرداروں کو دو ہزار روپیہ لوڈے کو زندہ چھوڑ دینے کے لئے رشوت دیئے ۔ اُس وقت وہ اپنے قیدی کو مستنگ میں چھوڑ کر آگے چلے گئے ۔ چند روز کے بعد اُن کی فوج منتشر ہو گئی اور خان سو آدمیوں کے ساتھ لوڈے کو قلات لیتا ہوا چلا گیا ۔

لوڈے آفیسر کا قتل تھوڑے ہی دنوں کے بعد بروہیوں نے دادر پر حملہ کرنے کا قصد کیا اور اُس وقت سے لوڈے کی توہین اور ظالمانہ برتاؤ کرنے لگے ۔ دن کو اُسے نصف عریاں اونٹ پر سفر کرنا اور کھلے میدان میں سونا پڑتا تھا ۔ اُس کے ہاتھ پاؤں میں بھاری زنجیریں ڈال دی گئی تھیں اور اُسے ایسا کھانا ملتا تھا جسے کتا بھی نہ پوچھتا ۔

اس طور پر اُسے مقام بی بی نانی تک لے گئے جہاں خان کی فوج میں بہت سے بروہی آکر شریک ہوئے جنھوں نے لوڈے کو راستہ میں پتھر مارے۔ ان میں سے بعض پتھروں نے اُسے سخت زخمی کیا۔ جب سرداروں نے دادر کو لوٹنے کے بعد میجر ماسکا ڈین کی فوج پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو لوڈے کو محافظوں کے ساتھ خیمہ میں چھوڑ دیا۔ تھوڑے عرصہ میں چند سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ بُرا ہوا عورتیں جو اُس وقت تک سر پر قرآن شریف رکھے ہوئے فتح کی دعائیں مانگ رہی تھیں چلا کر ادھر اُدھر گھبراہٹ میں دوڑنے لگیں۔ ایک لمحہ کے بعد ایک سوار اندر آیا اور اُس نے وہ مہلک زخم لگایا جس سے ہمارے بدنصیب ہم وطن کے مصائب کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر دنیا میں کوئی شخص ایسا ہو جو ایسی حکایت کو بغیر رنج کے سنے تو میں اس کے خیالات پر رشک نہیں کرتا۔ البتہ بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو لا پروائی بلکہ حقارت سے اُن مصائب کو سنتے ہیں جو ہماری فوج پر .... اس سال اور آئندہ سال میں پڑے۔ ایسے لوگ بہائم کے درجہ کو ابھی سے پہنچ گئے ہیں اور وہ چاہیں تو اُن کے لئے موزوں بھی ہے۔ کہ اپنے نزدیک اُن بیہودہ بدنامیوں کا اعتبار کریں جو اُن لوگوں کی نسبت گھڑی گئی ہیں جنھوں نے اپنے ملک کے معاملہ میں ناشدنی تکلیفات جھیلیں۔

آفیسر لوڈے کا کردار

بیچارہ لوڈے کی نسبت میں بھی کہوں گا کہ وہ ایک دلیر مستعد اور سرگرم افسر تھا۔ اور بعوض اس کے کہ اُس کی نسبت ڈیوٹی کے ساتھ ظلم کرنے کا الزام عاید کیا جائے۔ وہ بلکہ میل جول کی طرف راغب ہو کر غلطی کرتا تھا۔ کیپٹن پانٹار ڈنٹ مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے قلات میں ان بیانات کی صداقت کی نسبت تحقیقات کی تھی جو لوڈے کی نسبت مشہور تھیں اور معلوم ہوا کہ وہ بالکل بے بنیاد تھیں۔

شاہ نواز اور دوسرے بروہیوں نے بھی مجھ سے یہی کہا اور مختصر یہ کہ بے چارہ لوڈے کی جان اُسی طرح گئی جس طرح شاہ نواز کا تخت گیا۔ یعنی کلیتاً ہماری ملکی

بدانتظامی کے باعث جو صوبہ کچھی کے بارے میں ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے مجبوراً اُن بے شمار خطوط کو چھوڑ آنا پڑا جو اُس بدنصیب لڑکے نے مجھ کو لکھے تھے۔ اور جن سے زیادہ وضاحت اس معاملہ کی ہوتی۔ اور اس کی کامیاب عزیمت کا حال جو مکران میں ہوئی تھی اور اُس کی دلیرانہ کیفیت جو قلات کی محافظت کی معلوم ہوتی۔

میر نور محمد کا انتقال

اس وقت میر نور محمد حیدرآبادی کا انتقال ۲ر دسمبر کو ہوا۔ چاہے ان کے خیالات ہم لوگوں کی نسبت اُس وقت جیسے ہوں جب کہ لوگ پہلے پہل ملک میں داخل ہوئے تھے مگر مرنے کے قبل وہ ہمارے دوست صادق ہو گئے تھے۔ جو پولیٹکل افسران کے دربار میں مقرر کئے گئے وہ ایسے لوگ تھے جن سے شناسائی ہونے ہی سے انسان کو اُنس اور خیال عزت ہو جاتا تھا۔ مرتے وقت امیر نے ہمارے ریزیڈنٹ میجر اوٹرم کو بلوایا۔ اور اپنے دونوں فرزند اُن کے سپرد کئے۔ خاص کر چھوٹے کو جس کے لئے سرپرستی کی زیادہ ضرورت تھی اور جو واقعی اُس کا پیارا اور اسی کے قابل تھا۔

معرکہ گنڈوا

۱۳ر کو امیر کا فاتحہ شکارپور میں ہوا۔ گورنر نے مجھ سے شریک ہونے کے لئے کہا جسے میں نے قبول کیا۔ اس درمیان میں نصیر خاں خان ملاقات جو پہاڑیوں میں دادر کے معرکہ کے بعد مارا پھرتا تھا۔ گنڈوا کے قریب کے میدان میں بہت سی فوج سے نمودار ہوا۔ سکھر میں انگریزی حکام کے مجمع نے جو اپنے رنگ میں مصروف تھا شاید اس دخل درمعقولات سے ناخوش ہو کر اُس نوجوان خاں کو راہ پر لانا چاہا اور ایک قاصد مع مراسلہ کے ۲۵ رجمنٹ ہندوستانی پلٹن کے کمانیر کو بھیجا کہ وہ دشمن کی سرکوبی کرے۔ سکھر سے گنڈوا ایک ایک سو نیس میل کی مسافت ہے جسے اُس افسر نے جو حامل مراسلہ تھا طے کیا اور لڑائی میں سواروں کی کمان لی اور پھر تین دن کے اندر فتح کی خبر سکھر میں

ے کر آیا ۔ یہ اُس نے ایسا کمال کیا جس کے مقابلے میں کپتان براؤن کا اسی میل گھوڑے پر جانا جس کی ڈیوک آف ویلزلی بہت تعریف کرتے تھے، کچھ بھی نہیں ہے۔

علی التذکرہ یہ بھی کہہ دینا ضرور ہے کہ جسے لوگ بالعموم نہیں جانتے کہ ۵ انمبر ہندوستانی پلٹن کا لفٹنٹ پاٹنجر اپنی خواہش سے کپتان براؤن کے ساتھ اس سفر میں گیا مگر جب لوگ اس سے اچھی طرح پیش نہ آئے تو فوراً بغیر ٹھہرے ہوئے واپس آیا۔ زیادہ تکان سے بخار آگیا۔ جس سے اُس ہونہار نوجوان افسر کا رشتۂ حیات منقطع ہوگیا۔ یہی کیفیت والنیٹروں کی ہوا کرتی تھی[ل] پس اس بارے میں اگر کوئی شخص بنگال کے سپاہیوں سے اتفاق کرے جو کسی ایسے کام کے کرنے کے لئے جب جانے لگتے ہیں اُن کے مذاق کے موافق نہیں ہوتا اور اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تم والنٹیر ہو اور وہ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہم بلم ٹیر ہیں ۔ لیکن خوشی سے نہیں جاتے تو اُس شخص کو معذور رکھنا چاہیئے۔

اسیران معرکہ گنڈوا

گنڈوا میں جو معرکہ ہوا اس میں بیان کیا گیا ہے کہ تین سو بروہی مارے گئے اور ایک سو تینتیس گرفتار ہوئے جن میں ایک مشہور سردار بابر خاں اور اُس کا بیٹا مراد خاں طہری قبیلے کے تھے ۔ یہ قیدی بکر کے قلعہ میں رکھے گئے ۔ اور بعد کو انھیں اپنے لوگوں سے خط و کتابت رکھنے اور تحائف لینے کی اجازت دی گئی ۔جب میں نیپئر کے اس سخت اور بدنما لونڈے کو دیکھتا تھا تو مجھے اس وقت خیال آتا کہ محبت بھی خوب شے ہے ۔ جو ان قیدیوں کو ہمارے قلعہ میں اُن کی محبت کرنے والی معشوقائیں اور بیویاں بھیجتی تھیں ۔ سوائے محبت صادق اور واثق کے اور کون شے کسی کو ایسے ثقیل پتھروں کو کھانے پر راغب کرسکتی ہے ۔

یہ نہایت ضروری سمجھا گیا تھا کہ ان قیدیوں کے پاس جس قدر خطوط آئیں وہ

[ل] انگریزی میں والنٹیر خوشی سے جانے والے کو کہتے ہیں ۔ ۱۲۔ المترجم۔

سب پڑھ لئے جائیں اور یہ میرا ہفتہ وار کام ہوا۔ ایسی مشق کے بعد مجھے بروہیوں کی خط وکتابت کی نسبت رائے زنی کا حق حاصل ہے اور سچ یہ ہے کہ وہ بالکل سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ خطوں میں بالعموم نانی دادی سے لے کر نواسی تک کی خیر وعافیت لکھی ہوتی تھی اور بعد سلام کے یہی لکھا ہوتا تھا کہ نقد زیادہ نہ ہونے کے باعث ہم لوگ بجز پنیر یا شیرینی یا خشک میوے کے اور کچھ روانہ نہیں کر سکتے۔ بروہیوں کا خاص کر شاہی خاندان والوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ حلب سے آئے تھے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہ بلوچیوں اور افغانوں سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔ وہ زیادہ پستہ قد زیادہ سیہ فام اور بدصورت بہ نسبت اُن دونوں قوموں کے ہیں اور دونوں سے ذکاوت اور فوجی دبدبہ میں کمتر ہیں۔

مقامی لوگوں کی خوشامد

چونکہ چند روز تک کام کی کثرت اس قدر زیادہ نہ تھی۔ پس مجھے شکارگاہ میں شکار کھیلنے کی کچھ فرصت ملی۔ ہندوستان کے شکاری اس کو ایک سہل الوصول نسخہ کہیں گے۔ میں ان باتوں کو زیادہ نہ جاننے کے باعث دیسیوں کے ہمراہ گیا تھا اور وہاں پہنچنے پر انھوں نے مجھے قریب اُس جگہ کے کھڑا کر دیا جہاں سے دو تنگ راستے جنگل کو گئے تھے۔ جب شکار کھلانے والے دوسری جانب سے آگے بڑھے تو ایک بڑا بھیڑیا نکل کر بھاگا مگر چونکہ اُس نے مجھے کوئی اطلاع اپنی تشریف آوری کی نہ کی تھی وہ قبل میرے فیر کرنے کے نکل گیا۔ اس کے بعد ایک موٹا سور جو نیشکر کھا کھا کر پلا تھا، نکلا۔ اس مرتبہ میں اچھا رہا اور گولی اُس کے سر میں لگی اس پر بھی وہ کچھ دور بھاگ کر گرا۔ دیسی لوگ بھی ویسے ہی خوشامدی ہوتے ہیں جس طرح انگلستان میں امرا کے شکار کھلانے والے۔ جونہی آپ نے فیر کی وہ چلانے لگتے ہیں کہ "لگا لگا" خواہ گولی کہیں بڑے درخت یا دریا کے کرارے میں جا کر گھس گئی ہو۔ شکارپور کے قریب شیر شاذہی نظر آتے ہیں۔ گو کہ بردکھا کے جنگلوں میں

شمال کی جانب افراط سے ہیں۔

شیر کا شکار ان اطراف میں کیپٹن ہل نے جو انجنیری صیغہ کے ایک مشہور شکاری اور بہادر سپاہی تھے۔ ایک شیر کی خبر پائی اور ایک دوسرے افسر کے ساتھ اُس کے تعاقب میں گئے۔ پہلے اُن لوگوں نے اُس کا مقابلہ مردانہ وار کرنے کا معاہدہ کیا تھا جس کی ایسے مشہور شیر مارنے والے کے لئے جیسا کہ ہل تھا چنداں ضرورت نہ تھی۔ مگر جب وہ بہت گھنے جنگل میں گئے تو انھیں سانس لینے کی ایک بلند اور بھیانک آواز سُنائی دی۔ جیسے کوئی دیو دم کھینچ رہا ہو۔ اس آواز سے جو شیر کے نزدیک ہونے کی علامت تھی۔ ہل تو اور تیز قدم بڑھانے لگا مگر اُس کے ہمراہی کی صورت سے آثار افسوس اور تذبذب کے نمایاں ہوئے۔ ہل نے جُھک کر اور جھاڑی کو بندوق سے ہٹا کر ایک بہت بڑا شیر تھوڑے ہی فاصلے پر دیکھا جس کے غرانے اور دم پٹکنے سے معلوم ہوتا تھا کہ خشمگیں ہو رہا ہے۔ ہل نے کہا: کہ "اب پی! تم اپنے فیر روکے رہو اور میں پہلے اُس پر وار کرتا ہوں" مگر اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ پی نے اپنے فیر دوسرے دن کے لئے روک رکھے تھے۔ اور کچھ منٹ سے سخت کوشش جو پہلے سننے میں بھی نہ آئی تھی اس امر کی کر رہا تھا کہ جہاں تک اور معرکے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہو جائے بہتر ہے۔ ایسے وقت میں کاندھی دینے سے چند ہی لوگ ہوں گے جو متردد نہ ہوں مگر ہل کے حواس فولاد کے بنے تھے اُس پر اس کے الگ ہو جانے سے کچھ اثر نہ ہوا۔ اُس نے بخوبی نشانہ لے کر بندوق داغی اور شیر کو زخمی کیا جو اُس کے سر پر جست کر کے جنگل میں چلا گیا۔ چند روز کے بعد علی مراد نے اس زخمی شیر کا سراغ لگایا اور اُسے مارا مگر شیر نے بھی کئی شکار کھلانے والوں کو زخمی کیا اور ایک کو مار ڈالا۔

شکارپور کا گرد و غبار ہم لوگ اکثر اپنے گھوڑوں کو جو مٹریوں کے پیچھے چکر دیا کرتے تھے۔ جو شکارپور میں بہت تھے اور جن کو ہم لوگ تازہ کتوں سے شکار کراتے

تھے ۔ ایک دن میں باہر گیا ہوا تھا کہ ایک تکلیف دہ حادثہ واقع ہوا۔ یہاں خاک اس قدر زیادہ ہے کہ چند ہی قدموں سے ایسا غبار اٹھتا ہے جس میں ایک چھوٹی فوج چھپ جائے ۔ کرۂ ہوا کے اس غبار آلودہ حالت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو افسر جو زور سے گھوڑے دوڑا آتے تھے آپس میں ٹکرکھا گئے جس طرح قدیم نمائشی جنگ آزماؤں میں لوگ ایک دوسرے کو گھوڑے سے گرا دیا کرتے تھے ویسا ہی یہاں بھی ہوا کہ سوار اور گھوڑے ہر دو گرے ۔ دونوں سواروں کو چوٹ آئی اور ایک کی تو جان پر آ بنی ۔ اُسے اس قدر صحت حاصل ہو گئی کہ کھانا کھا سکتا تھا لیکن اُس کا طریقہ عجیب قسم کا تھا اور تھوڑی سی شراب سے وہ جامہ سے باہر ہو جاتا تھا ۔ اُسے خزانہ لے کر سکھر جانے کا حکم ہوا۔ راستہ میں اس نے ایک غریب لکڑ ہارے کو گرفتار کرکے میرے پاس دست و پابستہ ایک خط کے ساتھ بھیج دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ وہ مشہور ڈاکو دینو ہے ۔ دو دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سکھر میں پاگل ہو کر مر گیا ۔ اُس کی بیماری گھوڑے پر سے گرنے کے صدمے سے ہوئی تھی ۔

باب ۱۱

معرکہ سیبی

روسی قیدیوں کی رہائی

دریائے سندھ کی جنگ سے انگریزی سلطنت مشرق میں اس قدر وسیع ملکوں پر پھیل گئی تھی کہ اس کا انتظام ہمارے زیر حکومت مستقل طور پر کرنا اور انھیں ہندوستان کے ساتھ مضبوطی سے نتھی کر دینا ایسا کام تھا جس کے لئے نصف صدی تک ہمارے لایق سے لایق مدبروں اور جرنیلوں کی مستعدی درکار تھی۔ ہماری قوت نے جو لارڈ لیک کے زمانے سے مثل کسی ایسی بڑی مورت کے ساکت رہ چکی تھی جو خود اپنی جسامت سے وزنی ہو رہی ہو۔ یکایک ایک قدم ایسا بڑھایا جس نے ہم کو وسط ایشیا میں پہنچا دیا۔ کابل جس کی دلیل غلط ہوا کرتی تھی اس بارے میں خواہ جو کچھ کہے مگر یہ ایک فخر کا کام تھا کہ ایک انگریز ادنیٰ عہدہ دار نے اُن روسی قیدیوں کو رہائی دلوائی جنھیں ایک روسی فوج نہ چھڑا سکی تھی اور ہمارے ایجنٹوں کی قدر و عزت ہرات، بخارا، کوکن اور خوارزم میں ہوئی اور اگر ہماری سرحد تین بڑی سلطنتوں چین، روس اور ٹرکی کی ہم سرحد نہ ہوئی تو عام طور پر لوگ اُس کا باعث تحمل سمجھتے تھے نہ یہ کہ ہم میں قوت اس کے بڑھانے کی نہ تھی۔

ہم اس عروج کے درجہ سے اس لئے نیچے نہ گرے کہ اپنے نو مفتوحہ ملکوں کو توسیع دینا مشکل کام تھا یا یہ کہ مفسد فرقے جو اپنی ہی قوم کے بادشاہ کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ غیر ملکوں کے لوگوں کے مطیع ہونے کے اور ہی کم خواہشمند تھے یا یہ کہ سردی و گرمی نے اُس جھگڑے میں شرکت کرکے ہم کو کئی کڑی ضربیں رسید کیں اور ہمارے سخت جلد اور دبیز کھوپڑی والے دشمن پر رعایت کی بلکہ اس باعث سے کہ ہمارے خاص خاص لوگ جو دریائے سندھ کے آگے تھے وہ نالائق تھے۔ ۱۸۴۲ء کے اختتام پر جس وقت کہ ہماری شکستوں سے جو مری پہاڑیوں پر ہوئیں اور شال اور تلات کے بلوؤں سے یہ بخوبی واضح ہو چکا تھا کہ ہم لوگ ایک پوشیدہ آگ پر چل رہے ہیں اور ہمارے خاص خاص پولٹیکل افسر حقی الوسع اُس باریک تہہ کو دور کر رہے تھے۔ جس نے ہم کو اُس آتشیں مادہ سے علیحدہ کر رکھا تھا۔

بی برگ، بجبر اور دوسرے سرداروں کی رہائی

ہمارا سفیر متعینہ کابل اپنے موقع و محل سے مطمئن نہ ہوکر ہرات کے فتح کرنے پر مائل تھا حالانکہ اُس کا موقع یہ تھا کہ وہ قندھار یا غزنی میں شاہ شجاع کے عہد حکومت میں لوٹ آتا۔ ایک تو اُس فوج کا جو اس نئے جواہر کو کابل کے تاج میں جڑ دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا اور دوسرے اس بارے میں شک باقی رہا کہ آیا لاہور کو پہلے لینا چاہئے یا ہرات کو ہمارا سفیر ایک فارسی تمثیل کے مطابق ایک بڑا تربوز دونوں ہاتھوں سے لئے ہوئے تھا مگر پھر بھی اُس کے منہ میں دوسرے تربوز کے لئے پانی بھر آتا تھا، بلکہ تیسرے کے لئے بھی جو دوسرے سے بھی بڑا تھا جس سے وہ ابھی گھبرا رہا تھا۔ لیکن تقدیر نے ان غلط ارادوں کو پورا نہ ہونے دیا۔ اور ہم کو ایسی مصیبت سے بچایا۔ جو اُس سے بھی بڑھ کر تھی جس کا خاتمہ ۱۸۴۱ء کے بعد ہوا کیونکہ اگر سکھ دربار سے پھوٹ ہوگئی ہوتی تو ہماری تکلیفات کا خاتمہ کہاں ہوتا۔ مگر مجھے کابل یا مجنونانہ تجویزوں سے جو وہاں ہو رہی تھیں کوئی غرض نہیں ہے۔

مجھے شمالی سندھ سے کام ہے جہاں مساوی درجہ کی حماقت اور بدانتظامی ہوئی تھی اور وہی تخم بویا جاچکا تھا۔ اور چونکہ مدد قریب تھی اور مثل خیبر کے اس کی روک دروازہ اور قفل کے باعث نہ تھی ورنہ ہم لوگوں کو وہی ثمرہ حاصل ہوتا۔ بی برگ بجبر اور دوسرے سرداروں کو تنگ کرکے جانی دشمن بنا لینے کے بعد ہم لوگوں نے ایک مہمل صلح اُن کے ساتھ کی اور اُنھیں رہا کر دیا۔

اس وقت بہ ترین مصلحت خیال کیا گیا کہ شاہ نواز کے نکال دیئے جانے اور لوٹے کے مارڈالے جانے کی جانب سے چشم پوشی کی جائے اور پُرانے دشمن محراب خاں کے بیٹے سے صلح کر لی جائے۔ اس مجوزہ تدبیر کو مجھ سے بطور راز نہانی کے کہا گیا۔ ہرچند کہ ہر شخص بیک نگاہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کے سوا دوسری سبیل نہ تھی۔ رہے شمالی سندھ کے امیر۔ اُن کو بہت کم حوصلہ مقابلہ کا تھا اور ہم لوگوں کی آزادانہ مخالفت پہلے ہی سے اپنے ملک میں جائز رکھنے سے گویا پولیٹیکل کشتی میں خود چت ہوگئے تھے۔ اس لئے یہ قصد ہوا کہ چونکہ وہ چت ہو رہے ہیں اُنھیں ٹھوکریں رسید کی جائیں اور حسب خواہ مشکیں باندھی جائیں جو ایک عمدہ طریقہ طبیعت کی اُس برافروختگی کے دور کرنے کا ہوگا، جو اُن سے زیادہ قوی دشمنوں نے پیدا کر دی ہے۔

خیرپور کے سیاسی معاملات خیرپور کا دربار اس وقت تین حصوں میں تقسیم تھا۔ اولاً میر رستم کے بیٹے بہ استثنائے تیسرے بیٹے علی مردان کے اور نصیر خاں میر مبارک کا بیٹا اور قائم مقام سب سے زبردست اور نمبر اول کی جماعت تھی۔ جن کا عقل کل فتح محمد خاں وزیر تھا۔ دوسرے میر رستم کا سب سے چھوٹا بھائی میر مراد علی اور ان کے لواحق دوسری جماعت کے تھے۔ تیسرے میر رستم کا تیسرا بیٹا میر علی مردان جس کی امداد پر مجبت خان مُری اور کمال خان جہلا بانی[۱] اور دوسرے سردار تیسری جماعت کے لوگ تھے۔

---

[۱] اس سردار کو ہم لوگ بوڑھا انشاءاللہ کہا کرتے تھے کیونکہ جب اُس سے کسی امر کے کرنے کے لئے رباتی صفحہ پر

پولٹیکل ایجنٹ جیسا کہ کہا جا چکا ہے علی مراد کا حامی تھا۔ جس کا مشیر کار شیخ علی حسن ریذیڈنسی کے افسر عملہ تربیا سہائے کا بڑا دوست تھا اور اپنا ایک وکیل امام بخش نامی ہمارے یہاں تعینات رکھتا تھا۔

خیرپور کے دعوے دار

میر رستم کا سن علی مراد کے باپ کے برابر تھا وہ خاندان کا مقبول رئیس یا سردار تھا اور اُسی نے پہلے ہمارے سفیروں سے ملاقات کی اور ہمارے ساتھ دوستی قایم کی۔ میں اُس شخص سے جس میں ذرہ بھر بھی عقل ہو یہ پوچھتا ہوں کہ آیا ہم کو مناسب تھا کہ ایک ہی خاندان کے لوگوں کے جھگڑے کو صرف اشتعال ہی نہ دیں۔ بلکہ چھوٹے اور مفسد امیر کی حمایت بمقابلہ اُس بے نفس اور بوڑھے شخص کے کریں، جسے اُس کو مثل اپنے باپ کے سمجھنا چاہیے تھا۔ اُس بوڑھے سردار کے دل میں دو باتوں کا زیادہ خیال تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے فرزندوں میں ملک کو مساوی تقسیم کرے تاکہ اُس ابتری کی احتیاط ہو جو اُس کے مرنے کے بعد ہو سکتی تھی کیونکہ اُس کے زیادہ سن سے موت کی بھی جلد امید تھی۔ اور دوسرے اپنے بھتیجے نصیر خاں کو چند اضلاع دیئے جائیں جن پر علی مراد دعوے کرتا تھا۔

پہلی غرض کی نسبت میر رستم کو زیادہ فکر تھی اور یہ حق جس کا وہ دعوے دار تھا۔ ہر ایک انگریز کو میرے نزدیک واجب معلوم ہوگا۔ مگر ہمارے پولٹیکل ایجنٹ نے جو سکھر سے عنقریب جانے والے تھے میر رستم کی دونوں خواہشوں کو پوری نہ ہونے دیئے اور کوئی امید ان کی بر آنے کے قابل نہ چھوڑ جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ایک معاملہ اور بحث طلب تھا۔ یعنی رئیس خاندان

(بقیہ حاشیہ صد ۱۷۹) کہا جاتا تھا تو وہ دونوں آنکھیں اس زور سے بند کر لیتا تھا کہ دیکھنے والا گھبرا کر تصور کرے کہ شاید وہ اندھا تو نہ ہو جائے اور اُس وقت باواز بلند سینکڑوں بار کہتا تھا "انشاءاللہ انشاءاللہ" بدقسمتی سے وہ سوائے اس کلمہ خیر کے کہنے کے اور زیادہ کچھ کارروائی ہمارے کام کے انجام دینے کی نہ کرتا تھا۔ ۱۲

یا سردار خاص کا تعین جس کے میر رستم علی کا بیٹا اور علی مراد دونوں دعوے دار تھے۔ کوئی بات اس امر میں ملنے نہ پائی گو کہ قیاس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ کس فریق کی ہم لوگ حمایت کریں گے۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں ہم لوگوں کی دست اندازی کا کام نہ تھا۔ اور میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ علی مراد کا دعوٰی بہ لحاظ وراثت ناقص تھا کیونکہ نہ تو وہ دوسرا بھائی تھا اور نہ میر رستم کا وارث تھا۔ مناسب طریقہ اس کے طے کرنے کا یہ تھا کہ بلوچی سرداروں کے عام جلسہ میں رائے لی گئی ہوتی۔

ایک افسر کی خیرپور روانگی یہ وقت بہت مناسب اس کام کے لئے تھا کہ جرنیل اور پولٹیکل ایجنٹ دونوں سکھر سے روانہ ہوں۔ ہر شخص متعجب ہوتے ہوتے تھک گیا تھا کہ وہ لوگ جائے وقوع جنگ سے اس قدر فاصلہ پر مدت دراز تک غرق رہیں اور وہاں روزانہ دشمن کے ساتھ مغرب میں مجادلے ہوا کریں۔ قبل جانے کے میرے افسر بالا نے مجھے سکھر کا چارج لینے کے لئے طلب کیا اور ایک افسر خیرپور کو روانہ کیا جس کی وساطت سے جملہ خط و کتابت امیر سے ہوتی تھی۔ جونہی میں شکارپور سے روانہ ہو رہا تھا ایک افغان جس نے آرتھر کنوئی کے ساتھ سفر کیا تھا میری ملاقات کے لئے آیا۔ ہم لوگوں میں کچھ گفتگو کابل کے معاملات پر ہوئی۔ اس نے بیان کیا کہ وہاں رنجش جلد جلد ترقی کر رہی ہے۔ اور گو کہ وہ بذات خود ہمارا بہی خواہ تھا۔ مگر چند باتیں ہماری طرز حکومت میں ایسی تھیں جس سے وہ ناخوش تھا۔ اور باتوں میں اُس نے نہایت اصرار کے ساتھ کہا کہ "زن افغان چیزی می کند" یعنی عورتیں افغانوں کی اب باوفا نہ رہیں جس سے مجھے اس پُرانی مثل کا خیال آیا جس کے معنی یہ ہیں کہ "کابل کی عورتیں تنہا اپنی مٹی خراب نہیں کرتیں۔ بلکہ جہاں ایک سے محبت چھوٹی دوسرے سے کرتی ہیں" اُسے اپنے ملک کی عورتوں کی بدکاری سے نہایت رنج تھا اور اس غریب کی شکایت معقول بھی تھی۔

پولٹیکل ایجنٹ کا جلوس سکھر میں پہنچ کر میں نے تمام چیزوں کو نہایت ہی ابتر حالت میں پایا

چار ہزار آدمی جانے کی گھبراہٹ میں تھے۔ اونٹ بلبلا رہے تھے۔ ملازم شور وغل کرتے ہر جانب بے مصرف سرگرمی سے دوڑ رہے تھے۔ ایجنٹ کا سامان سفر ایک صوبہ دار جیسا تھا۔ کئی سو اونٹوں پر شرابیں اور ہر قسم کا ذخیرہ بافراط تھا۔ خاص خیمہ ایک بہت بڑا دو چوبوں کا شامیانہ تھا جس میں شیشہ کے دروازے تھے اور شمرو کی بیگم کا تھا۔ پانچ یا چھ اسسٹنٹ پولیٹیکل افسر سات یوروپین اور بے شمار ہندوستانی نیزہ بازوں کا تھا اس کل جلوس کا محافظ تھا۔ اگر کوئی شخص اس سامان سے جو سکھر میں چھوڑ دیا گیا اُس کا موازنہ کرے جو ساتھ گیا تو نامناسب معلوم ہوگا مگر میرے نزدیک دونوں حساب مساوی تھا۔ ایجنسی کے گودام میں اب بھی اور چیزوں کے شمول میں بارہ سو درجن بوتلیں بیر شراب کی اور ایک سو بیس درجنیں شامپین کی تھیں۔

خزانچی کے فرائض کی انجام دہی

جب یہ جلوس عظیم روانہ ہوا اور آخری ذرہ خاک کا بے دلی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ جس پر غلاظت، بوتلوں کے ٹکڑے اور ہر قسم کی خرافات پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنے کو تنہا قایم مقام ایجنٹ کے پہلی عظمت و شان کا پایا پہلے میں بڑے رعب وداب سے بیٹھا اور بہت ہی بڑا اور سردار کی طرح اپنے کو تصور کرنے لگا مگر فوراً میرے حواس اپنے ٹھکانے پر آگئے۔

ایک شخص ذلیل سیہ فام غلیظ کپڑے پہنے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ میں پچاس ہزار روپیہ اپنے دوست دھرم چند کے پاس بنارس بھیجنا چاہتا ہوں۔ اور روپیہ دکھلایا۔ کہ یہ موجود ہے میں ہاتھ سے اشارہ کرنے اور خزانچی کو بلوانے ہی والا تھا کہ مجھے یک بیک خیال آیا کہ خزانچی مع تمام نائب خزانچیوں کی پود کے چلا گیا ہے اور در اصل میں ہی خزانچی ہوں۔ ہر چند کہ پچاس ہزار روپیوں کا اپنے حساب میں لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے اور چشم زدن میں طے ہو سکتا ہے مگر دوسرے کا روپیہ لینا اور اپنے پاس رکھنا دوسری بات ہے۔ ایک شخص کا قول تھا کہ "جان لیجئے کہ جب یہ غرض ہو کہ دوسرے کا مال ہضم کر جاؤں تو میری پیٹھ اس قدر بوجھ اٹھا سکتی ہے جو حضرت نوح کی کشتی پر تھا" یہ تسکین دہ خیال اس وقت بالکل جاتا رہتا ہے۔ جب کوئی شخص

محض امین کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی ایک قسم کا ذی روح صندوق بنتا ہے۔

میرے حواس خمسہ اس وقت سپاٹ ہو رہے، جب میں نے دیکھا کہ مجھے اپنے ہاتھ پاؤں سے چل کر پچاس تھیلیاں زر نقد کی گننی ہیں۔ روپوں میں بھی چکنا ہٹ اور ناپسندیدہ نمی اُس ہندو کی چکنی انگلیوں کے باعث سے آ گئی تھی۔ کیونکہ اُس نے اُنھیں بار بار بازار میں گنا تھا۔ مشکل سے میں نے اس عمدہ کام کو ختم کیا تھا کہ مجھے یاد آئی کہ اب پارسلوں اور خطوط کو علیحدہ کرنا ہے۔ ان کے ایک درجن کے قریب بڑے بڑے پلندے تھے اور ہر ایک کو رجسٹر میں لکھا جاتا تھا۔ قسمت سے مجھے کام میں مدد مل گئی۔ ورنہ میں گھبرا جاتا جس طرح وہ بد قسمت کوسا گنوار جسے لے جانا پڑا اُس وقت گھبرا گیا۔ جب کہ اُس کے گھوڑے کی پیٹھ بوجھ سے ٹوٹ گئی تھی کہ ایک لمبا سانپ کی طرح کا پارسل اور دیا گیا جس پر بہت سے مہر فارسی سندھی اور انگریزی میں لگے تھے۔ اور اُس سے "بڑی احتیاط کے ساتھ" کورٹ مارشل جنرل کے پاس "لے جانے وغیرہ کو کہا گیا۔

کسی وقت قریب آدھی رات کے نہایت تھک کر اور سخت پریشان ہو کر میں نے نیند کی آغوش میں لیٹ کر دنیا کی تکلیفوں کو فراموش کیا تھا کہ بہت سی مخلوط بھائی آوازوں نے زور سے پکار کر جگا دیا۔ "صاحب، صاحب! ایک تاکیدی خط بڑے صاحب کے پاس سے لاٹ صاحب (یعنی گورنر جنرل) کے نام آیا ہے" اس طور پر میرے شب و روز کٹا کرتے تھے حتیٰ کہ طبیعت پانچ آدمیوں کا کام تنہا کرتے کرتے عاجز آ گئی۔ اور اس مخمصہ سے نجات حاصل کی۔

میر رستم کی غیر اطمینانی

جب ہمارے افسر اعلیٰ شمال کی جانب روانہ ہوئے تو امیروں کو امید تھی کہ کوئی افسر ایسا مقرر ہو گا جس پر اُن کو اعتبار ہو۔ یعنی خلاصۃً کہ وہ مجھے یا پاسٹنس کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ نیپئر کو وہ نہ جانتے تھے اور یہ بات عیاں تھی۔ کہ اُن کی موجودگی اُن کی طبیعت کے خلاف تھی کیونکہ کئی بار گولی کی شکل میں اُن کو فہمائش کی گئی جس نے اُنھیں اپنی کریہہ آواز سے اُن کے کان کے بہت قریب جا کر اطلاع کر دی۔ اس

ہیں شک نہیں کہ اگر امیروں کی کچھ اس میں شرکت تھی۔ تو یہ بنائے مخاصمت اُن کے خلاف تصور کی جا سکتی ہے۔ مگر کیا ہم کو یہ امور بھول جانے چاہئیں کہ صلح نامہ میں کوئی شرط اس کی نہ تھی کہ اُن کے دروازے ہی پر ایک افسر تعینات کیا جائے اور یہ کہ اگر میر رستم نے بھی گورنر جنرل سے عرض داشت کی ہوتی تو کوئی سماعت نہ ہوتی اور نیز یہ کہ جس طرح ہم لوگ دیسی سرداروں سے خط و کتابت کرنے میں اُن قواعد کو بھول جاتے ہیں جو سلاطین یوروپ کے درباروں میں برتے جاتے ہیں تو ویسے ہی اگر دوسرے ان کی پابندی نہ کریں جنھیں ہم خود نہیں لحاظ کرتے تو اُن لوگوں کو معذور رکھنا چاہیئے۔ اس وقت اُس بوڑھے امیر کو انتہا کا صدمہ پہنچ چکا تھا اور ایک ایسے شخص کو چاہتا تھا جس سے اپنا تمام درد دُکھ کہے۔

ولی محمد کی شادی میں شرکت

چنانچہ اُس نے دو ایک دن کے لئے مجھے اپنے ہاں بلایا۔ فقیر جان کے چھوٹے بھائی ولی محمد کی شادی در پیش تھی اور اُس نے درخواست کی۔ کہ میں بھی شریک ہوں۔ پس مجھے خیرپور جانے کی اجازت ملی جہاں تمام سردار بجز علی مراد کے موجود تھے۔ میں نے اُس شہر کو بشرطیکہ وہ شہر کہا جا سکے بمقابلہ شکارپور کے نہایت حقیر پایا۔ امیر کے مکانات اور اُس کا کل سامان اس قسم کا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر سرداروں کو جو اُس کے مالک تھے ان سے محروم کر دیا جائے تو ہم لوگ امیر نہ ہو جائیں گے بلکہ وہ واقعی مفلس ہو جائیں گے۔ میں ہندوستانی شادیوں کے معمولی جلسوں کو اور ناچ کی کیفیت جو مجھے فضل خاں نے دکھلائی۔ جس میں صرف معزز میزبان کی خبر بھی اور اس کی علانیہ گھبراہٹ اُس وقت کی تھی جب کہ وہ ایک ہلکے اور پُر خوف زینے پر چڑھ کر کوٹھے پر آتش بازی دکھلانے کے لئے جانے لگا، قلم انداز کرتا ہوں۔ مذکورہ بالا آتش بازیوں کی بجز گولوں کے کوئی کیفیت قابل اعادہ کے نہیں ہے۔ کیونکہ سب نکمی نکلیں اور نہ منوں قند کے کوزوں اور شربت کی جو مجھے نذر دیئے گئے اور جن سے میرے سندھی سائیس نے اپنے کو اس قدر سیراب اور مشکیزہ کی شکل بنا لیا کہ زمین پر چت ہو کر مثل مردہ یا بے بس پچھوے

کے لیٹ گیا۔ نہ میں خاص کر اُن چمکیلے پاجاموں اور کپڑوں کا ذکر کروں گا جو باریک اور مختلف رنگ کے تھے، جو مجھے اپنی زیبائش کے لئے ملے اور جو نیلام ہوکر زرِ نقد کی شکل میں کمپنی کے خزانے میں داخل ہوئے۔ نہ اس کا ذکر کرنے کے قابل ہے کہ میں نے کس طرح دو فربہ اور پھولے پھالے بنڈیلوں کو جن کی ان لوگوں نے بڑی تعریف کی تھی، ایک ایک فیر میں اپنے سندھی میزبانوں کی شکارگاہ میں سیر کرتے وقت موت کی آغوش میں سُلا دیا نہ یہ کہ کس طرح ایک بے احتیاط کاشت کار نے انگریزی بارود پر جو میں نے استعمال کی تھی نہایت مفتون ہوکر اپنی توڑے دار بندوق اس قدر زیادتی کے ساتھ بھری کہ جس کی آواز سے خود وہ اور میں سُن ہوگیا اور وہ چاروں شانے چت جھاڑی میں گر پڑا۔

میر رستم والی خیرپور

خاص قابل تحریر میر رستم کی ملاقات ہے یہ امیر باوجود ہمارے انگریزی اخبارات کے طعن وطنز کے محبت کے قابل بلکہ لایق تعظیم کے تھا۔ مانا کہ بہ نسبت ان اجنبیوں کے، جو زبردستی اُس کے ملک میں داخل ہوگئے تھے اور جنھوں نے اُس کے دوستانہ برتاؤ کا صلہ کم ظرفی اور دغا بازی کے ظلم سے کیا تھا اپنے لڑکوں اور اپنی قوم کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ تو کیا ضرور ہے کہ اس کی تشنیع کی جائے۔ وہ شخص مروت اور انسانیت سے مملو تھا۔ اور نہایت نیک، سلیم الطبع، صلح پسند، رحیم اور متحمل حد سے زیادہ تھا۔ اُس کی صورت نہایت بزرگانہ تھی۔ اور کوئی بات اس کے طرز و روش میں ایسی نہ تھی جس سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہو کہ وہ بھنگ پینے کا عادی تھا۔ اُس کے ہمراہ اُس کے لواحق رہتے تھے جن میں میر سہراب کا بھائی میر زنگی تھا جس کا سن اسّی سال سے بھی زیادہ تھا۔

میر رستم سے ملاقات

ظاہر ہے کہ جب میر رستم نے مدتوں تک سخت صدمے اٹھائے ہوں گے اُس وقت اُس نے جوش وخروش کے ساتھ اپنی شکایتیں مجھ سے کہیں اور آخر میں کہا کہ "آخر بلوچ ہستم"۔ یعنی "میں نے بہت کچھ برداشت کیا مگر اس کی حد ہو چکی اور اب میں بھی سمجھتا ہوں کہ آخر بلوچی ہوں"۔ پہلے اُس نے مجھے ایک بڑے کمرے میں

بلایا۔ جس میں اُس کے بہت سے لوگ تھے۔ یہاں معمولی مزاج پُرسی وغیرہ کی گئی جو کبھی ساڑھے تین گھنٹے" سے کم میں ختم نہیں ہوتی۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ" آپ اچھے ہیں۔ بہت اچھے، خوش وخرم، آسائش سے، راضی مطمئن، شاداں و فرحاں وغیرہ وغیرہ"۔ یہی باتیں میرے اعزا اور احباب کی نسبت دریافت ہوئیں۔ اور اس کے بعد جہاں تک اظہار تردد ہوسکا میں نے بھی اس کے ساتھ یہی نازک سوالات بخندہ پیشانی لحیم وشحیم سیاہ ڈاڑھی والے بلوچیوں سے کئے جو میرے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد چند اور باتیں دریافت کی گئیں۔ اور میں نے لوگوں کو نہایت خوش کیا۔ اُس وقت میر رستم نے اپنی نہایت عمدہ جلد قرآن کی پڑھنے کے لئے طلب کی۔ علی التذکرہ یہ خیال ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ایک بھرے ہوئے کمرے میں ہر ایک مسلمان کو دیکھے کہ استادہ ہوکر ادب وتعظیم سے اپنے مذہب کی کتاب کو سر پر رکھ لے تو اُسے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مقدس انجیلیں اس طور پر بے احتیاطی کے ساتھ ماری پھرتی ہیں۔ جو لوگ ظاہرداری کے خلاف ہیں اور گرجا میں ٹوپی[۱] پہنے رہتے ہیں اور پادری سے بڑھ کر بلند آواز میں باتیں کرتے ہیں، کہیں گے کہ یہ سب ظاہرداری ہے۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر ظاہر باطن کے بغیر بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ نہ ظاہر ہو اور نہ باطن۔

میر رستم کی شکایات

کچھ دیر کے بعد لوگ رخصت کئے گئے۔ تب میر رستم نے اپنی شکایتیں بیان کیں۔ اوّلاً بکر پر قبضہ کرلینا۔ باوجودیکہ صلح نامہ کے مطابق اُس سے معاہدہ کیا گیا تھا کہ دریائے سندھ کے ہر دو جانب کے قلعے اُس کے قبضہ میں رہیں گے۔ دوسرے وزیر کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا یعنی رزیڈنٹ نے جبر ڈال کر اُسے برخاست کردیا مگر یہ برخاستگی بجز اُن معاملات کے جن سے سرکار انگریزی کو تعلق ہوتا تھا، برائے نام تھی۔

[۱] انگریزی قاعدہ کے مطابق ٹوپی سر سے اتارنا تعظیم کرنا ہے۔ المترجم ۱۲

تیسرے ہر بات میں علی مراد کا ترجیح پانا۔ میں بہت سی خفیف شکایتوں کو چھوڑ دیتا ہوں
مثلاً درختوں کا بلا ادائے قیمت کاٹ ڈالنا اور ان قاصدوں کی گستاخی جو خیرپور میں مراسلے
لے کر آتے تھے اور سب یہی تصور کرتے تھے۔ کہ انھیں خوب روپیہ ملنا چاہیئے۔

ان شکایتوں کا میں بجز اظہار ہمدردی کے اور کیا جواب دے سکتا تھا اور تحمل کے
لئے سمجھاتا اور کہتا تھا کہ امید ہے یہ معاملے سلجھ جائیں گے۔ واپسی کے وقت فتح محمد ذیری
مع بیس یا اسی قدر سواروں کے میرے پاس آیا اور باتیں کرنا چاہا مگر ایجنٹ کا حکم ایسا
قطعی تھا کہ میں نے اُس سے ہم کلام ہونے سے انکار کیا۔

سیبی کے قلعہ پر حملہ

سکھر میں پہنچ کر میں نے حالات سیبی یعنی کجک کے قلعہ پر ناکام حملہ کرنے کے سُنے جس میں ہماری فوج تین بار متواتر پھاٹک سے
ہٹا دی گئی۔ یہ پھاٹک بالکل کُھلے ہوئے تھے مگر اُن کی حفاظت بہادر لوگ کرتے تھے
جو بات کی بات میں اُن کے اندر جانے والوں کو راہ عدم دکھاتے تھے۔ ایک گولا انداز نے
جس کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اور جس کے اس قدر خون جاری تھا کہ قریب المرگ تھا اپنی تکلیفوں
کو بھول کر اپنی آخری قوت لفٹیننٹ کرینڈ کو جو حملہ آوروں کی پیشوائی کر رہا تھا دشمن کے
موقع کی نسبت خبردار کر کے یوں ختم کی "وہ سب داہنے کو ہیں حضور داہنے جانب کو مڑیئے"۔

میرا دوست اور رشتہ دار فالکز جو گرینڈیرس کی پلٹن میں تھا اُس وقت ہلاک ہوا۔
جب وہ سپاہیوں کو جمع کرنے کی بہادرانہ کوشش کر رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں کی پیٹیاں پکڑ پکڑ
کر کھینچتا تھا کہ ایک گولی کھائی۔ کچھ لمحہ پہلے اُس کی تلوار ایک دشمن کے ہلاک کرنے
میں ٹوٹ گئی تھی۔ ہمارے ترپّن آدمی اور چار افسر کام آئے اور دشمن کے پنیتالیس
زخمی ہوئے اور ترالوے مارے گئے اور اُن کے علاوہ تین سردار مارے گئے اور
تین زخمی ہوئے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں جرنیل نے جس کے ساتھ پانچ ہزار آدمی تھے
جن میں دو پلٹنیں گوروں کی تھیں ایک ہندوستانی دستہ کو سیبی مقام پر حملہ کرنے

کو بھیج دیا تھا جس میں قلعہ دار فوج بہت عمدہ تھی ۔ بدقسمتی سے دوسرے گرینڈیرس کی لائٹ کمپنی جو پہلے حملہ کرنے کو بڑھی وہی کمپنی تھی جو بے رحمی سے نفشک میں خوب کشتہ ہوئی تھی۔

مسجد کی بے حرمتی

جو بیہودہ طبیعتیں ہم لوگوں نے خیرپور میں پیدا کر رکھی تھیں اُن کا ظہور ایک ہنگامہ میں بمقام روہڑی ہوا جس میں خونریزی ہوئی۔ میں معمولی طور پر دریا کی سیر کے لئے شام کو گیا ہوا تھا کہ سکھر کی طرف ایک بھیڑ ایجنسی کے قریب جمع ہوتی نظر آئی۔ کشتیاں بھی بے شمار روہڑی سے آرہی تھیں۔ جب وہ کشتی جس پر میں سوار تھا، قریب پہنچی تو میں نے اپنا نام لوگوں کو بآوازِ بلند لیتے ہوئے سُنا۔

کشتی سے اُترنے پر میں نے میجر کلیبرن کو مع کئی افسروں کے سوار پایا جو نہایت ہی برافروختہ اس لئے ہو رہے تھے کہ سپاہیوں کی ایک جماعت پر جو روہڑی میلہ دیکھنے گئی تھی حملہ ہوا تھا۔

برطانوی سپاہ کی پٹائی

کشتیاں سپاہیوں اور بھیڑ کے ان لوگوں کو جن میں سے کچھ زخمی تھے اور ایک سپاہی کا ہاتھ کٹ گیا تھا، واپس لا رہی تھیں۔ کلیبرن کی رائے تھی کہ توپیں فوراً لگا دی جائیں۔ اور کل شہر اُڑا دیا جائے۔ ہر شخص شور مچا رہا تھا اور مشکل سے سمجھ میں آ سکتا تھا کہ کس وجہ سے ہمارے آدمیوں پر حملہ ہوا۔ اُسی وقت ایک کشتی امیروں کی آئی۔ جس میں روہڑی کے حکام تھے اور انھوں نے بھی سماعت کی درخواست کی۔ بڑی دقت سے میں نے افسرِ اعلےٰ اور روہڑی کے حکام کو ایجنسی کے کمرے میں جا کر سہولت سے گفتگو کرنے پر راضی کیا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ سپاہی ناچنے والی عورتوں کو مسجد میں لے کر گئے۔ اور وہاں نچوایا اور جو بلوچی موجود تھے ۔ اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ یہاں سے تم لوگ چلے جاؤ اور ہماری عبادت گاہ کی توہین مت کرو۔ اس کا سخت جواب دیا گیا جس پر

دھینگا مشتی ہوئی۔ اور چونکہ سندھی ہمارے سپاہیوں سے زیادہ مسلح تھے اُن لوگوں کی جیت ہوئی۔ اور انھوں نے کشتی تک سپاہیوں کا تعاقب کیا۔

میں نے کلینبرن سے کہا کہ یہ معاملہ مجسٹریٹ کے قابل ہے اور اس کے لئے ضرور نہیں ہے کہ توپ اور بندوق سے فیصل ہو اور آخرکار شوروغل کے فرو کرنے میں کامیاب ہوا جب دونوں جانب کے گواہوں کے بیانات گورنمنٹ کے پاس روانہ کئے گئے۔ تو یہ فیصلہ ہوا۔ کہ سپاہیوں کا قصور تھا۔ کیونکہ اُنھوں نے اشتعال پہلے دیا اور اس طور پر یہ معاملہ بغیر سکھر کی بربادی کے طے پایا۔

جنرل ونچیورا کا ایجنسی میں قیام

منجملہ بہت سے مہمانوں کے جو اس وقت ایجنسی میں ٹھہرتے تھے جنرل ونچیورا تھے۔ جو چند روز میرے یہاں ٹھہرے۔ اُن کی ڈاڑھی سیاہ، لمبی اور بالکل مشرقی طرز کی تھی۔ یعنی وہ مختصر سی پھیکی کھچڑی ہوئی زردی مائل بکروں جیسی ڈاڑھی نہیں۔ جو بعض لوگوں کی ٹھوڑیوں پر نظر آتی ہے۔ ڈاڑھیاں بھی ویسی ہی مختلف قماش کی ہوتی ہیں۔ جس طرح لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ شکارپور میں مجھ سے اور ایک افغان سے ملاقات ہوئی۔ جو اوسط اندام تھا۔ مگر اُس کی ریش مبارک اس قدر لمبی تھی کہ وہ اُس کے قدموں تک پہنچتی تھی مگر اُس کا ایک جانب ایک دشمن کے مقابلے میں بہت کچھ کم ہوگیا تھا جس نے اس مسطول حصے کو ہاتھ میں لپیٹ کر ڈاڑھی والے کو گھوڑے سے نیچے کھینچ لیا اور اُسے مع ڈاڑھی کے ہلاک کر ڈالا ہوتا کہ ایک دوست کے نیزے نے اُس کا کام تمام کیا۔

مسلمانوں میں دوسرے کی داڑھی پر ہاتھ لگانا سخت توہین کرنا ہے مگر دادخواہ عورتیں ہمیشہ داڑھی پکڑ لیا کرتی ہیں۔ اور اُنھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ملائم انگلیوں سے اُن کی گرفت کرنا ہمدردی کے خیالات پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ

نسبت اصل شخص کے ہے۔ میں نے دیکھا کہ جنرل ونچورا کو افغانستان کی لڑائی کے متعلق تمام حالات سے واقفیت ہے اور نیز وہ جملہ ریاستوں کے حالات کو جانتا ہے جو دریائے سندھ کے کناروں پر واقع ہیں۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میری تنخواہ چار ہزار ایک سو روپیہ ماہوار لاہور کے دربار کے ذریعہ سے بھیج دیا کرو اور اُس نے اپنے اخبار نویس کو اجازت دی کہ اپنے اخبارات میری وساطت سے روانہ کیا کرے۔

فارسی اخبار

اس طور پر مجھے ہر تیسرے دن ایک قسم کا فارسی اخبار ملا کرتا تھا جس میں بعوض اس کے کہ آج حضور ملکۂ معظمہ ٹٹو کے فٹن میں سوار ہو کر تشریف فرما ہوئیں۔ یا ہز رائل ہائنس پرنس البرٹ نے کل تازے کتوں سے شکار کیا۔ ایسی خبریں پڑھنے میں آتی تھیں کہ مہاراج پنجاب ہاتھی پر سوار ہو کر ہوا کھانے نکلے اور دو گھنٹے ڈائمنڈ گارڈن میں رہے اور ہزاروں اسی کی قسم کے واقعات ہوتے تھے۔ غرض کہ بادشاہ چاہے مغرب میں ہو یا مشرق میں اپنے لوگوں کی باریک بینی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ گاہ بے گاہ کوئی خبر ان سے زیادہ ضروری آجاتی تھی۔

ملازموں کی بے ایمانی

سب سے زیادہ تکلیف دہ کام منجملہ اور کاموں کے جو پولیٹکل افسروں کو کرنا پڑتا ہے جن سے ہر قسم کی خدمات لی جاتی ہیں۔ فوج کے فراریوں کی گرفتاری اور ان کا تجسس کرنا تھا۔ چونکہ اس وقت ایک فوج کثیر میدان جنگ میں تھی۔ اس لئے یہ خدمت بے انتہا بڑھ گئی تھی۔ ساربان کے گروہ کے گروہ، باورچی، آب دار اور کہار بھاگ جاتے تھے اور یہ نہیں کہ صرف خالی ہاتھ بلکہ بالکل صفائی کر کے چل دیتے تھے۔

ایک دن ایک خوش رو لڑکا میرے پاس نوکری کرنے کے لئے آیا۔ میرے لئے چار ہرکاروں کی منظوری تھی جن میں سے ایک کی جگہ خالی تھی۔ میں نہایت خوش ہوا کہ

ایسے شخص کو اُس جگہ پر مقرر کرلوں گا چنانچہ میں نے اُسے فوراً مقرر کردیا۔ دو دن تک وہ بخوبی کام کرتا رہا مگر تیسرے دن آکر اُس نے استعفا دینا چاہا۔ میں نے وجہ پوچھی اُس نے بیان کیا کہ "میں بیمار ہوں اور میرا بھائی مرگیا ہے۔ اس لئے میرا گھر جانا ضروری ہے"۔ اور بھی بہت سی وجہیں بیان کردیں چنانچہ اُس نے اپنی چپڑاس حوالے کی اور اس تیزی سے چلتا ہوا کہ مجھے اُس کی نسبت شک گذرا۔ مگر یہ کبھی نہیں سننے میں آیا کہ کوئی شے گم ہوگئی ہے اور کوئی وجہ اُس کے روکنے کی بھی نہ تھی۔ کئی دن تک اُس کا یکایک چلا جانا رازِ سربستہ رہا۔ آخرکار ایک گروہ ایک بے قاعدہ رسالہ کے سواروں کا آیا اور افسر نے مجھ سے گفتگو کرنا چاہی۔ اُس نے دریافت کیا کہ کوئی شخص غلام خان نامی ایجنسی میں آیا تھا یا نہیں۔ جو حلیہ اُس نے بیان کیا اُس سے مجھے کوئی شک باقی نہ رہا کہ وہ میرے مفرور ہرکارے کا نام ہے۔ میں نے پوچھا کہ "تم لوگ کیوں اُس کی جستجو میں ہو"۔ اُس نے کہا کہ "اُس کی سپردگی میں ہم لوگوں کی تنخواہ تھی اور وہ لے کر روپوش ہوگیا"۔

رشوت ستانی: کسی کو خیال ہوسکتا ہے کہ دریائے سندھ سے جس کا پاٹ بڑا اور پانی توڑ کا تھا۔ ایسے وقوعوں کی روک ہوتی ہوگی۔ مگر دس دس کوس پر کشتیاں پار اُترنے کی تھیں اور ان مقامات پر نگرانی نہ ہوسکتی تھی۔ جو لوگ پاس دیکھنے کے لئے تعینات تھے وہ رشوت لے لیا کرتے تھے اور صرف خطاواروں ہی کو بے روک ٹوک نکل نہ جانے دیتے تھے بلکہ بے خطاؤں سے رشوت لیتے تھے۔ ہندوستان بھی مثل ایران اور ٹرکی کے رشوتوں کا ملک ہے۔ رشوت ستانی سلسلہ بہ سلسلہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک جاری ہے حتیٰ کہ وہ یوروپین حکام پر پہنچ کر ختم ہوجاتی ہے مگر افسوس کہ یہ ہمیشہ نہیں ہوتا جب کہ حال کے کئی قابلِ تاسف معاملوں سے ثابت ہوچکا ہے۔

تاہم کون اُس تبدیلی پر متعجب نہیں ہوتا جو اُس وقت سے ہوئی ہے جب کہ کمسریٹ کے حکام ایک یا دو سال تک اپنے عہدے پر رہنے کے بعد لندن کے مال دار لوگوں کے طبقہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور اپنے سابق مالکوں کو اپنے ساز و سامان سے حیرت میں ڈالتے تھے۔ کچھ یہ امر پاس کے جانچنے والوں ہی پر موقوف نہ تھا کہ اُن کی رپورٹ پر یقین نہ ہو سکتا تھا بلکہ دیسی عہدہ داروں میں میرے نزدیک کوئی ایسا نہ تھا جس کے بیان کو صادق تصور کرسکیں۔

بلوچی قوم کی راست بازی

ہندوستان کے باشندوں کی نسبت بہت کچھ مخالف و موافق کہا جا چکا ہے۔ مگر شاید یہ معاملہ عمدہ طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جہاں احسان اور پاس و لحاظ کا دخل ہوتا ہے وہاں تو کسی ہندوستانی کی بات کا حد درجہ کا اختیار کیا جا سکتا ہے اور اور حالتوں میں صداقت کے خلاف امید کی جا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف بلوچی راست باز ہیں کیونکہ وہ اس قدر بہادر اور باہمت ہیں کہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتے۔

ایک ایرانی قیدی کی رہائی

جس زمانے میں مری پہاڑیوں میں ہم کو شکست ہوئی۔ ہمارے ہاں سکھر میں ایک ایرانی قید تھا۔ وہ قریب پانچ فٹ تین انچ کے اونچا ہاتھ پاؤں چھوٹے۔ لاغر اندام اور بالکل ذلیل الحیثیت جانور تھا۔ جب اُسے اُس واقعہ کا حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے ایک پولیٹکل افسر سے ہم کلام ہوکر کہا۔ "حضرت! سنئے کہ میں موجود ہوں مجھے پہاڑیوں میں بھیج دیجئے اور بلوچیوں سے میری روانگی ظاہر نہ کیجئے ورنہ وہ ٹھہر نہ سکیں گے اور میرے ساتھ چند سوار کردیجئے پھر دیکھئے کہ یہ ہاتھ وہاں کیا کرتے ہیں"۔ اس بہادر پستہ قد شخص نے جب قریب رہائی کے تھا اپنے ہر ایک محافظ سے ملاقات کی۔ اُس نے مجھ سے کچھ اس طور پر گفتگو کی تھی "آغائے جان آپ ہزار سال زندہ رہیں اور آپ کے رحم اور عنایت کا دریا جو میرے گرد بہہ رہا ہے

سمندر بن کر خدا کی جانب سے آپ کے پاس آئے۔" پھر کمرے کے چار طرف حسرت آلودہ نگاہوں سے دیکھکر کہا کہ " میں بغیر آپ کی عنایت کے کوئی نشانی لیئے ہوئے نہیں جاسکتا جسے میں اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

اُس نے پہلے سب سے زیادہ قیمتی اشیا سے ابتدا کی اور جس چیز کو دیکھا اُسے یکے بعد دیگرے مانگتا گیا اور میرے انکار کو (کیونکہ میں دھوکا نہ کھا سکتا تھا) نہایت انکسار سے برداشت کرتا گیا آخر کار اُس نے ایک انگریزی سفوف کی ڈبیہ اور پیٹی پر دانت لگایا۔ اُس کے لینے کا اُس نے پکا ارادہ کرلیا تھا۔ چنانچہ اُس نے منت و سماجت و خوشامد در آمد سب کچھ کی مگر بندے نے ذرا بھی خیال نہ کیا۔ آخرالامر جب اُس نے دیکھا کہ ناکام رہا تو سخت غصہ ہوکر ایسی صلواتیں سنانی شروع کیں کہ مجھے اس کے جلد رخصت کرنے کے لئے اُن سپاہیوں کو اشارہ کرنا پڑا جو موجود رہتے تھے۔

دریائے سندھ

جب موسم گرما قریب آنے لگا۔ تو دریائے سندھ جو نہروں اور جھیلوں سے سمٹ کر کئی مہینوں سے اپنے پیٹے کے اندر ہورہا تھا بڑھنے لگا اگر یہ بڑا دریا نہ ہوتا تو سندھ سے بڑھکر خوفناک ویرانہ کا خیال کرنا ناممکن تھا۔ اُس دریا کو اگر صنعت ذرا مدد دے تو وہ تمام ملک میں جو درمیان گجرات اور ہالہ پہاڑوں کے ہے، شادابی اور سبزہ پھیلا سکتا ہے۔ مثلاً اس کی کافی علامتیں موجود ہیں کہ فلاں جگہ اگر خاص چشمہ نہیں تو ایک بڑا چشمہ کسی زمانے میں کسی قدر الور کے مشرق میں درمیان سندھ اور راج پوتانہ کے خلیج کچھ میں بہتا تھا اُس وقت بہ عوض دریا کے جو اس وقت ان دونوں ملکوں کے درمیان حد حاصل ہو رہا ہے ایک زرخیز ضلع تھا جس میں ہر قسم کے اناج کے لمبے لمبے پودے ہوتے تھے۔ یہ ابھی لوگوں کو یاد ہے کہ آخری باقی ماندہ حصہ اُس بڑے دریا کا کسی قدر بذریعہ زلزلہ کے اور کچھ انسان کے ہاتھوں سے بند کردیا گیا۔

ہماری سرکار اور کونسا سلوک سندھ پر اس سے بڑھ کر کرسکتی ہے کہ شادابی کے اس وسیلہ کو از سر نو قائم کردے اور اس میں کچھ زیادہ صرف بھی نہیں ہے۔ ہر سال ثابت کرتا جاتا ہے کہ دریا کس آسانی سے اپنا راستہ بدلتا ہے۔ امیروں نے بہتیری حالتوں میں تھوڑے سے میں وہ بات پیدا کی ہے جس کے لئے اب زیادہ ہونا درکار ہے اور دیکھا جائے تو اُن کے خفیف کاموں کا مجموعہ اس بڑے کام سے بڑھ جائے گا۔

چین کی نہروں کا نظام چین میں ایسے عہدہ دار ہیں جن کا یہی کام ہے کہ نہروں کی نگرانی کریں اور اُن کی تعداد اور وسعت کو ترقی دیں۔ ایسی ہی نگرانی نہروں کی سندھ میں بھی درکار ہے جوں جوں ہر ایک نئی نہر سے ایک ایک ضلع ریگستان سے علیحدہ ہوتا جائے گا اصل دریا کی جہازرانی بڑھ جائے گی۔ اس وقت جو مقداً پانی کے نکاس کے قابل ہے وہ اس قدر زیادہ ہے کہ گہری نہروں میں کوئی کشتی بہاؤ کے زور کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی اور جہاں کنارے نیچے ہیں دریا پھیل کر جھیل کی قطع بن جاتا ہے۔ جہاں کشتی کے چلنے کے قابل مشکل ہی سے کوئی چشمہ نظر آتا ہے یا اگر ہوتا بھی ہے تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایران کے بادشاہ کی فوج ایک مہینے کے اندر بہت سی ایسی شاخیں زور و شور کے دریا سے نکال سکتی ہے کہ انھیں انسان عبور کرسکے اور گھٹنا تک تر نہ ہوئے۔ تو بہت برسوں کے اندر تھوڑے سے خرچ میں رعایا کی اعانت سے جو اُن سے معقول درجہ تک بلا اُجرت لی جا سکتی ہے کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔

دریائے سندھ کی مچھلیاں جب دریا کو بڑھتے ہوئے دیکھتا تھا تو اس طور پر میں سوچا کرتا تھا کہ سندھ کے لئے کیا ہو سکتا ہے اور کیا کسی زمانۂ آئندہ

لہ بھلا کون اس لچر وجہ کو یقین کرے گا جو اس کے بنانے کی دی گئی ہے۔ کیا یہ زیادہ قرین قیاس نہیں ہے کہ اُس کی اصل غرض یہ تھی کہ جہاں پانی کمیاب تھا ذریعۂ کاشت حاصل ہو۔ ۱۲

میں ہوگا۔ ایجنسی دریا کے اس قدر قریب بنی تھی۔ کہ انسان کھڑکی پر بیٹھ کر مچھلیاں پکڑ سکتا تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں نے کوئی عمدہ مچھلی پکڑی۔ عام طور کی مچھلیاں وہ تھیں جنھیں ہم لوگ بلیاں کہتے تھے۔ کیونکہ پکڑنے پر وہ ایک قسم کا شور بلی کے بچوں کی آواز کی طرح کرتی تھیں اور کھانے کے بہت قابل نہ ہوتی تھیں۔ جوں جوں دریا کے قریب کے سوراخ اور دریا بھرتا جاتا تھا۔ بعض ناقص کیڑے ہم لوگوں کے مکانات میں رینگ کر آجاتے تھے۔ بچھوؤں اور کنکھجوروں کی قسموں میں ایک ایسا کیڑا آیا جسے میرا باورچی اور اس کے ہمراہی دیکھکر بہت گھبرائے دن کے کھانے کے وقت ایک دن میرے باورچی خانے میں لوگوں نے شور مچانا شروع کیا اور اس کے بعد میرا خانساماں جعفر آکر کہنے لگا کہ آپ بندوق لے چلیں اور ایک بڑے کالے سانپ کو دیکھا جو سات یا آٹھ فٹ لمبا اور انسان کے ہاتھ کے برابر موٹا نیچے چھت کے شہتیروں میں ایک طور پر کلیل کر رہا تھا۔ گویا کھانے سے دل لگی کر رہا ہو۔ یہ ٹھیک اس مقام پر تھا جس کے نیچے ملازم کھانا کھایا کرتے تھے۔ میں نے فوراً دونوں نالیں بندوق کی اس جانور کے پیٹ پر جھونک دیں، جس سے وہ دو ٹکڑے ہوگیا اور زیادہ کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ایک موٹا چوہا جسے اس نے زہر مار کیا تھا اس کے پیٹ سے نیچے گر پڑا۔

صمد خاں افغان کے تاثرات

جنرل ڈیجیورا کے بعد میرے پاس دوسرا شخص جو آیا وہ صمد خاں افغان تھا، وہ کپتان ریباٹ کے ساتھ خوارزم سے سینٹ پیٹرس برگ گیا تھا۔ اور وہاں سے انگلستان۔ اپنی قوم کا وہ ایک ہی شخص ہے جو انگلستان گیا اور وہ اپنی قوم والوں کو ان تمام عجائب و غرائب کا حال جنھیں وہ دیکھ کر آیا تھا۔ سنا کر متعجب کرنے والا تھا۔ وہ ایک پستہ قد ظاہر خشک مزاج بوڑھا شخص تھا۔ اور کوئی زیادہ استحقاق خوبصورت

تصور کیے جانے کا نہ رکھتا تھا مگر اُس نے کہا کہ انگلستان میں مجھے سخت ترغیب ہوئی تھی ۔ اس کا بیان تھا کہ انگریز لیڈیاں فرشتہ کو بھی تسخیر کرسکتی ہیں تو انسان کی کیا اصل ہے ۔ مگر اُس نے نہایت سنجیدگی سے مجھ کو اطمینان کرایا کہ مغرب کی حوروں نے جس قدر اپنے نازو کرشموں سے اُس پر حملہ کیا اُس نے سب کو روکا۔

میں نے اُس سے پوچھا کہ جس قدر چیزیں دیکھیں اُن میں کون قابلِ دید تھیں ۔ اُس نے بیان کیا کہ شہنشاہ روس جس کا ثانی جوان رعنا دیکھنے میں نہ آیا وہی اصل بادشاہ ہے اور سب کچھ نہیں ہیں ۔ اپنے سفر میں جو کچھ کیفیتیں اُس نے دیکھی تھیں ۔ اُن کا بیان کرنے کے بعد اُس غریب نے اپنی مصیبت کا ذکر کیا جو اس درمیان میں اُس پر گذری تھی ۔ اُس کے لڑکے باپ کے ہرات میں تھے اور وہاں کے حاکم یار محمد خاں نے اُنھیں ازبگوں کے ہاتھ بطور غلاموں کے فروخت کرڈالا تھا ۔ اُس کا قول تھا کہ جب تک وہ نہ ملیں گے اُن کی تلاش کرنے سے باز نہ آئے گا ۔ مجھے یہ خیال آیا کہ جہاں یار محمد خاں نے عیال واطفال کو بیع کردیا ہے وہاں باوا کو بھی سستا بیچ ڈالے گا۔

جب موسم گرما زوروں پر پہنچا تو میری تندرستی میں متواتر بخار آنے سے فرق آگیا ۔ مجھے سندھی پھوڑے سے جو پیر میں تھا تکلیف ہو چکی تھی ۔ چھ ہفتہ تک میں چلنے پھرنے سے معذور تھا اور زخم ہڈیوں تک پہنچ گیا تھا ۔ ایک ڈاکٹر نے کیلو میل میرے پیروں میں مل دیا تھا اور خواہ وہ اُس وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بہت سوج گئے تھے ۔

سندھ میں میرے قیام کا تیسرا سال شروع ہو گیا تھا جو لوگ اُس وقت اُس ملک میں داخل ہوئے تھے جب میں آیا تھا اُن میں سے صرف چند ہی شخص رہ گئے بعض مرگئے تھے اور کچھ بیمار ہو کر رخصت پر تھے ۔ وہاں کی آب وہوا کے ناقص

ہونے کی کیفیت خاص کر تازہ واردوں کے لئے دجو کسی قدر عرصہ تک خیموں میں
مجبوراً رہنے کی باعث تھی ، اسی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ اصلی پولٹیکل افسروں
کا اسٹاف سندھ اور شال میں جو تھا اُس میں سترہ افسر تھے ۔ ان میں سے
دس مر گئے تھے چار کو بوجہ بیمار رہنے کے پنشن لینی پڑی تھی ۔ اور صرف تین ہندوستان
میں رہ گئے تھے ۔

میرے افسر بالا واقف تھے کہ میری تندرستی زائل ہوتی جاتی ہے ۔ چنانچہ
انھوں نے مجھ کو لکھا تھا کہ اُن کا ارادہ بیماری کے سرٹیفکٹ پر انگلستان رخصت
لے کر جانے کا ہے ۔ اور مجھے صلاح دی تھی کہ میں بھی بمبئی جانے کی رخصت مانگوں
اس طرح وہ بخوشی مجھے ہمراہ لیتے جائیں گے ۔ افسوس کہ تقدیر کا حال کسی کو
معلوم نہیں رہتا ۔ قبل اس کے کہ وہ خط میرے پاس پہنچے اس کا کاتب
قضا کر گیا ۔ کیونکہ وہ ابھی نوجوان شخص اور مردانہ توت اور خوب روئی کا نمونہ
تھا اور آئندہ کی بہت کچھ تدبیریں کر رہا تھا اس کو یہ خیال نہ ہوا کہ زندگی
کی کتاب اُس زمانے میں قریب الاختتام ہو رہی تھی ۔ اور مہر خاتمہ اُس پر
ہونے والی تھی ۔ اس امر سے مجھے بڑا صدمہ ہوا ۔ کون ایسا ہے جسے اُس خط کو
پڑھ کر افسوس نہ ہوگا ۔ جس میں اپنے پیارے وطن کے جانے کی امیدیں ہوں
اور پھر چند روز کے بعد معلوم ہو کہ لکھنے والا قضا کر گیا ۔ ہر چند کہ ایسے واقعات
ہندوستان میں عام ہیں مگر جب انسان عرصہ تک رہ لیتا ہے تو اُس کا اثر جاتا رہتا
ہے ۔

پولٹیکل افسر اور میر رستم کے مخالفین

اپنے افسر بالا کی پولٹیکل افسری کے زمانے کی
حالت کی بابت میں بہت کم تعریف کر سکتا ہوں ۔
وہ نہایت ہمت اور لیاقت کا شخص تھا اور سخت محنت کشی کے ساتھ بروقت ضرورت

کام کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ زیادہ تر ان ہندوستانیوں کے باعث دھوکا کھاتا تھا جو اُس کے ہمراہ اور میر رستم کے مخالف تھے۔ چاہے جو وجہ اس حکمت عملی کی ہو۔ جو اُس نے اختیار کی تھی۔ نتیجہ خراب ہوا۔ بشرطیکہ اس امر کو لوگ خراب سمجھیں کہ جو لوگ کسی زمانے میں انگریزی سرکار کی توقیر کرتے ہوں وہ پھر نفرت کرنے لگیں۔ اور عرصہ تک بے انصافی اور سختی سے ایک خون ریز لڑائی پیدا ہو جائے۔ مانا کہ اُس لڑائی میں فتح نصیب ہوئی اور جرنیل نے ایک نئی چمک اُس نام میں پیدا کی۔ جو تاریخ میں پہلے ہی سے بہت چمکیلا تھا مگر اس سے کیا۔ کیا قیصر، ولنگٹن اور نیپیر کی تمام فتوحات میزان میں کسی ایک ایسے ناشایستہ اور جاہل مگر وفادار اور راست باطن شخص کے خون کے برابر ہوں گی جو اپنے سردار کو قید سے محفوظ رکھے اور اپنے ملک کو غارت گری سے بچانے کے لئے مارا گیا؟ ہرگز نہیں!

سرداران خیرپور سے دوستانہ مراسم

جب میجر اوٹرم کو شمالی سندھ کا چارج ملا تو بے اعتباری اور عداوت کا زخم جو اتنے عرصے تک بہ کوشش قائم رکھا گیا تھا فوراً بند ہو گیا اور خیرپور کے سرداروں نے جو عرصہ سے شمشیر برہنہ ہو جاتے مگر جلد قوت میں دب جانے کے باعث رُک رہے تھے۔ اب انگریزی سرکار سے پہلا دوستانہ تعلق از سرِ نو قائم کرنے کا خیال کیا۔ جو طوفان کہ جوش میں آ رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ میں ٹل گیا۔ اور ہرچند کہ ہمارے ضعف کا زمانہ یعنی کابل کا واقعہ قریب تھا۔ تاہم ہمارے خلاف سندھ میں جو پہلے اس قدر مخالف تھا ایک نیزہ بھی کسی نے نہ اٹھایا۔ یہ قصہ اب پرانا ہو گیا ہے اور پولیٹکل معاملات کو از سرِ نو زندہ کرنے والے کے ساتھ ویسی ہی سختی کی جاتی ہے جیسی کہ اُس کے ساتھ جو گڑے مردے اُکھاڑے۔

بلوچیوں کا اعلیٰ کردار

مگر امرِ حق انسان کو خاموش نہیں رہنے دیتا۔ جب کسی شخص

نے اپنی آنکھوں دیکھا ہو کہ صریح ظلم کیا جاتا ہے وہ انصاف کے ہاتھ محض جرس کی طرح ہو جاتا ہے جو خواہ مخواہ جیسا کہ مسٹر ویلزلے نے تشبیہاً بیان کیا ہے اُس سے وقت دریافت کرے گا۔

پس میں کہتا ہوں کہ میانی نے صاف صاف جتا دیا کہ بلوچی کیا کر سکتے ہیں یعنی وہ بہادری سے لڑ سکے اور مردانہ وار مقابلہ کر سکتے ہیں اور اُن کے اختیار میں یہ امر تھا کہ جس وقت ہمارے پرچم کی کابل میں دھجیاں اڑائی گئیں اور وہ روندا گیا اُس وقت وہ ہم کو ایک سخت ضرب رسید کر سکتے تھے جس سے اس وقت جب کہ ہم لوگ لڑکھڑا رہے تھے۔ بالکل چت ہو جاتے۔ جب وہ اُس وقت خاموش رہے تو ہم کو مناسب تھا کہ اُن کے ساتھ ہمدردی کرتے جب کہ وہ کمزور اور ہم قوی تھے۔

میں سکھر میں اس قدر عرصے تک رہا کہ میں نے اُس تغیر کو دیکھا جو امیروں کے مزاج میں اُن کے دربار کے ریذیڈنٹوں کی تبدیلی سے آگیا تھا۔ اُس کے بعد سخت بیمار ہونے پر مجھے نئی آب و ہوا کی تلاش میں بعجلت تمام سدھارنا پڑا۔

روہڑی سے روانگی

۵ راگست ۱۸۴۱ء کو میں نے چارج دوسرے کو دیا اور دریا کی راہ تیزی سے روانہ ہوا۔ اس میں میری امداد دریا کے بہاؤ نے کی جو چڑھائی پر جانے والے کی سرعت بہ حساب سات میل فی گھنٹہ روکتا ہے۔ واقعی گویا دریا لوگوں کو شمالی سندھ کے اُن خراب ملکوں میں آنے سے منع کرتا ہے۔ یعنی اگر وہاں جانا چاہے تو وہ آپ کو سختی سے پیچھے ہٹا دیتا ہے اور اگر وہاں سے آئے تو بہ عجلت تمام نکال دیتا ہے۔ جب میری کشتی، میجر کلبذن کے مکان کے نیچے ہو کر گذری تو وہ کھڑکی پر آکر صاحب سلامت، شائق ایکسیس نے کہا کہ میں صرف ایک ماہ کے لئے جاتا ہوں اور جلد واپس آؤں گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ "تم کبھی نہ آؤ گے" اور نیچے جا کر کھڑکی بند کرلی۔ میں نے پھر کبھی انھیں نہ دیکھا۔

دریا نہایت زوروں پر تھا اور بعض مقامات پر وہ اس قدر جوش کھاتا تھا جیسے کسی ڈائن کی کڑھائی ہو۔ وہ پرانی سیکنڈے بیوناکی تہ آدرڈائنیں نہ میکبتھ والی چھوٹے قد کی۔ اُسی مقام کے قریب جہاں کسی زمانے میں کلیبرن کا مکان تھا دریا نہایت ہی عمیق ہے اور ایک بھنور اُس رُکاوٹ کے باعث بن جاتا ہے جو پُرانی عمارت کے کسی باقی ماندہ حصے سے تیز بہتے ہوئے پانی کی ہوتی ہے۔ جب دریا اُترا ہوا ہوتا ہے تو یہ عمارت صاف نظر آتی ہے۔ اور ایک اور زیادہ قطعی ثبوت بہ نسبت خواجہ خضر کے کتبے کے اس امر کا ہے کہ دریا اور یہ یہاں ہٹ کر آگیا۔

دریائی سفر

اس جگہ گویا ایک محافظ کے طور پر روزانہ ایک بڑا گھڑیال نظر آتا تھا۔ میں نے خود کبھی نہ دیکھا مگر اور افسروں نے مجھ سے کہا کہ اکثر اُن لوگوں نے اُس پر گولیاں چلائیں اور اُس کی لمبائی بیس فٹ سے کم نہ ہوگی۔ موضع کلورا میں جو قریب چھ میل کے سکھر سے ہے۔ میں دخانی جہاز سٹیلائٹ کے پاس سے ہوکر گذرا جو چپہ پر چڑھ گیا تھا۔ میں نے میجر اوٹرم کو رائے دی تھی کہ یہ جہاز ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو بھیج دیا جائے یا جہاں تک جا سکے وہاں دریافت حال کے لئے بھیجا جائے کہ آیا دریا کہاں تک قابل جہازرانی ہے اور ڈیرہ جات کے ساتھ تجارت کرنے کا کہاں تک موقع ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا وہ جہاز بھیجا گیا یا نہیں۔

۶ر کو میں سہوان سے گذرا اور ۷ر کو ایک موضع میں پہنچا جو گوتم کہلاتا ہے اور ایک سید کا ہے۔ میں اپنی تفریح طبع کے لئے ٹاسٹیس کی تاریخ پڑھتا جاتا تھا کبھی کبھی بڑی مرغابیوں پر جو دریا کے منجدھار میں ہوتی ہیں بھنور پر منڈلاتی اور چکر لگاتی تھیں بندوق کا فیر کرتا تھا۔

غرقابی کا خطرہ

۸ر کو مجھے ایک دقت پیش آئی۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں موج اس قدر بلند تھی کہ مُنڈیل نے اس سے مڈبھیڑ ہونا قطعی بربادی

بیان کیا۔ ہوا تند اور مخالف تھی۔ اور اُس نے چاہا کہ جب تک اللہ کی مہربانی سے کوئی عمدہ سامان نہ ہو۔ کشتی لنگر کی جائے۔ حسب اتفاق ہم لوگ ایک چھوٹے سے ناکہ کے قریب تھے۔ جس میں پانی منجدھار کے جوش و خروش سے تھک کر آرام کر رہا تھا۔ یہاں ہم لوگ ٹھہر گئے اور جو، چاول اور شوربہ دار گوشت کے کھانے کا سامان کرنے لگے۔ اُس وقت ٹنڈیل نے خیال کیا کہ یہ بہتر ہوا اگر کوئی ملاح نالہ کے اُس پار تیر کر جائے۔ اور دیکھے کہ آگے پانی کی کیا کیفیت ہے آیا ویسا ہی جوش و خروش ہے یا کم۔ جونہی یہ کہا گیا ایک ملاح فوراً اس کے لئے تیار تھا دریا میں کود پڑا۔ (واقعی اُس کے جسم پر بہت کم کپڑا تھا جو دھونے سے کچھ صاف ہو جاتا) اور دوسرے کنارے کی طرف مردانہ وار چل نکلا۔ اُس کے غوطہ لگانے سے پہلے میں نے اُس سے کہا تھا کہ میرے خیال میں وہ اصل دھارے کے بہت قریب ہے اور اُس کے منجدھار میں کھیچ جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن اُس نے ہنس کر اپنی رائے پر کام کیا۔ نالے کے آدھی دور نہ گیا ہوگا کہ ہم نے اُس کو دیکھا کہ وہ اُس کے دہانے کی جانب کھچا چلا جاتا ہے اور چند ہی لمحہ کے اندر وہ ایک بھنور میں آگیا اور بہہ کر دریا میں چلا گیا۔ اُس کا سر پانی کے نیچے کئی بار گیا۔ اور باوجود اپنی مشاقی کے (کیونکہ یہ لوگ گویا خشکی و تری دونوں کے کیڑے ہوتے ہیں) یہ ظاہر تھا کہ وہ ڈوب جائے گا۔ کشتی سے یہ حال دیکھکر مجھے بہت کچھ حیرانی ہوئی۔ اور اس وجہ سے اور بھی کہ میں خود تیراکی نہ جاننے کے باعث اُس کی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اور اگر میں عمدہ تیراک بھی ہوتا تو اُسے خطرے کی حالت میں مدد نہ دے سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے میرے پاس ایک بڑا کدو تھا جس میں رسی بندھی ہوئی تھی جس کے وسیلہ سے ہندوستانی مشاق ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر تیر کر جاتے ہیں۔ اُسے میں نے ٹنڈیل کے ہاتھ میں دے کر اور دریا کے اندر دھکا دے کر بھیج دیا کہ ملاح کی مدد کرے۔ ایک لمحہ قبل وہ لاپرواہی سے کھڑا ہوا تھا اور ظاہر اُس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا۔

کہ اگر تمام بنی نوع انسان بھی پانی میں غرق ہو جائے تو اُسے کچھ پروا نہ ہوتی۔لیکن غوطہ لگانے سے تمام کاہلی ایک منٹ میں دور ہو گئی ۔ اور سرد پانی نے اُس کا نشہ اتار دیا ۔ چند بار زور سے ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد وہ ڈوبنے کے قریب پہنچا اور دونوں گرداب بلا سے بذریعہ اُس کدو کے نکل آئے ۔

کشتی کی شکستگی

دوسرے دن چونکہ ہوا تھمی نظر آتی تھی سوائے اس کے کچھ نہ سوجھی کہ قسمت آزمائی کریں اور آگے چلیں ۔ ہماری کشتی اگر سب سے بڑی نہ تھی تو بڑی کشتیوں میں سے تھی ۔ مگر دریا کی لہریں اُسے ڈبوتی ہوئی نظر آتی تھیں ۔ اُس کا پچھلا حصہ بہت ٹوٹ گیا مگر اُسی قدر نقصان کے ساتھ ہم لوگ بچ نکلے ۔ دو کشتیوں کے پرزے جو نالہ کے کچھ آگے پڑے ہوئے تھے اُن سے معلوم ہوتا تھا کہ کس خطرے میں ہم لوگ آگئے تھے ۔ مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ ایک کشتی جس میں دو افسر حیدر آباد کو جارہے تھے ۔اسی مقام پر تباہ ہو گئی تھی ۔

احمد خاں مغزی سے ملاقات

ایسے نا ملایم حملوں سے حتی الوسع بچنے کے لئے میں نے حیدر آباد سے پچیس میل ادھر جا کر دریائے سندھ کو چھوڑا اور دہاں پھلیلی کی راہ گیا ۔ موسم سرما میں پھلیلی تقریباً خشک رہتا ہے مگر سیلاب آنے پر وہ بہت تیز بہتا ہے اور قریب سو گز کے چوڑا آٹھ یا دس فٹ گہرا ہو جاتا ہے کناروں پر باغات اور مواضع واقع ہیں اور وہ ضلع جس میں ہو کر دریا بہتا ہے ۔ظاہر بہت آباد ہے. جہاں دریائے سندھ سے ملا ہے وہاں ایک عمدہ شکارگاہ ہے جو اُس وقت حیدر آباد کے امیروں میں سے ایک شخص نور محمد خاں کے پاس تھی ۔ آگے بڑھ کر میں ایک دوسری شکارگاہ سے گذرا جو محمد خاں نورا کی تھی ۔

تمام شب اُس دن بند ہوا چلتی رہی ۔ صبح کو اس قدر کم چلنے سے پریشان ہو کر میں نے ایک ظاہرا معزز بلوچی کو جو کنارے پر تھا آواز دی اور اُس سے کہا کہ اپنا گھوڑا

ایجنسی تک جانے کے لئے عاریتاً دے۔ وہ نہایت اخلاق سے ٹھہر گیا اور میری خشک درخواست کو قبول کیا۔ جب کنارے پر پہنچا تو میرا نیا ہمراہی تھوڑا سا دودھ لایا اور ہم لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اُس نے بیان کیا کہ بارہ روپیہ مجھے تنخواہ ملتی ہے اور مشکل سے اپنے بال بچوں کو پال سکتا ہوں۔ قومیت کے لحاظ سے وہ مغزی اور احمد خاں کے قبیلے سے تھا جس کے قبیلے کے پندرہ شخص حیدرآباد میں ہوں گے۔

میجر اوٹرم سے ملاقات جس وقت ہم لوگ گفتگو کر رہے تھے ابراہیم شاہ آیا۔ میں اس کے ایک آدمی کے گھوڑے پر سوار ہوا اور ہم لوگ دس میل چل کر قلعہ اور شہر حیدرآباد سے آگے ایجنسی میں قریب دوپہر کے پہنچے۔ یہاں مجھ سے میجر اوٹرم سے ملاقات ہوئی۔ اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ جس طرح ریذیڈنٹوں کے تبدیل ہو جانے سے امیر خوش تھے اس سے کم میں بھی نہیں ہوں۔ میجر اوٹرم برتاؤ کے صاف اور مہربان تھے۔ اپنے اسسٹنٹوں سے کوئی بھید پوشیدہ نہ رکھتے تھے اور نہ ان کے ماتحت منشیوں کو راز دار بناتے تھے۔ ہر چند کہ اُن کی محنت شاقہ کی برابری کرنی کسی سے ممکن نہ تھی۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ماتحتوں کی جاں فشانی کی داد دیتے تھے۔ اور چونکہ خود اُن کے کام عمدہ ہوتے تھے اس لئے وہ دوسروں کے اچھے کاموں کا فخر اپنے حصے میں نہیں کرتے تھے۔

شاہ داد اور حسین علی کا وراثت پر تنازعہ

مجھے معلوم ہوا کہ بہت جلد دربار حیدر آباد سے خطاب کرنے کا موقع ملے گا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کا ارادہ تھا کہ چند ضروری امور صبح کو امیروں سے طے کرے۔ چنانچہ اُس نے مجھے بھی موجود رہنے کے لئے کہا۔ میر نور محمد اپنا ملک اپنے دونوں فرزندوں شاہ داد اور حسین علی کو چھوڑ کر مرا تھا کہ اُن میں یہ حصہ مساوی تقسیم کر دیا جائے۔ مگر بڑا بھائی شاہ داد جو ایک عیاش نوجوان تھا اس بات پر آمادہ تھا کہ اپنے بھائی کو اُس کے واجب حق سے محروم رکھے۔ اُس کی تائید مرزا باقر اور اسمٰعیل شاہ کے خاندان والے جو خود ایک فوج کی فوج تھے۔ اور بہت سے زبردست بلوچی سردار بھی کرتے تھے مگر حسین علی کی حمایت پر نواب احمد خاں تھا۔ جو ایک بہادر اور کار آزمودہ سپاہی تھا۔ میجر اوٹرم جو ہمارے افسرد قوم کے برتاؤ سے ایک عمدہ اور مختلف برتاؤ کرتا اور خاندانی جھگڑے کو طے کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے دن دربار اسی قصد سے جانے والے تھے۔

ایجنسی سے حیدر آباد کے لئے روانگی

ہم لوگ صبح پانچ بجے ایجنسی سے روانہ ہوئے جو چار

یا پانچ میل حیدر آباد سے ہے۔ ایجنٹ نے ایک افسر سے جو اُن کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، گھوڑا عاریتًا لے لیا تھا۔ وہ جانور نہایت بد تھا اور اُس کے مالک نے کوڑے سے کام نہ لے کر اُسے خراب کر رکھا تھا۔ ہم لوگ مشکل سے سوگز گئے ہوں گے کہ اُس نے بدی شروع کی۔ مگر اُسے معلوم ہو گیا کہ دوسرا سوار اُس کی پشت پر ہے۔ چند سخت کھٹکاروں اور فولادی رانوں میں سخت دبانے سے اسے صاف ظاہر ہو گیا کہ اطاعت ہی اس وقت مصلحت ہے۔ ایک یا دو بار پشتک چلانے کے بعد اُس نے شرارت موقوف کی اور جلوس روانہ ہوا۔

حیدر آبادیوں کا استقبال

جب ہم لوگ دو میل کے قریب گئے ہوں گے کہ ہم لوگوں کا استقبال سخت گرد و غبار نے کیا جس سے بہت جلد تقریبًا سوا سو بلوچی سواروں کے نظر آئے جو ہمارے لینے کے لئے آرہے تھے۔ اس قسم کا اخلاق ذرا تکلیف دہ ہے۔ جس سے گرد و غبار حد سے زیادہ پیدا ہو جائے خاص کر اُس وقت اور بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جب آپ کسی عمدہ اصیل جانور پر سوار ہوں جو اپنے پیچھے چند بدروٹٹوؤں کا آنا ناپسند کرتا ہو۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ چونکہ اپنے پاؤں کی حالت کے باعث مجھے ذرا ڈھیلے جوتے پہننے پڑتے تھے۔ پس پہلے ہی حملہ میں ایک جوتا پیر سے نکل کر کھو گیا مگر میں نے حتی الوسع جہاں تک ممکن ہوا اپنے نقصان کو چھپایا اور اخلاق کو برتا اور اُسی حالت سے اُترنے کی جگہ پر پہنچا۔

حیدر آباد کا دربار

مگر جب خراب ہوا چلتی ہے تو سب پر یکساں اثر ڈالتی ہے۔ راہ میں ایک پاؤں کے جوتے کے گر جانے سے میں گویا اُس رسم کے ادا کرنے کے لئے جو دربار میں جاتے وقت کرنی پڑتی ہے۔ نصف آمادہ ہو رہا تھا۔ امیروں نے ابتدا ہی سے ہمارے ایجنٹوں سے دربار میں جوتے اتار کر جانے کا قاعدہ رکھا تھا اور یہ رسم اُن لوگوں میں ہمارے ہاں کی ٹوپی اُتارنے کے برابر ہے۔ جب ہم لوگ بیٹھے

یعنی ہم لوگ کرسیوں پر، خاص خاص امیر دنگلوں پر اور اُن کے متعلقین قالین پر تو جس غرض سے ہم لوگ گئے تھے وہ بیان کی گئی۔

شاہ داد اور حسین علی میں مصالحت

میں اُس انتہا کے شور دغل کو جو سیکڑوں فولادی گلو والے بلوچی سرداروں نے بپا کیا اور یک بیک دونوں نوجوان امیروں کے حقوق کی نسبت سخت بحث کرنے لگے، بیان نہیں کر سکتا۔ میرا کام ترجمان کا تھا۔ اور یہ کام نہایت مشکل تھا۔ مجھے احمد خاں کا طرز پسند آیا جو زبان سے کم کہتا تھا لیکن صورت سے اُس کی کیفیت ظاہر کرتی۔ نصیر خاں جسے اب لوگ رئیس خاندان تصور کرتے تھے ظاہرا شاہ داد کا معاون معلوم ہوتا تھا۔ آخر کار ایجنٹ کی فہمایش کارگر ہوئی۔ اور یہ رائے قرار پائی کہ دونوں بھائی ایک معاہدہ صالح بر دئے قرآن کریں۔ کہ آپس میں میل جول رکھیں گے اور اپنی ریاست کے جھگڑے کو دل سے طے کریں گے۔ جو لوگ حسین علی اور شاہ داد کے بلوے کے لئے بھیجے گئے۔ ان کو جلسۂ عام میں بغل گیر کرایا گیا۔ میں بہت خوش ہوا کہ مجھے آخر الذکر شخص سے کام نہیں پڑا۔ کیونکہ اُس کی صورت اچھی نہ تھی۔ اس کے بر عکس میرا ارادہ ایک حسین جوان کی طرف تھا جس کے جھنڈے گھونگر والے سیاہ بالوں اور بڑی بڑی درخشاں سرگیں انکھڑیوں نے کسی انگریزی ناچ کے جلسہ میں بہت سی لیڈیوں کو گھائل کیا ہوتا۔ مجھے حسین علی اپنے چچا میر صوبہ دار کے مکان پر ملا جس کا بڑا بیٹا فتح علی خاں ہم لوگوں کے ساتھ دربار میں آیا۔ لوگوں کی کثرت اس قدر تھی کہ جائے تنگ است و مردمان بسیار کی مصداق ہو رہی تھی۔ اور ہم لوگوں کو بعوض اپنے بل چلنے کے بدلے کشاں کشاں چلنا پڑا اور بعض تنگ راستوں میں دب جانے سے بچے۔

شکارپور کی حوالگی کا مطالبہ

جب یہ معاملہ طے ہوگیا تو دوسری گفتگو یہ شروع ہوئی کہ بعوض اُس زر نقد کے جو ہماری گورنمنٹ کو امیروں نے

بذریعہ صلح نامہ کے دینے کا وعدہ کیا تھا شکارپور حوالہ کردیا جائے ۔تمام امیر اس حوالگی کے خلاف تھے ۔خاص کر نصیر خاں جس نے کہا کہ "صاحب سردار کے لئے زمین کا دے دینا بے عزتی ہے ۔" یہ امر اُس وقت ناتمام رہا۔

کارروائی کی رپورٹ گیارہ بجے ہم لوگ ایجنسی کو واپس آئے اور ہمارے افسر بالا نے مجھ سے اُس دن کی کارروائی کی رپورٹ تیار کرنے کی درخواست کا افتخار بخشا ۔چونکہ کئی فارسی کاغذات کا مقابلہ کرنا اور جانچ کرنا تھا ۔میں نے اس کام کو دوسرے دن ختم کیا اور وہ رپورٹ گورنر جنرل کے پاس روانہ کی گئی ۔جس طور پر ہم لوگ اُن دنوں کام کرتے تھے اُس کی مثال اس سے سمجھنی چاہیئے کہ باوجودیکہ میں بیمار ہو رہا تھا تاہم میں شب کو تین بجے اپنی رپورٹ کے تیار کرنے کے لئے اُٹھتا تھا اور ساڑھے تین بجے میں نے اپنے کمرے میں کسی کے قدم کی چاپ سنی ۔دروازہ کھل گیا اور میجر اوٹرم اندر داخل ہوئے ۔وہ مجھے کام کرتا پاکر متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ "میں تم کو جگانے کے لئے آیا تھا کہ رپورٹ لکھنا وقت سے شروع کردو لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم پہلے ہی سے کام کر رہے ہو۔"

حیدرآباد کی آب وہوا میں دس دن تک حیدرآباد میں ٹھہرا رہا اور وہاں کی خنک آب وہوا کا بمقابلہ سکھر و لکھی کے لطف اٹھاتا رہا تاہم میرا خیال ہے کہ چند ہی لوگ جو جنوبی سندھ میں رہ چکے ہوں حیدرآباد کو لطف کا مقام تصور کریں گے مگر میرے لئے وہ بعد اُس گرمی کے جہاں سے میں آیا تھا فرحت کی جگہ تھی ۔چنانچہ سعدی کا قول یہ صحیح ہے کہ "از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است ۔" سمندر کی ہوا جس کا آخری جھونکا سہوان پہنچنے تک جاتا رہتا ہے ۔حیدرآباد میں محسوس ہوتی ہے ۔ایجنسی کا مکان جو اوٹرم کی مشہور محافظت کے بعد مشہور ہوگیا ۔واقعی قابل حفاظت کم معلوم ہوتا تھا ۔یہ ایک بڑا وصلی کی شکل کا مکان دریا رسندھ سے تئو گز

کے فاصلہ پر تھا اور ایک وسیع کھُلا ہوا میدان اُس کے مشرق میں حیدرآباد تک اور مغرب میں دریا اور ایک پائیں باغ اور بلند درختوں کا ایک باغ جانب جنوب تھا۔ ایک مختصر سے احاطہ میں جو اُس عمارت کے قریب تھا کچھ پالتو ہرن ہر قسم کے چھوٹے قد سے سانبھر تک تھے۔ ایک بارہ سنگھا بوجہ خوبصورتی کے پیار کرنے پر ان کو مائل کرتا تھا مگر ہاتھ پھیرنے پر وہ خشمگین ہوکر سینگ مارتا تھا جو مثل خنجر کے تیز تھے۔ اور اگر وہ حملہ بخوبی کرتا تو ایک لمحہ میں جان نکال لیتے۔ رہا شہر جو بمقابلہ جنوبی سندھ کے اور شہروں کے آباد اور وسیع بھی ہے ہر چند کہ عمارات جو اور جگہ نظر آتی ہیں بجز قلعہ کے ان سے بڑھ کر نہیں ہیں۔

حیدرآباد کا قلعہ اور عمارات

مکانات بالعموم مٹی کے ہیں۔ اس لیے اُنھیں خاص گھونسلے نہیں تصور کر سکتے۔ اُن کی دیواریں دبیز وسیع مکانیت اکثر کئی درجہ بلند ایک قسم کے چھوٹے محلوں جیسی ہوتی ہے۔ قلعہ ایک بدقطع پیچ کوئی عمارت ہے جس کے گرد پختہ اینٹوں کی دیواریں بغیر خندق یا کسی بیرونی تعمیر کے ہیں اور جابجا وہ بے مرمت و مسمار ہیں۔ اُس کے اندر صرف امیروں کے عیال و اطفال رہتے ہیں۔ بیچ میں ایک وسیع تودہ مٹی کا ہے جس میں اس وقت لوگ امیروں کا خزانہ گڑا ہوا سمجھتے تھے۔ مشہور تھا کہ دولت بے حد ہے مگر تجربے نے اتنی مرتبہ ایسے حالات مشرقی بادشاہوں کی دولت کے دروغ ثابت کئے ہیں۔ کہ یہ تعجب ہے کہ امیروں کی دولت کی لنسبت لوگوں کو اس قدر اعتقاد ہوگیا تھا۔

کلہوڑا خاندان کا خزانہ

جب تالپور خاندان والوں نے ۱۷۸۳ء میں کلہوڑا خاندان کو پامال کیا تو اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کا خزانہ اُن کے ہاتھ آیا۔ مگر جیسا کہ الفنسٹن صاحب کی تاریخ کابل سے معلوم ہوگا کہ جب افغان بادشاہ شاہ زمان نے ۱۷۹۳ء و ۱۷۹۴ء میں اپنے جنوبی صوبوں کا بندوبست

بذات خاص کیا اُس وقت اُس نے سندھ کے امیروں کو چار کروڑ چالیس لاکھ روپیہ خراج کے طور پر دینے کے لئے مجبور کیا۔ اگر واقعی اس قدر زرِ خطیر کا نصف بھی وصول ہوا۔ تو ظاہر ہے کہ کلہوڑا خاندان والوں کا خزانہ کس طور صرف ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ اُس وقت سے سندھ کے خزانہ سے کچھ زیادہ رقم نہ کھینچی۔ البتہ دو مرتبہ پھر کچھ رقمیں لی گئیں ایک تو ۱۸۰۳ء میں شاہ شجاع نے سترہ لاکھ روپیہ وصول کیا اور دوسرے اُسی بادشاہ نے ۱۸۰۹ء میں کچھ لیا۔ مگر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ کس قدر۔

سندھ کے محاصل

اس کے علاوہ سندھ کا کُل محاصل برسوں قبل ہمارے حملہ کے ستاون لاکھ سے کبھی زیادہ نہ ہوا تھا جس میں سے بیس لاکھ تو شمالی سندھ کے امیر وصول کرتے تھے۔ اور سات لاکھ میرپور کے سردار شیر محمد کو ملتا تھا۔ بقیہ تیس لاکھ حیدرآباد کے پانچ خاص خاص امیروں میں تقسیم ہوجاتا تھا۔ اس طرح ہر ایک کی آمدنی انگلستان کے درجہ دوم کے امیر سے زیادہ نہ تھی۔ اور سب کی یک جائی آمدنی ہمارے سدرلینڈ اور بکلیوکے ڈیوکون اور لارڈ ویسٹمنسر کے برابر تھی۔

اس رقم میں سے ہزاروں متعلقین کو دینا ہوتا تھا۔ بادشاہوں کا سامان رکھنا ہوتا تھا اور ہر قسم کی سرکاری تعمیرات کا خرچ دیا جاتا تھا۔ اس میں اس امر کو بھی شامل کر لیجئے کہ مال گذاری کا دو تہائی جنس کی شکل میں وصول ہوتا تھا یہ امر حیرت انگیز ہے کہ جب خزینہ جس کے سب عرصہ سے خواہاں تھے۔ آخر تقسیم ہوا تو اُسی قدر نکلا جتنا کہ وہ تھا۔ اس کے سوا تالپر خاندان میں بعض بہت ہی فضول خرچ سردار تھے۔ مثلاً میر کرم علی اپنی داد و دہش کے لئے مشہور تھا۔ اور نصیر خاں کسی زمانے میں اپنے خرچ میں نہایت مُصرف تھا جس کے باعث وہ اپنے بھائی

نور محمد خاں کا اُس کے تقضا کرنے کے چند برسوں تک محتاج تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہماری ملاقات کے وقت شاہ داد کا حامی نظر آتا تھا ورنہ چچا کی طبیعت اپنے طماع اور حریص بھتیجے سے میل نہ کھاتی تھی۔ نہ نور محمد نہ صوبہ دار کے پاس کچھ دولت تھی۔

امرائے سندھ جو مدارات امیروں نے ہم لوگوں کی کی وہ ایسی نہ تھی جس سے ہم کو اُن کے دربار کی عظمت و شان کا خیال ہوتا یا کہ کسی طور پر اُن کے درباریوں کی تہذیب کا تصور ہوتا۔ قلعہ کے اندر جانے کا راستہ ایک لمبی تنگ گندی سڑک سے ہے۔ جس پر تماشائیوں کی بھیڑ تھی اور ان میں بہت سے شیدی یعنی حبشی تھے۔ دربار یا دیوان خانہ چھوٹا بغیر کسی شان و شوکت کے تھا۔ لیکن گو کہ امیروں کی عمدہ فہم اور سادہ روش نے اُن کو نمائش کرنے سے باز رکھا تاہم اُن کے تمام مکانات کی نسبت اس ذلیل الحیثیت دیوان خانے سے جہاں اُن لوگوں نے ریذیڈنٹ سے ملاقات کی کوئی رائے قائم نہ کرنی چاہیے۔

ایک مرتبہ نصیر خاں نے ہم لوگوں کو اپنے خاص مکانات دکھلائے۔ اُن میں بہت سے عمدہ کمرے تھے اور ایک نہایت بلند اور شان دار تھا۔ جو دیوان خانے کے قابل اُس کمرے سے زیادہ تھا جسے لوگوں نے اس مصرف میں رکھا تھا۔ اُس میں ایک عمدہ ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ اور دیواروں پر ایران کے بادشاہوں کی تصویریں لٹک رہی تھیں۔ مگر اس موقع پر اندازے سے زیادہ سادگی برتی گئی۔ جو نقص کے درجے کو پہنچ گئی۔ ایک گوشہ میں ایک جھروکے کے قریب جو ایک سادہ بڑے تختہ سے نصف بند تھا ایک معمولی ڈنگل بچھا ہوا تھا۔ ملاقات کی کوئی ترتیب با قاعدہ نہ تھی۔ لوگ برابر آتے جاتے باتیں کرتے یا خموش رہتے تھے۔ جس طرح اُن کا جی چاہتا تھا۔

امیر نصیر خاں لیکن بعض امیروں کے طریقے اور روش مثلاً نصیر خاں کی نہایت دل فریب

تھی۔ وہ ایک بہت ہی جسیم شخص تھا۔ مگر صورت سے نہایت خوش رو اور اُس کی بات چیت میں ایک صفائی اور کشادگی ایسی تھی جس سے انسان کا دل اس کی جانب مائل ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اُس کے طریقوں سے انسان کو ایک نہایت ہی شائستہ انگریز امیر کا خیال ہوتا تھا۔ اُسے بلوچی بہ نسبت اُس کے بڑے بھائی نور محمد مرحوم کے زیادہ جانتے تھے۔ میں نے نور محمد کو کبھی نہیں دیکھا جسے لوگوں نے نہایت طماع اور صورت میں بالکل نصیر خاں کے برعکس بیان کیا ہے۔ یعنی شباہت نہایت مکروہ اور عیاری آمیز تھی اور آنکھیں سرعت کے ساتھ پھرتی تھیں جس سے شک اور بے اعتباری پائی جاتی تھی۔

امیر شاہ داد

اُس کا بیٹا شاہ داد طرز میں اُس کا ہم شبیہ تھا اور مزید براں ایک پستہ قامت و عیاش نوجوان پچیس سال کے سن کا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ امیر کے خاندان کے لوگ زیادہ خوش رو تھے بہ نسبت اسی قدر یوروپینوں کے جو لیوں ہی منتخب کرئے جائیں۔ میر صوبدار جو میانی کی لڑائی کے بعد اپنے خاندان کی عام تباہی میں شریک تھا۔ ایک سادہ طبیعت، زیرک، متحمل مزاج اور شریفانہ طرز و روش کا شخص تھا۔ وہ کئی سال تک اپنے حق سے محروم رہا۔ باوجودیکہ وہ ان چاروں امیروں میں سے سب سے بڑے امیر کا بیٹا تھا جو کلہوڑا خاندان کے بعد سندھ کے مالک ہوئے تھے۔ مگر وہ ۱۸۲۰ء میں دارالامارت سے نکل بھاگا اور ایک بڑی جماعت بلوچیوں کی اُس کی شریک ہوئی۔ حتیٰ کہ اُس کے ساتھ پندرہ ہزار آدمیوں کی فوج ہو گئی۔ جس سے اُس نے امیروں کو مجبور کیا کہ وہ اُس کے باپ فتح علی کے ملک کو اُس کے حوالے کریں۔

اسی جھگڑے اور چند اور وجہوں سے وہ ہمیشہ بقیہ خاندان کے لوگوں سے علیحدہ رہتا تھا۔ جس وقت لارڈ کین وہاں جاکر اُترے تو اس میں کوئی شک

نہیں ہے کہ اور امیروں نے اُن کی فوج پر حملہ کیا ہوتا۔ لیکن صوبہ دار نے اُن کی شرکت سے بالکل انکار کیا۔ پس اُس کی وفاداری میں انگریزوں کی نسبت کیونکر شک پیدا ہوگیا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اُس کی فوج میانی کے میدان میں موجود تھی۔ لیکن اس امر کی کبھی تحقیقات نہیں ہوئی ہے کہ آیا داقعی وہ وہاں تھی۔ اور اگر تھی تو کل فوج تھی یا صرف ایک جزو اور نیز یہ کہ صوبہ دار نے اسے کہاں تک باز رکھنا چاہا۔

امیر نور محمد کی ذہانت

بعض لوگ امیروں کو جاہل اور وحشی تصور کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ مگر اکثر اُن کی گفتگو میں اُس سے زیادہ معنی ہوتے تھے جس قدر ہم انگریز اپنے نزدیک اُن کے شایان سمجھتے ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ جب ہمارے ریذیڈنٹ اور نور محمد میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ریذیڈنٹ اپنی سرکار کی ایمان داری اور بے غرضی کا بہت ذکر کر رہے تھے۔ نور محمد کچھ اس طور پر خاموش سن رہا تھا جس سے نیم رضا اور نیم غیر حاضری طبیعت کی پائی جاتی تھی۔ اور اس کے بعد گویا دوسرا ذکر کرنا شروع کرنا چاہتا ہو، پھر پوچھا کہ "آپ لوگ بہادر شاہ کے عہد سلطنت میں ہندوستان میں آئے تھے"۔ ریذیڈنٹ نے جواب دیا کہ "نہیں پہلا انگریزی کارخانہ مقام سورت میں جہانگیر کے وقت میں قائم ہوا تھا"۔ پس اُس وقت اُس کی گفتگو کا کچھ خیال نہ ہوا مگر جب منشی سے دریافت ہوا تو معلوم ہوا کہ فارسی قلمی کتابوں میں جو امیروں کے پاس ہیں۔ ایک تاریخ گجرات کی قبل اس کے کہ وہ اکبر کی سلطنت کا صوبہ ہوا موجود ہے۔ اس میں ایک نہایت مفصل کیفیت بہادر شاہ بادشاہ گجرات کے پرتگیزوں کے ہاتھوں دغا سے مارے جانے کی ہے۔ پس نور محمد کا اپنی گفتگو سے یہ اشارہ تھا کہ مشرق کے

تمام معاملوں سے جو یورو پین لوگوں سے تعجب انگیز ہوئے وہ نیک نیتی جس پر ریذیڈنٹ بہت کچھ زور دے رہے تھے، نمایاں نہیں ہے۔

امرائے حیدرآباد کی انگریزوں سے نفرت

اوائل ہی سے حیدرآباد کے امیر اُس بربادی سے آگاہ تھے جو اُن کے ملک میں ہمارے جانے سے اُن کے خاندان کے لئے ہونے والی تھی۔ یہ عین مکاری ہے۔ اگر اب ہم حیلہ کریں کہ ہم نے جو صلحیں اُن سے کیں اُن کا مقصود ذرا بھی یہ تھا کہ امیروں کے فائدے کا کچھ خیال کیا جائے۔ انھوں نے ہرچند کہا کہ "ہم کو صلح کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ارتباط کی۔ ہمارے ہاں کے ایلچی تعینات کرنے سے ہم کو معاف رکھیے اور اگر ہمارے ہاں کسی افسر کو خواہ مخواہ بھیجنا ہی چاہتے ہو تو ڈاکٹر کو بھیجو" مگر باوجود اُن کی نفرت کے ہم لوگوں کا ارادہ اُن سے محبت بڑھانے کا تھا۔

امیروں کی نااہلی

دریائے سندھ کی جہازرانی سے بے حد منفعت کے حاصل ہونے کی امید تھی۔ جن لوگوں کی غرض متعلق تھی وہ زمین کی زرخیزی کا ذکر کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ " سندھ ایک نہایت عمدہ ملک ہے۔ لیکن ان بلوچی ظالموں کی سخت حکومت سے دب رہا ہے۔ حیدرآباد کے قریب کی زمین نیل، تمباکو اور نیشکر کی کاشت کرنے کے قابل ہے۔ کراچی میں موتی دستیاب ہوتے ہیں۔ اور اُن کے نکالنے سے اور زیادہ منفعت ہو سکتی ہے۔ لیکن امیروں کی جہالت اور حماقت نے اُس کو خراب کر رکھا ہے۔ اُس ملک کی کل دولت ان کے ہاتھوں اور چند اُن کے خاص لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور کسی قسم کے لوگ اپنی دولت کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ بلوچی ہر قسم کے کاروبار کو حقیر تصور کرتے ہیں۔ اور سوداگروں کو لوٹ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں کو جو اُس ملک کی جملہ تجارت اور کاروبار کرتے ہیں لوگ ذلیل اور حقیر قوم تصور کرتے ہیں اور ہر موقع پر

اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوتی ہے اور اس طریقہ کے اصلاح پذیر ہونے کی کوئی امید بھی نہیں ہے "۔ ایسے الزامات حملہ کرنے والوں کے حریص کانوں میں کہے جاتے تھے۔ اگر یہ سب سچ بھی ہوتے تو بھی ہم کو کوئی حق نہ تھا کہ ملک کو اپنے قبضہ میں کر لیں تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہوئے کہ ہم کو دوسرے کا کپڑا اس لئے اتار لینا چاہئے کہ وہ اُس کے کسی سوراخ کی مرمت نہیں کرتا۔

امیر نصیر خاں کا اخلاق

ریذیڈنٹ اور اس کے اسسٹنٹوں کی ملاقات میں امیر ہمیشہ اخلاق اور انسانیت سے پیش آتے تھے بلکہ بعض اوقات اُن کے طرز و روش میں علامت مردانہ ہمت کی پائی جاتی تھی۔ ایک موقع پر جب نصیر خاں ایجنسی میں آیا ہوا تھا۔ اور یہ نہ جانتا تھا کہ وہاں لیڈیاں بھی رہتی ہیں۔ ایک کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں ایک لیڈی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ادب سے الٹے پاؤں پلٹ گیا اور سوار ہو کر حیدر آباد واپس چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کے پاس سے آدمی ایک خط معافی کا کہ نادانستہ حالت میں ایسا ہوا، مع تسو اشرفیوں کے لے کر آئے۔ واقعی اُسے نہایت صدمہ ہوا کہ وہ عورت کے کمرے میں اُس کے خاوند کی غیر حاضری میں چلا گیا۔ اُسی امیر کا میانی کی لڑائی کے قبل ارادہ تھا کہ چاہے جو کچھ ہو انگریزی گورنمنٹ سے بگاڑ نہ کرے۔ بلوچی سرداروں نے بے سود اُس پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ آخر کار اُنھوں نے اُس کے پاس عورتوں کا لباس بھیج دیا۔ اُس وقت اُس نے کہا کہ "چونکہ وہ تصور کرتے ہیں کہ میں خوف سے آمادہ جنگ نہیں ہوتا تو میں اُن کو دکھائے دیتا ہوں کہ اُن کا خیال غلط ہے "۔ چنانچہ وہ اپنے محل سے فوراً فوج میں شریک ہونے کے لئے گیا۔

امیر شاہ داد اور بلوچی سردار

تالپر لوگوں نے سندھ کو بزور شمشیر لیا تھا اور چونکہ اُن کی قوت کی بنا بلوچی سپاہیوں کی جوانمردی پر تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ بہت کچھ مراعات کریں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار تقریباً مطلق العنان تصور کئے جا سکتے ہیں شاہ داد نے ہمارے ایک افسر سے کہا تھا کہ جان خاں نے جو ایک بلوچی سردار ہے۔ دو بار مجھے زہر دینے کی کوشش کی۔ لیکن اُس کا قبیلہ ایسا زبردست ہے کہ اگرچہ میں اُس کو سزا دینے کے ناقابل ہوں، لیکن ایسی کوششیں شاذ ہی ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ ساٹھ برس کی تالپر لوگوں کی حکومت میں ان میں سے ایک شخص کے بھی قتل ہونے کی کیفیت سننے میں نہیں آئی ہے۔

خالصہ حکومت کے جرائم

کوئی اُن کی حکومت کی تاریخ کا لاہور کی ایک سال کی خونریز تاریخ سے مقابلہ کرے تو حقیقت معلوم ہو۔ خالصہ گورنمنٹ کی حکومت میں ایک سال کے اندر زیادہ جرائم درج رجسٹر نظر آئیں گے بہ نسبت اُن کے جو امیروں اور اُن کے مورثوں کے کل عہد حکومت میں ہوئے جب ہم اُس سہولت پر خیال کرتے ہیں جس سے یوروپین بادشاہ معزول کر دیئے جاتے ہیں اور جس قدر کم اظہار وفاداری اُن کے اراکین اور افواج کرتے ہیں۔ تو امیر کے حق میں یہ ایک عمدہ ثبوت ہے کہ اُن کے متعلقین میں سے کسی نے ضرورت کے وقت اُن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بجز اسمٰعیل شاہ کے سادات لوگوں کے جو غیر ملک کے رہنے والے اور دراصل ایرانی تھے اور سندھ میں نادر شاہ کے زمانے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگوں کی وفاداری محض خود غرضی کے باعث تھی اور چونکہ بلوچی اپنے وسیع ملکوں کے نکل جانے کا خوف کرتے تھے وہ امیروں کے وفادار رہے اور اپنے مراعات کے ضائع ہو جانے کے ڈر سے اُن لوگوں

نے انگریزوں کے خلاف اتفاق کیا۔ مگر اسی طور پر تمام وفاداری بلکہ طبیعت کا ہرایک خیال خود غرضی پر مبنی ثابت ہوسکتا ہے۔ اس قدر تو ضرور ہی تسلیم کیا جائے گا کہ بلوچی قبیلوں کے حقوق کا یعنی سندھ کی آبادی کی ایک تہائی لوگوں کا امیر لحاظ کرتے تھے اور بلوچی موجودہ گورنمنٹ سے خوش تھے۔

لیکن خالص سندھیوں میں مثلاً جوکھیا جات کلمتی قبیلے وغیرہ کتنے ایسے تھے جوناراض تھے۔ کیا اُن میں سے کسی نے حملہ آوروں کی شرکت پر میل کیا؟ ہرگز نہیں۔ پس ہم کو مناسب ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اُن روایتوں کو جوتا پرلوگوں کی ظلم و بدنظمی کی بیان کی گئی ہیں یقین کرلیں۔ ذرا ٹھہر جائیں۔

سندھ میں ہندو تجار کی کثرت و فارغ البالی

اب رہی یہ بات کہ ہندوؤں پر ظلم ہوتا تھا، اُن سے جبریہ روپیہ وصول کیا جاتا تھا، اُن کی توہین کی جاتی تھی، اور تقریباً وہ نہایت ذلیل تھے۔ اگر یہ کیفیت تھی تو وہ قرب وجوار کے ملکوں میں کیوں نہ چلے گئے؟ جو انگریزی حکومت میں تھے۔ مثلاً کچھ، گجرات اور راج پوتانہ۔ پھر یہ امر کیونکر نظر آیا کہ جب ہم لوگ شکارپور اور حیدرآباد میں پہنچے تو ہندو سوداگروں کو اُسی قدر مال دار اور بکثرت پایا جس طرح ہماری عمل داری کے بڑے بڑے سرسبز شہروں میں تھے۔

یہ ایک عجیب معاملہ ہے۔ انگریزی پبلک اس کا انصاف کرے۔ ایک جانب کو بطور شہادت کے اُس ملک کے باشندے اور اُس کی پچاس سال کی تاریخ اندرونی جھگڑوں سے پاک اور تمام پولٹیکل افسروں کی شہادت ہے جو سندھ میں تعینات کئے گئے تھے باستثناء دو شخصوں کے جن میں سے ایک بھی سندھی زبان نہ جانتا اور کبھی سوائے عیار، رشوت خوار منشیوں کی وساطت کے وہاں کے باشندوں سے گفتگو نہ کرتا تھا اور دوسری جانب چند فوجی لوگوں کی شہادت ہے۔ جو بے شک میل

کرانے کے حد سے زیادہ شایق ہوں گے اور اُنھیں کچھ بھی پچاس لاکھ روپیہ جیسے ذلیل
انعام کا خیال نہ ہوا ہوگا۔

اور چند منشی ہیں جنھوں نے مدتوں تک دروغ گوئی کرکے اسی مرتبہ بقول
شخصے نو سو چوہے کھاکر بلی حج کو چلی۔ راست گفتاری اختیار کی۔ مگر شہادت کو دفع
کیجیے۔ اصل تو یہ ہے کہ زور کے سامنے حق کیا بلا ہے۔ کیا ہمارے انتقام کی کوئی حد
نہیں ہے کیا اُن لوگوں سے انگلستان ایک ہی لفظ کہنا چاہتا ہے جو عجز سے اُس کے
قدموں پر سر رکھ کر التجا کر رہے ہیں (وہ لوگ جو دولت مند آسودہ اور امن کے
ساتھ اُس وقت تھے جب تک کہ انگلستان نے اُن کو اپنا دوست نہ بنایا تھا اور صلح
نہ کی تھی) اور وہ لفظ یہ ہے کہ "ہم فاتح" ہیں۔

باب ۱۳

کراچی

حیدر آباد سے روانگی

۲۲ر اگست کو میں حیدر آباد سے سینیلائٹ جہاز پر روانہ ہوا اور پانچ گھنٹے کے اندر ایک زور شور کے سمندر سے ہو کر ٹھٹھہ پہنچا۔ ہماری رفتار بہت آہستہ نہ تھی۔ کیونکہ بہاؤ ہم کو منجدھار میں سات میل فی گھنٹہ کے حساب سے لئے جاتا تھا اور ہماری اپنی رفتار آٹھ میل یا نو میل فی گھنٹہ کی تھی۔ ایک مقام پر، مگر خوش قسمتی سے وہاں نہیں جہاں پانی زوروں پر تھا جہاز بالو کی چر پر چڑھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز وہیں گڑ جائے گا۔ اور مجھے خوف معلوم ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو اگلے زمانے میں جب دریا نے اپنا راستہ الگ اختیار کیا تو لوگ ایک جہاز کو مع جہازیوں کے زمین کی سطح سے بیس فیٹ نیچے پتھر بنا ہوا پائیں۔

آخر کار وہ نیچے دھنسنے سے رکا مگر بیس منٹ اُس کے نکالنے میں صرف ہوئے جب ہم لوگ قریب جرک کے گئے تو جنگل زیادہ گھنا بلکہ دشوار گذار معلوم ہونے لگا۔ اسی مقام پر جب ہم لوگ پہلے اُترے تھے۔ تو تین افسر حضور ملکہ معظمہ کی فوج کے جل کر مر گئے تھے۔ اُس وقت لوگ اُن کا مرنا کسی کے باعث سے تصور کرتے تھے

مگر وہ امر اتفاقیہ تھا جو بدقسمتی سے ہندوستان میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ میرے ایک دوست موجود تھے۔ جب ایک بدنصیب بیرا اُسی صورت سے مرگیا تھا۔ بہت دور تک چند بندیلوں کے نکالنے کے لئے گھاس میں آگ لگا دی گئی تھی۔ جو بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ وہ شخص جو اس وقت گھاس میں تھا ایک درخت پر دوڑ کر چڑھ گیا۔ شعلہ نے اُس کو گھیر لیا اور وہ دھوئیں سے اندھا ہو کر زمین پر گر پڑا اور مصیبت سے مرا۔

ٹھٹھہ سے کراچی کا سفر

ٹھٹھہ میں ہم لوگ جہاز سے اُتر گئے اور میں نے خشکی کی راہ کراچی تک جانے کا سامان کیا۔ دو افسر جو بیماری کی رخصت لے کر بمبئی جاتے تھے۔ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے۔ اُن میں ایک اس قدر بیمار تھا کہ مجھے اُس کے راستہ میں مرجانے کا خدشہ تھا وہ اس قدر لاغر ہو گیا تھا۔ کہ گو چھ فیٹ چار انچ بلندی میں اور تندرستی میں اسی قدر توانا تھا۔ مگر اس وقت میں بہ آسانی اُسے لے چل سکتا تھا۔ وہ کچھی کے صوبے میں مقام کوٹرہ میں تعینات تھا اور جو حالات وہ وہاں کی بیماری کے بیان کرتا تھا وہ خوفناک تھے۔

اُس مقام پر جو جماعت افسروں کی تعینات تھی۔ پہلے اس کی تعداد گیارہ آدمی تھی۔ اور چار سو سپاہی تھے۔ اُن میں بخار شروع ہو گیا اور اُن کی تکلیفیں گرمی سے اور زیادہ بڑھ گئیں۔ جو قابل برداشت نہ تھی۔ خیمہ میں تھرمامیٹر ایک سو تیس درجہ پر تھا۔ پانچ افسر جو نوجوان پچیس سال سے کم عمر کے تھے۔ جلد مرے اور آدھے سپاہی کام آئے۔ خود ڈاکٹر اس قدر لوگوں کو مرتا دیکھ کر ہو گیا۔ میرے دوست بھی جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ بڑے قدآور اور قوی تھے بخار میں مبتلا ہوئے اور اُن کے بچانے کی بھی فکر کی گئی۔ کہ وہ ایک پالکی میں سکھر بھیج دیئے گئے اور بارہ میں سے تین

کبھار راستہ ہی میں تکان سے مر گئے۔

کراچی تک ہم کو اتنی منزلیں طے کرنی تھیں ۔ اوّل گوجر چودہ میل دوسرے غارا چودہ میل ۔ تیسرے پپری بارہ میل ۔ چوتھے جمعدار جی لانڈھی تیرہ میل ۔ تیسری منزل میں ہم ایک بڑے ویران قصبہ سے گذرے جو بم بھاڑا کہلاتا ہے اور چھ میل آگے بہت سی قبریں اور منتشر گاؤں ملے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ حصہ کسی زمانے میں بہ نسبت اس وقت کے زیادہ آباد تھا۔

کراچی میں قیام جب ہم لوگ کراچی میں داخل ہوئے تو ہم لوگوں کو بہت سے جاتری ہینگ لاج سے واپس آتے ہوئے ملے ۔ یہ مقام ہندو جاتریوں کے اجماع کے لئے مشہور ہے ۔ یہاں تباہی کی دیوی درگا جی کی پرستش ہوتی ہے اور مغرب میں بھی انتہا ہے جہاں تک ہندوستان کا بے شمار دیوتاؤں کا مذہب جاری ہے ۔ سندھ سے چلنے کے تھوڑے ہی دن قبل ایک اولوالعزم افسر کیپٹن ہارٹ اُس مندر تک جانے میں کامیاب ہوئے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے ایک دلچسپ کیفیت اپنے سفر کی ایشیاٹک رائل سوسائٹی کے رسالے میں درج کی ہے ۔ اُسی راستہ سے جانے کی کوشش سرولیم ہیرسن مرحوم نے ہندوستانی کے بھیس میں کی تھی ۔ مگر دوسری یا تیسری منزل پر ہی معلوم ہو گیا کہ وہ یوروپین ہیں ۔ اُس نے ایسی تخویف آمیز علامتیں کرانیوں میں دیکھیں کہ باوجودیکہ وہ ایک تجربہ کار سیاح تھے جنھوں نے افریقہ کے موسیا کاش اور دوسری نیم وحشی قوموں کے ملک میں جانے کی جرأت کی تھی ۔ تاہم انھوں نے بہ قرین مصلحت سمجھا کہ گھوڑا بھگا کر چھاؤنی کو بھاگ آئیں۔

واقعی جو سفر سرہنری پانجرنے ان ملکوں میں ۱۸۱۰ء میں ایک ایرانی گھوڑوں کے سوداگر کے بھیس میں کیا تھا ۔ وہ نہایت ہی اولوالعزمی کا اور خلاف معمول سفر

تھا۔ ہر چند کہ لوگوں نے اُس دلیری مستقل مزاجی اور لیاقت کو جو اس کوشش کو انجام پہنچانے کے لئے عمل میں لائی گئی۔ لوگوں نے بہت کم سمجھا اور اس کی قدر نہ کی ہے۔

منگھو پیر کراچی پہنچ کر میری پہلی خواہش مگرمچھ تالاب کے دیکھنے کی ہوئی۔ یہ عجیب جگہ قریب آٹھ میل کے کراچی سے ہے اور ان لوگوں کے لئے قابل دید ہے جو عجائب و غرائب اور مہیب چیزوں کے دیکھنے کے شائق ہیں۔ انسان ایک ریتلے اور بنجر راستہ کی تھوڑی سی مسافت طے کرکے جس میں کہیں کہیں جنگل ہے املی کے ایک باغ میں پہنچتا ہے جس کے سایے میں وہ مہیب جانور بہ افراط رہتے ہیں۔ جو شخص اُس جگہ سے واقف نہ ہو یہ ہرگز شک نہ کرے گا کہ اُس ہرے بھرے جنگل میں چھوٹے سے تالاب میں جس کی نصف دورے تک کوئی پھرتیلا شخص جست کرکے جا سکتا ہو ایسے مہیب جانور رہتے ہیں۔ میں نے حقارت سے اپنے رہنما سے کہا کہ "لو یہ تالاب آگیا۔ لیکن اس میں مگرمچھ کہاں ہیں" یہ کہکر میں اکڑتا ہوا بڑے شان سے چل دیا اور کل معاملہ کو لچر سمجھنے پر آمادہ تھا کہ ایک اتفاقیہ غرانے کی آواز سے جو میرے قدموں ہی کے نیچے معلوم ہوئی میں یک بیک نہایت پھرتی سے اچھل گیا جس سے شاید چستی بہ نسبت عمدگی کے زیادہ ظاہر تھی۔

منگھو پیر کا تالاب اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے تقریبًا ایک چھوٹے سے مگرمچھ کو کچل دیا تھا جو قریب تین فٹ کے لمبا تھا۔ مگر باوجود چھوٹا ہونے کے اُس کے کاٹنے سے آرام کے بالعکس اثر پیدا ہوتا۔ اُس وقت اس مقام کا جن ایک بوڑھے جادوگر فقیر کی شکل میں ظاہر ہوا اور جب میں نے دو روپیہ نذر کئے تو اُس نے اپنے جادو کی چھڑی یعنی ایک سونٹا نکالا اور بہ آواز بلند دو تین بار

پکارا "آؤ آؤ"۔ اُس وقت پانی مہیب جانوروں سے بھر گیا۔ کم سے کم ساٹھ مگرمچھ جن میں سے بعض پندرہ فٹ لمبے تھے نکلے اور ایک جماعت کی شکل میں کنارے پر آئے۔ کل کیفیت اُس وقت کی مجھے پریوں کے قصص کی یاد دلاتی تھی۔ وہ سنسان کا جنگل، وہ تالاب جس میں عجیب و غریب جانور رہتے تھے، وہ فقیر کا جھونپڑا جو پہاڑی پر بنا ہوا تھا۔ خود وہ فقیر جو بلند قامت سیاہ فام اور لاغر اندام تھا اور میرے قریب وہ ڈاکو کی صورت کا بلوچی۔ یہ سب مل کر ایک عجب مرقع بن گیا تھا۔

منگھو پیر کے مگرمچھ

یہ بھی تعجب تھا کہ اُس فقیر کو اُن جانوروں پر قدرت تھی چنانچہ جب اُس نے اپنے سونٹے سے اشارہ کیا تو وہ ٹھہر گئے۔ کیونکہ واقعی وہ اس قدر قریب آگئے تھے۔ کہ خوف ہوتا تھا۔ اور جب اُس نے کہا کہ بیٹھو تو وہ پیٹ کے بل بیٹھ گئے۔ اور اپنے خوفناک کشادہ اور امید وار جبڑوں سے عجیب اطاعت ظاہر کرتے تھے۔ کچھ بڑے بڑے ٹکڑے گوشت کے اُن کے قریب پھینک دیئے جس کے لئے وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ میں نے چھوٹوں کو بڑوں کی تعظیم کرتے دیکھکر سخت تعجب کیا۔ ایک جو دس فٹ لمبا تھا۔ پانی سے کھانے کی جگہ پر آرہا تھا کہ اُس نے اپنے سے ایک بہت بڑے مگرمچھ کو اپنے عقب میں آتے دیکھا۔ اُس وقت ایک عجیب کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ کہ کس خوف زدہ صورت سے وہ راستہ سے الگ ہٹ گیا گویا اُسے یہ خیال تھا کہ ہٹنے کے قبل اُس کی نصف گز دُم جاتی نہ رہے۔

پہلے تالاب سے تھوڑے فاصلے پر قریب نصف میل کے میں نے ایک تالاب اور دیکھا جس میں پانی اس قدر گرم تھا کوئی شخص پورا غوطہ لگا کر برداشت نہ کر سکتا تھا مگر یہاں بھی مجھے چند مگرمچھ نظر آئے۔ فقیروں نے بیان کیا کہ یہ جانور دریا میں جو پندرہ یا بیس میل مغرب کو ہے بہت ہیں۔ وہاں کا بادشاہ ایک بڑا

مگرمچھ جس کا نام فقیر نے مُر[۱] رکھا تھا۔ کبھی بلانے سے باہر نہ آتا تھا۔ جب میں تالاب کے گرد گھوما تو مجھے وہ جگہ دکھائی گئی۔ جہاں وہ مثل شہتیر کے بے حرکت پڑا تھا۔ اور اُس کا سر پانی پر تھما ہوا تھا۔ میں نے اُسے شہتیر ہی تصور کیا ہوتا اگر اُس کی چھوٹی چھوٹی وحشیانہ آنکھیں نہ نظر آتیں جو اس قدر چمکتی تھیں کہ اُن سے چنگاری چھوٹتی معلوم ہوتی تھی۔ فقیر نے کہا کہ وہ نہایت ہی خون خوار اور خوفناک ہے۔ اور کم سے کم بیس فٹ لمبا ہے۔

انگریزوں کی غیر معمولی مے نوشی سندھ میں کراچی سب سے زیادہ فرحت انگیز مقام ہے بلکہ بمبئی کی کسی جگہ سے اس کا بخوبی مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر کہیں اس قدر ہیضہ سے لوگ نہیں ہلاک ہوئے۔ ہماری یوروپین پلٹنیں قریب قریب وہاں بالکل ضائع ہو گئیں۔ اصل یہ ہے کہ جو علامتیں پہلے ظاہر ہوتی ہیں۔ اُن کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا اور ہر پلٹن میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے جسم مے خواری سے ضعیف ہوتے رہتے ہیں اور وہ بیماری کے نمایاں ہوتے ہی تشریف لے جاتے ہیں۔ جس قدر ہندوستان میں یوروپین سپاہی شراب خواری کرتے ہیں وہ اس قدر خوفناک ہے کہ قابلِ بیان نہیں۔

انگریزوں کی اصلاح کی ضرورت واقعی جو لوگ اعلیٰ عہدوں پر ہیں وہ دن رات اس مسئلۂ عظیم کے حل کرنے میں صرف کریں۔ یعنے ہماری فوج کی اخلاقی اصلاح۔ اس قسم کے پیش پا افتادہ امور کو قطع نظر کر کے جیسے انگریزی پلٹنوں کے لئے عمدہ مقامات کا منتخب کرنا اور اُن کے لئے تفریح کی جگہوں کا مثل ریڈنگ روم، وغسل خانے وکثرت گاہ وغیرہ کے بنانے جس سے وہ حتی الوسع

---

[۱] مُر اس پانچ سر والے راکشس کا نام ہے جسے کرشن جی نے ہلاک کیا تھا۔ ۱۲

دھوپ سے بچیں) اور موسم سرما میں اُن مکانات کو خود سپاہی بنا سکتے ہیں) اور لایق لوگوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ہر پلٹن میں تین یا چار عہدوں کا سپاہیوں کو دینا ہے۔ اس شراب خواری کی اصل وجہ کی جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ یعنی انسان کب دین دار ہو سکتا ہے۔ (اگر دین دار نہ ہوگا تو نیک چلن باشندہ اور پھر آسودہ نہیں ہو سکتا) جب کہ اُسے شادی کرنے سے محروم رکھیں۔ ہر شخص کو شادی کرنے کی ہمت دلانی چاہئے۔ چاہے معترضین اس پر مضحکہ کیوں نہ کریں۔

عورتوں اور بچوں کی تعداد سے فوج کی نقل و حرکت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب پلٹنیں لڑائی پر جائیں تو اُس وقت البتہ اُن کے ساتھ یہ سب بکھیڑے نہ ہوں۔ مگر جب لڑائی ختم ہو جائے (ہندوستان کی لڑائیاں تو عرصہ تک قائم نہیں رہتیں) تو اُس وقت یوروپین سپاہی اپنے بال بچوں میں کیوں مثل ہندوستانی سپاہی کے واپس نہ آئے بعوض اس کے کہ کوئی اُس کا پرواہ کرنے والا نہ ہو اور وہ بھی مرنے جینے کی پروا نہ کرتا ہو۔ لیکن اعتراض کرنے والوں کا قول ہے کہ بیوہ اور یتیم بچے سرکار پر بوجھ ہوں گے۔ بیوہ عورتوں کے لئے کیا کیا جائے۔ سب کو پنشن تھوڑا ہی ہو سکتی ہے۔ مانا کہ یہ سچ ہے مگر کیا اناث ملازمین کی مانگ نہیں ہے کیا گوروں کی بیویوں اور لڑکیوں کو کوئی کاروبار مثلاً سلائی نہیں سکھائی جا سکتی ہے یا کوئی خدمت اُن کو ہمارے پادریوں کے اسکولوں اور سرکاری عمارتوں میں مثل شفاخانوں مسافروں کے بنگلوں وغیرہ کے نہیں مل سکتی۔ دوسرے ہر ایک افسر جو ایک کمپنی کا انچارج ہو۔ وہ کچھ وقت اس کام میں ضرور صرف کرے کہ گوروں سے اُن کے مشاغل اور پڑھنے کی بابت دریافت کرے۔ اُن کے مطالعہ کے لئے مفید کتابیں بتائے اُن کو تحصیل علم کی جانب توجہ دلائے اور اُن کی ترقی تعلیم میں امداد کرے۔ لوگ ان باتوں کو خیال خام تصور کریں گے۔ مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر قسم کی ترقی کو

خیال خام تصور کرتے ہیں۔

کراچی کی بندرگاہ کراچی کو بندرگاہ کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ تری کا راستہ نہایت ہی خوفناک ہے۔ اور صرف چھوٹی چھوٹی کشتیاں اس نالے میں جا سکتی ہیں۔ جو شہر تک گیا ہے۔ ان کے لئے بھی تند ہوا کے وقت گذرنا خطرناک ہے۔ واقعی سندھ میں کوئی بندرگاہ نہیں ہے۔ دریائے سندھ کی حجامری شاخ کے اندر داخل ہونا نہایت ہی دقت طلب اور پُر از خطر ہے۔ کنارہ نیچا ہے اور دور سے بمشکل نظر آتا ہے کوئی شے وہاں ایسی نہیں ہے جس سے جہازی کو راستہ ملنے میں سہولت ہو۔ بجز رِچل دہانہ کی شمالی راس کے جہاں گھنا جنگل ہے اور اسی کی جانب کچھ کے ملاح کشتی کو لے جاتے وقت نیچے۔

پانی یک بیک سات یا آٹھ فادم سے یہاں صرف دو فادم رہ جاتا ہے۔ حجامری کے دہانے کے پاس ایک رکاوٹ ہے جس کے گرد ہر جانب بڑے بڑے بھنور نظر آتے ہیں۔ اگر یہاں کوئی جہاز ٹکر کھائے تو پرزہ پرزہ ہو جائے گا اور جہازیوں کے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ حجامری کا دہانہ کیف کی طرح ہے۔ یعنی اولاً کئی سو گز چوڑا ہے اور رفتہ رفتہ ایک نہایت ہی تنگ چشمہ کی شکل میں ہو گیا ہے۔ دوسری جگہ وہ ایک ذلیل الحیثیت الگ چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے مکانات مٹی اور گھاس کے بنے ہیں۔ تاہم وہ نہایت تجارت کی جگہ ہے۔ قصبہ کے مقابل میں دریا تقریباً ڈیڑھ سو گز چوڑا ہے کنارے کے قریب پانی نہایت عمیق ہے اور بڑی بڑی کشتیاں بھی بہت قریب ٹھہر سکتی ہیں۔ جس سے اسباب کے بار کرنے اور اتارنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

کراچی سے روانگی مجھے کراچی میں تفتیش و تحقیق کا کم وقت میسر آیا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ وہاں کے پولیٹیکل کاموں کو جیسے کچھ کہ ہوں اُس وقت تک انجام دیتا رہوں جب تک کہ میری تندرستی ایسی نہ ہو جائے کہ حیدرآباد یا شمالی سندھ کو

واپس جا سکوں۔ لیکن بخار متواتر آنے سے مجھے تنبیہ ہوئی کہ میں آب و ہوا تبدیل کروں۔

۱۴ ستمبر کو میں آکلینڈ دخانی جہاز پر بمبئی روانہ ہوا۔ یہ جہاز بہت سی عورتوں اور بچوں کو کراچی کی یوروپین پلٹن کے لئے لے کر آیا تھا۔ سمندر بہت زوروں پر تھا۔ اور جہاز اس طور پر تہ و بالا ہو رہا تھا کہ اُس پر سوار ہونا یا اُس پر سے کشتیوں پر آنا خطرناک تھا۔ غریب عورتوں کو ایک منجنیق کے ذریعہ سے کمریں باندھ کر اٹھاتے تھے اور ایک شخص کشتی میں اُن کے پیر پکڑ کر جس طرح بن پڑتا تھا انھیں اتار لیتا تھا۔ مگر سورج کے زور کے باعث یہ کام ایسے تمسخر آمیز طور پر انجام پاتا تھا کہ جہازی برابر قہقہہ لگا رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی عورت اس سرعت کے ساتھ اترتی تھی کہ وہ شخص جو اُس کے سنبھالنے کے لئے کھڑا رہتا تھا گر پڑتا تھا۔ غرض کہ کل واقعہ کو لوگ تصور کر سکتے ہیں۔ لیکن بخوبی بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بمبئی کا بحری سفر

آخر کار ہم لوگوں نے تمام بوجھ علیحدہ کیا۔ توپ داغی گئی اور ہم لوگ بمبئی کو روانہ ہوئے۔ اس طور پر میں نے سندھ کو ڈھائی سال تک لگاتار محنت اور بیماری کے بعد چھوڑا۔ میرے قویٰ بالکل ضعیف ہو گئے اور زندگی کا موسم بہار جاتا رہا تھا۔ پہاڑوں پر کئی ماہ تک رہنے پر بھی جب گرمی کا موسم آیا تھا تو بخار آنے لگتا تھا۔ آخر مجھے مجبور ہو کر عرصہ تک بحری سفر اختیار کرنا پڑا۔ لیکن اس سے بھی گو کہ کچھ دنوں کے لئے نفع ہوا لیکن وہ نقصان پورا نہ ہو سکا۔ جو میری تندرستی کا ہو چکا تھا۔ اُس وقت بعد سوار ہونے کے مجھے بیمار پڑنے کی سزا ملی۔ یعنی میں اپنے عہدے سے برخاست کر دیا گیا۔ اور مقامات میں جہاں پولٹیکل افسر رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ سندھ میں بھی اس وقت تک یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ بوجہ بیماری کے کچھ عرصہ اپنے فرائض سے دست کش ہونے پر مجبور ہوتے تھے۔ اُن کا عہدہ قائم رہتا تھا۔ اور نصف تنخواہ اسٹاف کی ملتی تھی۔ ایسی رعایت کی نسبت کسی قدر اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن دلائل سے اس کا قرین انصاف و مصلحت آمیز ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔

خیرا سے جانے دیجئے پہلے پہل مجھ ہی پر چھری تیز کی گئی۔ مجھ سے لے کر پھر جو افسر بیمار ہوئے وہ اپنی پلٹنوں کو واپس بھیجے گئے۔ ایسے قاعدے کو لوگ سخت تصور کریں گے جس کے مطابق کوئی شخص نکمی جگہ میں دو یا تین سال تک جاں فشانی سے کام کرکے جہاں اُس نے اپنی پلٹن کے ساتھ عمدہ جگہ پر کام کیا ہوتا اپنی پلٹن میں اس لئے واپس بھیجا جائے کہ بہ وجہ ناتندرستی کے وہ انجام کار سے قاصر رہا۔ اور نہ سہی تو اُس کی خدمات کے صلہ میں چند الفاظ تعریفی کہہ دیئے جا سکتے تھے۔ اور پرانے زمانے میں تو کسی عمدہ جگہ پہ بدل جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن تمام سرگرمی پر تو اُس وقت اوس پڑ جاتی ہے جب کہ کوئی شخص گزٹ میں اپنا نام لکھا دیکھے کہ "فلاں کی خدمات کمانڈر انچیف کے متعلق کی گئیں۔"

گورنر جنرل لارڈ ایلن برا

اصل بات یہ ہے کہ ایک نئے فرعون پیدا ہوئے تھے۔ اور جس وقت وہ یعنی لارڈ ایلن برا ہندوستان میں پہنچے کابل کی مصیبت کا وقوع ہو چکا تھا۔ نئے گورنر جنرل کو ظاہرا یہ خیال تھا کہ تمام پولٹیکل افسر بڑے یا چھوٹے قصوروار ہیں چنانچہ اُنھوں نے اُن کو سخت ضربیں رسید کرنی شروع کیں۔ اور ایک آدھ ضرب بعض وقت بے قصور لوگوں پر جو اوروں کے اختیار میں تھے پڑتی تھی۔ فی الواقع ادنے پولٹیکل افسروں کا جو شمالی سندھ میں پولٹیکل ایجنٹ یا سفیر کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔ یہ لوگ کٹھ پتلیوں کی طرح تماشہ کرنے والے کے اشارے پر چلتے تھے۔ مگر پولٹیکل افسروں کے نام ہی کی نسبت ایک مجنونانہ شوروغوغا مچ رہا تھا۔ جہاں کوئی خطا سرزد ہوتی تھی تو پرانے پرانے بزرگوار اپنے سر ہلا ہلا کر یہی کہتے تھے۔ کہ بس اُنھیں لونڈے پولٹیکل افسروں کا بہت قصور ہے۔"

ان سے کوئی پوچھے کہ لونڈوں اور مردوں میں کہاں آپ کی مرضی حد فاصل قائم کرنے کی ہے۔ اُن لونڈے پولٹیکل افسروں میں کیا شے مردوں کی نہیں ہے۔ اُس مشکوک سن

میں جو جوان کو پورے مرد سے علیحدہ کرتا ہے وہ لوگ جو مرد کہلانا چاہتے ہیں۔ گل مچھوں پر استدلال کرتے ہیں۔ بعض داڑھی پر اور بعض اپنی مختصر مونچھوں پر۔ اب کوئی شخص اُن چہروں کو دیکھے جن پر گھنی داڑھیاں اور جھبریاں نظر آتی ہیں۔ اور ان داڑھیوں کو ملاحظہ فرمائیے جو کمر تک لٹکی ہوئی ہیں۔ اور کہیئے کہ یہ لونڈے ہیں۔ واقعی یہ نہایت تمسخر آمیز خیال بلکہ ایک بہت اچھا مذاق ہے کہ ایسے مدت کے کارکردہ اور فرسودہ لوگوں کو محض لونڈا کہا جائے۔

پولٹیکل افسر اور فوجی افسر کا موازنہ

لیکن قطع نظر مذاق کے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ پولٹیکل افسروں کی نسبت یہ لچر بیان کیوں کیا جاتا ہے کیونکہ کسی جماعت کی خدمت یا تعریف لچر امر ہے۔ کوئی ملٹری افسر جو ہندوستانیوں کے طرز و روش سے زیادہ واقف کار نظر آیا اور اُس نے ہندوستانی زبانوں کو سیکھ لیا یا اُس نے اور طور پر قابلیت ظاہر کی تو اُسے ملکی معاملات کے صیغہ کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔ پس پولٹیکل افسر فوجیوں سے علٰحدہ نہیں ہوتے۔ بلکہ انھیں میں سے ہوتے ہیں اور انھیں کے ساتھ جلد یا دیر میں جا کر مل جاتے ہیں۔ کم لوگ ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جو اس خدمت پر مقرر کئے جائیں تاوقتیکہ وہ دس بارہ سال تک ہندوستان میں نہ رہ لیں اور اونچے درجے ریذیڈنٹ یا پولٹیکل افسر کے بیس یا تیس سال کی ملازمت کے بعد ملتے ہیں۔ یعنی چالیس سال کے سن کے قریب۔ چنانچہ میرے ایک شناسا افسر نے جنھوں نے پندرہ سال تک کام کیا تھا اور بطور فرسٹ اسسٹنٹ کے نہایت شہرت حاصل کی تھی۔ جب ریذیڈنٹ کا عہدہ خالی ہوا کہا گیا کہ ہرچند کہ اُن کی خدمات قابل قدر ہیں تاہم بوجہ ان کے عہد ملازمت کے اُن کی ترقی غیر ممکن ہے۔

پولٹیکل افسر کی خدمات بہ نسبت اُس عہدے کے فوجی افسر کے زیادہ سخت اور اُس کی ذمہ داریاں زیادہ عظیم ہوتی ہیں بجز اُن چند گھنٹوں کے جب وقت جنگ آزمائی کا آجاتا ہے

لیکن اگرچند پولٹیکل افسر ناکام ہوئے اور ان کی غلط تدبیروں سے ہمارے سر پہ بدنامی اور نقصان آیا تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے ملکی معاملات کے صیغہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جیسے میلکم، الفنسٹن، مزو، گلوز، پانٹنجر، اوٹرم اور لارنس۔

اوٹرم، کرنل ٹیلر کی برطرفی

لارڈ النبرا نے جو ایک خط پولٹیکل ایجنٹ متعینہ سندھ کو الہ آباد سے ۲۲ مئی ۱۸۴۲ء کو لکھا تھا وہ قابل لحاظ ہے کیونکہ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے کیوں اوٹرم، کرنیل ٹیلر اور دوسروں کو برطرف کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "انگریزی افسر چاہے اُس کا چال چلن جو کچھ ہو جب کسی چھوٹے سے ہندوستانی دربار میں کام کرنے لگتا ہے تو اس سے بمشکل امید ہو سکتی ہے کہ عرصے تک اپنے اہل ملک سے جدا رہ کر اپنے گردو پیش کے لوگوں کے خیالات اور تعصبات کو حاصل نہ کرے گا اور کسی قدر وہ ناطرف داری اور کام میں مضبوطی اُس کی طبیعت سے نہ چلی جائے گی جو گورنمنٹ کے قایم مقام میں ہونی چاہیئے۔"

لارڈ موصوف کی اس تحریر میں کسی قدر دانشمندی کے آثار بھی ہیں گو کہ لارڈ النبرا جیسے تجربہ کار مباحثہ کرنے والے کے لئے یہ فی الجملہ غلط ہے۔ لارڈ موصوف کی اس سے کیا غرض ہے کہ کسی چھوٹے سے ہندوستانی دربار میں رہنے سے انگریزی سفیر اپنے گردو پیش کے لوگوں کے خیالات اور تعصبات کو حاصل کر لیتا ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص جن لوگوں میں ہو تو رفتہ رفتہ وہ اپنے ملک کی عورتوں سے نفرت کرنے لگے گا۔ اور وہاں کی مستورات سے ملوث یا یہ کہ بارہ سال تک سر کے بل سپاری کے بل ان کے اندر کھڑا رہ کر اعلیٰ درجہ کی عبادت کرے گا یا یہ کہ حیدرآباد میں رہ کر دل رفتہ رفتہ جوگیوں اور تبشیوں سے اُنس کرنے لگے گا۔ اور دماغ کثرت۔ ازداج یا پردہ نشینی عورات کو فی الجملہ عمدہ تصور کرنے اور انگریزی زبن لحم خنزیر اور شراب کہنہ کو ناقص سمجھنے لگے گا۔؟

اسی اصول پر اہل پولیس لوگوں کی جیب کتر سکتے ہیں۔ اور بہت جلد خود اسی اصول

کے مصداق ہو سکتے ہیں کہ "جن کو چوروں سے کام رہتا ہے وہ خود چوری کرتے ہیں" اور یہ چھوٹے دیسی درباروں میں بے چارے پولٹیکل افسروں کی خرابی متصور ہے اور اُن پر یہ مثل راست آتی ہے کہ "مہاز خم اس وجہ سے بڑا ہے کہ وہ بہت چھوٹا ہے" اور جس سے آگے چل کر یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ۔ اگر نہ ہو تو اور بھی بڑا ہوگا ؎

"ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں"

اور دیسی دربار کے کیا معنی سمجھنے چاہئیں یعنی غیر ملک کے دربار، تاوقتیکہ دیسی کے معنی غیر ملک کے نہ ہوں۔ یا یہ عجیب خاصہ صرف چھوٹے چھوٹے ہندوستانی درباروں کو حاصل ہے۔

برطانوی حکومت کی عجیب حکمت عملی

اس سے لازم آتا ہے کہ فرانس یا روس کے دربار میں یہ اثر سفیر پر ذرا نہیں ہو سکتا۔ وہاں ہم اس پر بخوبی بھروسہ کر سکتے ہیں اور یہ صرف بعض خطوں کا اثر ہے کہ ہمارے سفیروں پر یہ عجیب تغیر واقع ہوتا ہے۔ مگر میں بھول گیا شرط یہ ہے کہ "ہمارا سفیر عرصہ تک اپنے ہم وطنوں کی محبت سے محروم رہا ہو" افسوس کی بات ہے کہ لارڈ ممدوح نے کوئی مدت نہیں بتائی یا یہ کہ اس "عرصہ تک" کی عبارت سے اُن کا کیا مقصود و منشی ہے۔ انسان کی زندگی میں دس سال بھی ایک مدت مدید ہے اور اس کے برعکس لمبی تعطیل (طلباً اس پر افسوس کرتے ہیں)، صرف چند مہینوں کی ہوتی ہے۔ میں اس عبارت کے معنی نہیں لگا سکتا۔ بعض گورنمنٹ کے لئے تین سال تک رہنا ایک مدت ہے اور بعض کے لئے پانچ سال بھی کم ہیں۔

سندھ کی سخت تمازت میں ایک دن بھی بہت بڑا ہے اور شملہ کی سرد پہاڑی پر بہت چھوٹا۔ کوئی اس مہمل لفظ کے معنی نہیں نکال سکتا، جو ہندوستانی ربر کی طرح

موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ شمالی سندھ میں پولٹیکل افسر یورپین لوگوں کی صحبت سے عرصہ تک کبھی محروم نہ رہتے تھے اور ہمارے رہنے کے مقامات چھوٹے چھوٹے دیسی دربار نہ ہوتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے شہر مثل شکارپور اور سکھر کے۔ تاہم ہم لوگوں کو خواہ مخواہ اُن شخصوں سے ہمدردی ہوتی تھی جن پر ظلم کیا جاتا تھا اور جن کو ناحق برا بھلا کہا جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہی امور جن کے باعث لارڈ ڈالنبرا کی رائے میں ہندوستان کے پولٹیکل افسر اپنے ملک کی خدمت ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے ایسے اسباب ہیں جن سے بہ نسبت اور باتوں کے وہ اُس غرض کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ صرف ہندوستانی ریاستوں میں عرصہ تک رہنے کا سبب ہے۔ کہ لوگ ہندوستانیوں کے خیالات اور تعصبات کو سمجھتے اُن خیالات کی رعایتیں کرتے اور ناحق اُن کو صدمہ پہنچانے سے محترز رہتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے لارڈ ڈالنبرا خوب سمجھ لیں کہ ہندوستانیوں کو راضی رکھتے اور تمام ملک کو باز رکھتے ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو مورد حقارت و نفرین سمجھ کر یک سر باغی ہو کر یہاں سے خارج نہ کر دے۔ وہ زمانہ آنے دیں جب کہ کروڑوں باشندگان ہندوستان کے خیالات اور تعصبات کو پامال کرنے کی کوشش کی جائے گی تو لوگوں کو کیفیت معلوم ہوگی۔

امیران خیرپور سے بہتر تعلقات

خیر جب ہوگا دیکھا جائے گا میری بدقسمتی کو دیکھئے کہ میں جب سوار ہوا۔ تو مجھے اس مصیبت کا علم نہ تھا جو مجھ پہ آنے والی تھی۔ دراصل مجھے نو ماہ تک معلوم نہ ہوا تھا کہ مجھ پر کیا گذری۔ پس کفایت سے مگر اُس تنخواہ کے اندر خرچ کر کے جو میں ہر طرح اپنے تصور کرنے کا مستحق تھا۔ بحری سفر سے واپس آنے پر مجھے معلوم ہوا۔ کہ میں نے اپنی اگلی بچت کے دو ہزار روپیہ صرف کر ڈالے مگر مجھے لازم نہیں ہے کہ بیچارے امیروں کی بڑی بڑی تکلیفوں کا ذکر کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی شکایتوں کو بھی لے کر بیٹھوں۔ ان کے بارے میں میں کوئی بات ایسی نہیں کہوں گا۔ جو اُن کے معاملے پر کوئی نئی روشنی ڈالے یا ظاہرا کوئی نئی دلیل معلوم ہو۔ کیونکہ میں خود اُس وقت موجود

نہ تھا جب تالپر خاندان کے ساتھ رسم موالنست ختم ہوا اور نہ مجھ کو اس قدر تحمل ہے کہ سرکاری کتاب (بلو بک) کی تمام غلط بیانیوں کی ایک فہرست بناؤں۔

مجھے صرف اس قدر خفیف طور پر ثابت کرنے پر قناعت کرنی چاہیے کہ ہمارے تعلقات خیرپور کے امیروں کے ساتھ اس طور پر انجام پاتے تھے کہ کوئی موقع اس کا نہ تھا کہ بجز علی مراد کے اور امیر شمالی سندھ کے ہم سے خوش رہیں۔ چاہے لوگ مجھے باربار اعادہ کرنے کا الزام دیں۔ مگر میں پھر کہوں گا۔ صلح نامہ کی اس شرط کے معنی میں الٹ پھیر کرکے جس سے میر رستم کو دریائے سندھ کے ہر دو جانب کے قلعہ جات کی ملکیت دی گئی تھی ہم لوگوں نے کافی حیلہ "قلعہ بکر پر قبضہ کرنے اور پھر اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کا نکالا۔

انگریزوں کی بدعہدی

میں اسے پھر مکرر کہوں گا۔ کہ ہمارا یہ حیلہ کہ ہم نے خراج کے وصول کرنے کے حقوق جو شاہ شجاع کو حاصل تھے خرید لیے ہیں اور اس بنیاد پر امیروں سے اٹھائیس لاکھ کا مطالبہ کرنا بالکل ہمارے شایان شان نہ تھا کیونکہ شاہ عرصہ سے کابل کی بادشاہت سے معزول ہو چکا تھا اور ہم لوگوں نے خود دوست محمد کو تسلیم کرلیا ہوتا اگر اس نے ہماری شرطیں قبول کی ہوتیں اور خود دوست محمد نے کبھی سندھ سے خراج وصول کرنے کا دعوے نہیں کیا اور جب کہ خود سرکاری کتاب سے ظاہر ہے کہ اس اٹھائیس لاکھ کا وہ حصہ جو میر مبارک سے پانتی تھا تین سال کے عرصے تک یوں ہی پڑا رہا۔ حتیٰ کہ ہم نے اس کا مناسب وقت تجویز کرکے وصول کیا اور اس درمیان میں میر مبارک مفروضہ مدیون اور شاہ شجاع مفروضہ دعوے دار دونوں رحلت کر گئے تھے۔

اس پر طرہ یہ تھا کہ میر مبارک کا بیٹا نصیر خاں جس سے پھر دعوی کیا گیا وہ ایسی رقم ادا کرنے کے بالکل ناقابل تھا جو اس کی کل آمدنی سے کئی حصہ زیادہ تھی۔ جس رقم کو مبارک اس وقت ادا نہ کرسکا جب کہ وہ ساری جائداد کا تنہا مالک تھا تو اس کی جائداد کے بیٹوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اس کا تقاضا ہی بیکار تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں اس

سلوک پر بھی خیال کرنا چاہیے. جو ابتداہی سے میر رستم کے ساتھ ہمارے پولٹیکل افسر نے روہڑی کے کاردار فتح محمد غوری وزیر کے معاملہ میں کیا۔

امرائے سندھ کے خلاف جعلی کاغذات

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دریائے سندھ کے ایک جانب ایک جماعت عیار اور راشی منشیوں کی محمد شریف کی حمایت پر تھی - اور دوسری جانب علی مراد کی ۔ اور ان کے بیانات کی صداقت کی جانچ جو میر رستم اور اُس کے وزیر کے بارے میں کی گئی اُن قابل مضحکہ بیانات سے کیجے جو سرکاری کتاب میں درج ہیں مثلاً جیساکہ نمبر ۱۳۷ میں فتح محمد کو میر رستم کا خانہ زاد غلام کہا ہے. حالانکہ وہ اُن اطراف کا ایک نہایت ہی شریف زادہ تھا اور اوسط سن کے گذرجانے پر سندھ میں کھادلپور سے آیا تھا۔

یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جو منشیوں سے امیروں کے معاملہ میں خدمت لی جاتی تھی اُن میں سے ایک کے کاغذات میں ایک خط دستیاب ہوا تھا جس کی نسبت بیان تھا کہ نصیر خاں حیدر آبادی نے کسی دربار کو لکھا تھا اور گو کہ ہم لوگوں نے اُسے اصلی تصور کیا اور یہ خیال کیا کہ منشی نے اپنی غرض مخفی کے لئے اُسے چھپا رکھا. ہم لوگ یہ بھی قیاس کر سکتے تھے کہ وہ جعلی تھا۔ اور اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ اگر امیر منشی پر رشوت طلب کرنے کی تہمت لگائیں تو اُس وقت وہ کام میں لایا جائے اور بعد کو اُسی قسم کے کاغذات ہندوستانیوں کے ذریعہ سے امیروں کے خلاف پیش کئے گئے ۔ اور بالتصریح اُن لوگوں نے اُن سے انکار کیا مگر ہم لوگوں نے اُنھیں اصل کچھ ایسے افسروں کے بیان پر تصور کیا جو اُس زبان کو سمجھ نہ سکتے تھے۔[لہ]

لہ ان میں سے ایک افسر کیپٹن براؤن پر سر چارلس نیپئر اپنا استدلال کرتے ہیں ایک سوداگر کے لئے پروانہ پر دستخط کیا تھا کہ وہ سندھ سے اپنا مال کابل بلا ادائے محصول لے جائے. جب سر ولیم میکناٹن نے اُس کی بابت باز پرس کی تو معلوم ہوا کہ افسر مذکور کو معلوم بھی نہ تھا کہ انھوں نے کسی شے پر دستخط کیا تھا۔ ۱۲

جعلی کاغذات کی وجوہ

بی برگ کے مظہرہ خط کی نسبت (قطع نظر اوردوں کے) یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ صاف صاف جعلی تین وجہوں سے ہے۔

اوّل یہ کہ امیروں نے ایک مرتبہ بی برگ کے قبیلہ کے بعض لوگوں کے گرفتار کرنے میں جو ہمارے قبضہ سے نکل بھاگے تھے، ہماری مدد کی تھی جس سے ظاہر ہے کہ وہ اُس سے تعلق نہ رکھتے تھے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے سندھ میں داخل ہونے کے کچھ عرصہ قبل امیروں نے بگٹیوں کی پہاڑی میں شکست فاش کھائی تھی جس میں اُن کے ایک خاص سردار کا بازو کٹ گیا اور کئی چھوٹے چھوٹے سردار اور آدمی آئے۔

تیسرے اگر امیروں کو پہاڑی بلوچیوں کی مدد کی ضرورت ہوتی تو انھوں نے بی برگ کو نہیں بلکہ بجرخان ڈکی کو لکھا ہوتا۔ کیونکہ اُس نے بجائے امیروں کے بی برگ پر زیادہ دباؤ ڈالا ہوتا۔ اور وہ صرف شمالی سندھ میں ایک قوی سردار نہیں تھا بلکہ اُسی قبیلۂ رند کا تھا جس کے سندھ کے تالپر امیر تھے۔

انگریزوں کی من مانی کارروائیاں

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے جس قدر صلحیں کیں وہ اس کے بعد ہوئیں جب کہ امیروں نے بار بار کہلا بھیجا تھا کہ وہ اس اعزاز سے معاف رکھے جائیں۔ (بخشو بی بلی مرغا لنڈورا ہی رہے گا) اور صرف اسی امر سے کہ کسی خود مختار ملک سے اس کے فرماں رواؤں کی خواہش کے خلاف فوج ہو کر جائے۔ درخت کاٹ ڈالے جائیں۔ محصول موقوف کر دیئے جائیں۔ یوروپ میں قانون قومی کی شکست سمجھی جائے گی۔ اور میرے خیال میں اس قدر باتیں یاد رہیں گی جس سے سندھ کے معاملہ کو چاہے جس قدر لوگ جس قدر شیریں بیانی سے سنائیں۔ انصاف اُسے ہضم نہ کر سکے گا۔ مگر اس سے کیا۔ اب معاملہ زیر تجویز تھوڑا ہی ہے۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ خاص خاص امیر سب مرکھپ گئے اور اُن کی جائداد بک گئی اور تقسیم ہو گئی۔ اس کے علاوہ انگریز

بالعموم خوش ہیں۔

اخبار ٹائمز سے ایک سوال

اخبار ٹائمز خوش ہے جس سے تصور کر لیجئے کہ انگریز عوام الناس بھی خوش ہیں۔ مگر یہ تو کہئے کہ ہندوستان والے بھی خوش ہیں؟ کچھ ہندوستان کے کروڑہا باشندوں اور مسلمان سرداروں کو بھی پرواہ ہے کہ ٹائمز کیا لکھتا ہے وہ بھی راضی ہیں۔ کسی لائق ہندوستانی کو ہندوستان کے بڑے شہروں میں منتخب کرکے اس سوال کا جواب پوچھئے۔ اب بھی انصاف کا کچھ موقع ہے۔ مثلاً میر صوبہ دار کو دیکھئے۔ اگر اُن تمام لوگوں کی تحریروں کو جانچئے جنھوں نے سندھ کی کیفیت لکھی ہے تو ایک حرف ایسا نہ ملے گا جس سے ثابت ہو کہ یہ رئیس انگریزوں کے دوست صادق ہونے کے سوا کچھ اور تھا۔ اُن کے لئے ایک بڑی کتاب انتخابات کی تیار کرنی فضول ہے۔

سرکاری کتاب پر تنقید

مگر سرکاری کتاب میں میانی کی معرکت خیز جنگ کے وقت ہی پر کیا لکھا ہے۔ صفحہ ۲۳ کو ملاحظہ کیجئے "بہت سی باتوں میں جہاں میر نصیر نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے تو میر صوبہ دار نے اُس کے خلاف اختیار کیا ہے۔ بجز اُن امور کے جن میں سرکار انگریزی کا نقصان ہو۔ کیونکہ انگریزی گورنمنٹ کا میر صوبہ دار ہمیشہ طرف دار رہتا ہے۔ چاہے دوسرے دربار کا جو کچھ ارادہ ہو" اور پھر صفحہ ۱۵۱ میں "میں نے میر صوبہ دار اور دوسرے امیروں میں ایک صریح فرق پایا۔ اُس نے پوشیدہ طور پر ایک ہندوستانی ایجنٹ ہمارے پاس روانہ کیا تھا کہ وہ ہمارے خلاف کسی صورت سے نہ لڑے گا" اور صفحہ ۳۸۰ میں مندرج ہے کہ "اس قسم کی مخالفانہ کارروائی سے میر صوبہ دار نے اپنے کو علیحدہ رکھا ہے"

اب پھر صفحہ ۵۲۶ کو ملاحظہ فرمائیے۔ لارڈ النبرا کے خط میں لکھا ہے کہ "میرا خیال ہے کہ میر صوبہ دار کو مجبوراً حیدرآباد کے اور سرداروں سے ظاہرا ساز باز کرنی پڑی

باب ۱۴

زوالِ سندھ

سندھیوں کے بارے میں من گھڑت قصے

ہیور تھ وکس نے بہت صحیح کہا ہے کہ والٹرالکاٹ کے بعد میکالے ہی سب سے عمدہ مورخ ہے۔ یہی رائے اور بھی ایک مشہور مورخ کی نسبت ظاہر کی جاسکتی ہے۔ جس کی تصنیف میں تمام خوبیاں حدت کی اُن لوگوں کے لئے بھی ہیں۔ جو اُن ماجروں میں جس کا اُس نے ذکر کیا ہے شریک تھے۔ جادوگر کے عصا کی طرح اُس نے سندھ کی مٹی اور ریت کو مس کیا جس سے ایک نئی قوم پیدا ہو گئی۔ پُرانے مہربان امیر اور سردار جو اکثر ہمارا خیر مقدم کیا کرتے تھے سب گذر گئے اور اُن کی جگہ دوزخی ظالم جو اپنے بچوں کے قتل سے خوش ہوتے اور اپنی بے کس بیویوں کو برہنہ چابکوں سے زدو کوب کرتے اور اپنی رعایا کو ظلم کی آہنی ایڑیوں سے پامال کرتے ہیں نکل آئے ہیں۔ اُن غول بیابانی کی صورتوں کو حیرت انگیز نگاہ سے دیکھ کر جو ہمارے گروہ کے پیش نظر آتی ہیں، ہم ناحق کسی زمانے کے صورت آشنا لوگوں کے متلاشی ہوتے ہیں۔

کیا یہ وہی ملک ہے جس میں ہم اکثر تن تنہا یا دو سواروں کو ساتھ لے کر سفر کرتے

تھے ۔ مگر اب جنگ میانی کا جری سپاہی چلتے ہوئے راستوں سے بغیر پچاس سواروں کی محافظت[1] کے چلنا حماقت تصور کرتا ہے ۔ کیا یہ وہی رئیس ہیں جن سے ہم نے ہمیشہ دوستانہ پیش آنے کے لئے حلف اٹھایا تھا ۔ یہ جانور جو بجز ظاہری صورت کے اور کچھ نہیں رکھتے کیا وہی حاکم ہیں جن سے ہم وقت ضرورت اکثر امداد طلب کیا کرتے تھے ۔

انگریزوں کا سندھیوں سے ناروا سلوک

اگر ہم کیوں قیمتی اوقات اُن زیادتیوں پر غور کرکے ضائع کریں جن کی نظیر بجز اُس معاملہ کے ضعف کے اور کچھ نظر نہیں آتی جن کی صفائی اُن کے ذریعہ سے کی جاتی ہے ۔ ہم اس بات کو یقین نہ کریں گے اور غور کرنے والی عیسائی پبلک محض جملوں کی آب وتاب سے واقعات کو نظر انداز کرے گی یا وہ چند سال کے گذر جانے کو اس قدر مؤثر ہونے دے گی جس کی وجہ سے سندھ کے ظلم وبیداد وغارت گری وسفاکی کو فراموش کر ڈالے گی ۔ لیکن وقت اور منصف خدا نے اُن واقعات کو ہویدا کر دیا ہے جن کو اب زیادہ عرصے تک پوشیدہ نہیں کر سکتے ۔ وہ لوگ جن کا خون اسٹریا والوں کے ظلم اور ہنگری والوں کے مصائب کی داستان سن کر اب تک جوش میں آتا ہے وہ یہاں آکر اتنے ہی زیادہ ظلم اور اُتنی ہی زیادہ تکلیفوں کے حالات پڑھیں جو ایک خود مختار قوم پر جائز ہوئیں جس کے وہ مستحق نہ تھے اور جو انگریزوں کے باعث سے ہوئیں ۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ جو لوگ اور دوسری داستان غم والم سے گڑھتے ہیں وہ اس سے رنجیدہ نہ ہوں جو سب سے زیادہ حسرت آلود داستان ہے ۔ کبھی عیسائیوں نے رنج وغلبہ سے سُنا ہوگا ۔ کیا وحشی ڈاکیوں اور اُن سے بھی زیادہ وحشیوں کے جو انسان اور حیوان کے درمیان برزخ کے طور پر ہیں ۔ حامی نکل آئیں گے اور کوئی ایک کلمہ ہمارے خاص

---

[1] منہ حصہ اول صفحہ ۱۲ ۔

دوستوں کے حق میں نہ کہے گا۔ یا ہاتھ پاؤں نہ ہلائے گا۔ جن کی حفاظت کا ہم نے متواتر صلح نامہ سے معاہدہ صالح کیا تھا اور جو ایسے مظلوم شخص تھے جن کے گرد عیاری اور بدمعاشی کا جال پھیلایا گیا تھا اور جو ایسی دروغ گوئیوں سے پھانسے گئے تھے جن کے پڑھنے سے روشنی بھی اندھیری معلوم ہوتی تھی۔

اہل انگلستان سے سوال انگلستان کے باشندو! ذرا اپنی فخریہ آزادی کی جانب غور کرو اور اپنی نبض کی اور زیادہ حرارت میں اُن لوگوں کا خیال کرو جو تمہارے ہاتھوں سے اپنی آزادی اور مسکن کی محافظت کے لئے مارے گئے۔ اور اُس چھوٹے مگر زیادہ بدنصیب گروہ کے لئے اظہار ہمدردی کرو جو ایک زمانے میں تمہارے دوست بلکہ محسن تھے اور اب ایک دور دراز ملک میں جلاوطنی کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور جن کے قید رکھنے والوں کو تم لوگ تنخواہیں دیتے ہو اور جس کی اعانت اور مدد کے تم ایک وقت میں متلاشی ہوئے تھے۔

اے انگلستان کی عورتو! ذرا اُن شہزادوں کی ماں بہنوں کا خیال کرو جن کے زیورات اتار لئے گئے ہیں۔ گھر سے نکال دی گئی ہیں اور ویران جنگلوں اور بردی گاہوں کے سم اور دلدلوں میں آوارہ، بے مونس و غم خوار مارے مارے پھرتے ہیں۔ لیکن اگر تم مخاطب نہ ہوگے تو یہ نہ خیال کرو کہ تمام سلطنتوں کے گوش ان زیادتیوں کی جانب سے بند ہیں۔

اہل سندھ پر مظالم کی افریقہ میں بازگشت افریقہ کا ملک بھی جو دور ہے اور صحرا کا ریگستان بھی آواز بازگشت پیدا کرتا ہے حال میں ایک مسافر جو اُن ویرانوں میں گشت کرتا تھا کیا کہتا ہے اُسے سنو۔

ہماری گفتگو یک بیک ایک نامی شخص کے آجانے سے رک گئی جو اس بن کا بمنزلہ سلطان کے ہے۔ یہ شخص مشہور و مالدار و طاقت ور ابن موسیٰ عطانی کہلاتا

ہے۔ اُس کا سِن بہت زیادہ ہے اور تقریبًا اندھا ہے اور اُن کا سردار ہے جو بہت زیادہ اور سربرآوردہ ہیں۔ جب اُس نے یہ سُنا کہ میں موجود ہوں تو تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے پوچھا کہ اے نصرانی تم سندھ سے واقف ہو۔ میں نے جواب دیا۔ ہاں اُس نے پھر پوچھا کہ وہاں انگریز ہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ اُس وقت اُس نے مُنہ پھیر کر لوگوں سے کچھ اپنی زبان میں کہا۔

مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ اُس نے یہ کہا کہ یہ نصاریٰ تمام مسلمان ملکوں کو ہضم کرتے جاتے ہیں۔ اُس کے بعد اُس نے یک بیک مجھ سے سوال کیا کہ انگریز وہاں جا کر کیوں مسلمانوں کو ہضم کرتے چلے جاتے ہیں بعد کو وہ یہاں آئیں گے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ سندھ کے امیروں نے بیوقوفی کی کہ انگریزوں کے خلاف سازش کی۔ لیکن سندھ کے مسلمانوں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو خود انگریزوں کو ہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ تو تم کہتے ہو اور پوچھنے لگا کہ تم لوگ گھر سے نکل کر دور مقامات پر اور لوگوں کے ملک چھین لینے کے لئے کیوں جاتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ترک بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ہائے تم لوگ بھی ویسے ہی ظالم ہونا چاہتے ہو جیسے کہ ترک ہیں اور مجھ سے کہا کہ بس اب خاموش رہو۔ حاضرین میں سے کوئی ایک کلمہ منہ سے نہ نکال سکتا تھا۔ یہ سکوت کچھ عرصہ تک رہا۔[۱]

اہلِ سندھ پر مظالم ایسی عمدہ رائیں ہم نے سندھ کی فتح سے حاصل کی ہیں۔ اور کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جہاں اُس ملک کے ظلم و ستم کا حال افریقہ کے ویرانوں تک پہنچ گیا ہے اُن کا کوئی اثر انگریزوں کی ہندوستانی رعایا پر نہیں ہوا ہے اور اُنھوں نے اُس پر مطلق خیال نہیں کیا ہے۔ آپ ایسے شخص کے

---

[۱] جیمس رچرڈسن کی تصنیف موسومہ صحرائے اعظم کا سفرنامہ جلد اول صفحہ ۲۳۲۔ ۱۲

بیان کا اعتبار کیجئے۔ جس کو سچ کے بگاڑنے میں کوئی غرض متعلق نہیں ہے۔ جو ہندوستان کے باشندوں کو خوب جانتا ہے جس نے اُن سے برادرانہ طور پر گفتگو کی ہے اور اُن کی طبیعتوں کو پہچانتا ہے۔ جو بڑے اور متکبر لوگوں سے پنہاں ہیں کہ سندھ کے ظلم وستم کی کیفیت لوح دل پر منقش ہے گو کہ اُن کے لئے۔ جو کچھ صدمہ اور رنج ہے وہ پوشیدہ ہے۔

بھاول پور کے خان نے بھی جسے سندھ کے فاتح اور گورنر جنرل نے اُس بے ایمانی سے حاصل کی ہوئی زمین کا حصہ دے کر عزت بخشی تھی۔ اُس شخص کی آزادی کے لئے فدیہ دیا۔ جسے انگریزی جرنیل نے بہت ستایا تھا۔ مگر یہ بیان قبل از وقت ہے۔ اس معاملے کو صاف طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سندھ کا قصہ جیسا کہ اس وقت ہے لکھا جائے۔ ایک مختصر بیان واقعات کا یعنی محض سچے حالات جن میں مبالغہ ہو اُن جھوٹی روایتوں کی تردید کردیں گے جو دنیا کے روبرو بیان کی گئی ہیں۔

تالپور خاندان

اس غلط بحث کی تردید کے لئے کہ تالپور خاندان والوں نے زبردستی ملک لیا تھا اور اس وجہ سے اور مناسب طور پر اُس دولت سے محروم کئے جا سکتے ہیں۔ جو اُنھوں نے ناجائز طریقہ سے حاصل کی تھی یہ ضروری ہے کہ چند کلمے اُن اختیارات کے ابتدا کے بارے میں کہے جائیں۔ ۱۷۷۲ء میں سرفراز خاں کلہوڑا نے جو متلون مزاج بیداد گر سندھ کا باشندہ تھا۔ تالپور کے سردار بہرام کو۔ جو سندھ کے نامی سرداروں میں تھا مع اُس کے ایک فرزند کے مروا ڈالا۔ اس ظالمانہ حرکت سے وہ تخت سے علیحدہ کیا گیا۔ لیکن اُس کے جانشینوں میں سے ایک شخص غلام نبی نے اُس سزا کا خوف نہ کر کے جو اُس کی نازیبا حرکت کی ملی تھی مقتول سردار کے باقی ماندہ فرزند کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے ایک جنگ ہوئی۔ جس میں غلام نبی ہار گیا اور

مارا گیا۔ فاتح نے جس کا نام بجر خاں ہے نہایت مجبوری سے مفتوح ظالم کے بھائی عبدالنبی کی اطاعت قبول کی۔ حالانکہ[۵۱] کل سندھ اُس کے قبضے میں آسکتا تھا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے حلف اطاعت کرنے کا لیا۔ مگر کسی تجربہ سے کلہوڑا خاندان کے بدنصیبوں کو عقل نہ آئی۔ عبدالنبی نے محسن یعنی اُس تالپور سردار کو قتل کرڈالا۔[۵۲] تمام سندھ کے لوگ اس سے برافروختہ ہوئے اور اُس ظالم اور دغا باز کلہوڑا کو ملک سے نکال دیا۔

تالپور حکومت کی ابتدا

اُس تاریخ سے یعنی ۱۷۸۳ء سے سندھ کی حکومت تالپور لوگوں کے سپرد ہوئی۔ سندھ کے لوگوں نے بالاتفاق انھیں اپنا حاکم تجویز کیا اور ہمارے پاس تحریری شہادت اُن لوگوں کی ہے جو اُس ملک میں گئے ہیں کہ اُس وقت سے اُس نے فارغ البالی میں ترقی شروع کی۔

میجر رینل کی شہادت موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلہوڑا لوگوں میں بہت سے سندھی دوسرے ملکوں میں اپنے حاکموں کے ظلم سے بھاگ جاتے تھے۔ اس کا مقابلہ امیروں کے عہد کی حالت سے کرنا چاہئے جیسا کہ مسٹر بڈل کی رپورٹ میں جو انھوں نے بمبئی کی گورنمنٹ کو کی تھی ظاہر ہے وہ لکھتے ہیں کہ سندھ کے تاجر ہوشیار اور تیز ہیں اُن کی حفاظت بخوبی ہوتی ہے۔ گو کہ ٹیکس کا اُن پر زیادہ بار ہے مگر اس قدر نہیں ہے کہ جس سے غیر ملک کے تجار اپنا وطن چھوڑ کر امیروں کی عمل داری میں رہنے کے لئے نہ آئیں۔[۵۳]

---

[۵۱] میر نصیر خاں مرحوم نے کسی قدر اس سے مختلف روایت ان معاملات کی جو یہاں مذکور ہیں بیان کی ہے اور یہاں ہم نے یورپین سندروں کے مطابق بیان کیا ہے۔ بے شک امیر کا بیان زیادہ مستند ہے اور ضمیمہ میں دیا ہوا۔

[۵۲] کتاب موسومہ "امیران سندھ" صفحہ ۹۲ – ۱۲

[۵۳] کتاب موسومہ "امیران سندھ" صفحہ ۱۶ – ۱۲

بمقابلہ کسی ملک کے جو درمیان دریائے سندھ اور فرات کے ہے سندھ کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ملک ہے جو شائستگی میں بہت بڑھا ہوا ہے گورنمنٹ گو کہ محنتی مگر نگراں اور باترتیب ہے اور اپنے فوائد کا اس قدر خیال رکھتی ہے کہ تجارت یا ملک کی زراعت کو خراب نہیں کر سکتی۔ رعایا مطیع اور بے شر ہے اور قوانین کا لحاظ کیا جاتا ہے۔"

سندھ میں امن وامان مسٹر الفنسٹن نے بھی ثابت کیا ہے کہ تالپور لوگوں کے پہلے حکومت پانے پر افغانوں کے تباہی خیز حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا جن میں ایک مرتبہ مدد خاں نے ملک کو اس قدر ویران کیا تھا کہ وہ تیس سال بخوبی نہ سنبھلا۔ باوجود ان سب باتوں کے امیروں نے حملہ آوروں کے ہٹانے میں آخرکار کامیابی حاصل کی اور اپنی رعایا کو مطمئن کیا۔ اُن کے قدموں کے نیچے حیدرآباد مال دار اور آباد ہو گیا اور یہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جہاں افغانستان میں خونریزی اور خوف کی عمل داری تھی اور خود ہمارے ہندوستان کی عمل داری میں خونریزی اور غارت گری ہو رہی تھی۔ سندھ میں امن وامان تھا۔ امیروں کو متہم کرنے والے صرف اس بات کا جواب دیں کہ اگر امیر ویسے منصف اور نیک بادشاہ نہ تھے جیسا کہ وہ بیان کئے گئے ہیں۔ تو ساٹھ برس تک ان لوگوں نے بلا کسی باہمی نزاع[1] یا رعایا کی بغاوت کے اس سلطنت پر کیسے حکمراں رہے۔ ایک زمانے میں بہت فتنہ وفساد رہتا تھا۔ اتہام عائد کرنے والے اس بات کا جواب دیں اور اگر ہو سکے تو اس کی کیفیت بیان کریں کہ سندھ کے لوگ اپنے بادشاہوں کو

---

[1] صوبہ دار نے بغیر لڑائی کے اپنی ریاست پائی گو کہ اُس نے اپنے آدمی اکٹھا کئے تھے میر رستم اور علی مراد میں تو نہر کی لڑائی اس وقت تک نہ ہوئی جب تک کہ میر رستم بالکل حکومت سے خارج نہ ہوا تھا اور وہ بھی نہ ہوتی ہوتی اگر ہم لوگوں نے علی مراد کی تائید اپنے آقائے نعمت سے باغی ہو جانے میں نہ کی ہوتی۔۱۲

بالاتفاق چار یار کے لقب سے کیوں پکارتے تھے۔

انگریزوں سے معاہدہ

اب ہم اپنے تعلقات کی تاریخ پر غور کرتے ہیں جو سندھ کے ساتھ ۱۸۰۱ء سے شروع ہوئے۔ جب وہاں ایک سفیر بمبئی سے گیا اور انگریزوں کی جانب سے ایک معاہدہ اتحاد کیا[۱]۔ جو اپنی حفاظت اور دوسروں پر حملہ کرنے کی شرائط پر میر غلام علی میر کرم علی اور میر مراد علی موجودہ فرماں روایان سندھ سے طے پایا۔ جوں ہی یہ اتحاد قائم ہوا اُس بدعہدی اور خلاف معاہدگی کے ساتھ جو ہمارے جملہ معاملات میں امیروں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ایک سفارت ۱۸۰۹ء اس کی منسوخی کے لئے بھیجی گئی[۲] مسٹر ہنکی اسمتھ کو جنھیں یہ کام سپرد ہوا تھا۔ ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے معاہدہ کو منسوخ کریں۔ سندھ میں فرانسیسیوں کے قیام کو روکیں اور انگریزی اور سندھی گورنمنٹ کے مناسب باہمی درجوں کو قائم کریں جو ایک عجیب اور مذبذب حملہ تھا۔

سندھ پر قبضہ کرنے کا مشورہ

ناظرین میں کوئی لاپرواشخص اُن شکایتوں کو سن کر ہنسے گا جو اُس وقت امیروں کی رقابت اور شکوک کی کی جاتی تھیں۔ جب اُسے یہ معلوم ہوگا کہ جس وقت ہم لوگ ایک ایلچی سندھ کے دربار میں پیغامات اتحاد اور خلوص لے کر بھیج رہے تھے۔ ہمارا سفیر متعینہ کابل گورنر جنرل کو رائے دے رہا تھا کہ ملک کو فتح کرکے اُس کے محاصل کا ایک بڑا جزو اُس کے خلقی اور جانی دشمن کے حوالے کیا جائے۔ اور ملک سرکاری مقبوضات میں شامل کردیا جائے مگر اُس لائق افسر کی نسبت انصافاً یہ کہا جاسکتا ہے اُس نے اپنی تجویز اس غلط خبر

---

[۱] اس کا کوئی ذکر سرکاری کتاب میں نہیں ہے اور نہ صلح نامہ شائع ہوا ہے۔ ۱۲

[۲] سرکاری کتاب کے صفحہ اول میں صلح نامہ کو دیکھو جس کی ابتدا الفاظ "د امیر اتحاد" سے۔ واہ کیا کہنا۔ ۱۲

کے پائے پر پیش کی کہ امیروں نے ہمارے دشمن فرانسیسیوں سے سازش کرلی ہے یا اُن کے ساتھ اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں۔

گورنر جنرل لارڈ منٹو کی حکمت عملی

گورنر جنرل لارڈ منٹو نے اس رائے کو اُس وقار اور خیال خوش معاملگی سے نامنظور کیا جو ایک انگریز فرماں روا کے شایان شان ہے اور ساتھ ہی ساتھ سندھ کے امیروں کو مطلق العنان بادشاہ تسلیم کیا اور افغان بادشاہ کے دعوے خراج گیری جو اُن کی نسبت کیا گیا تھا[له] متروک قرار دیا۔ سفیر نے اُس غلطی کو تسلیم کیا۔ جو اُس سے سرزد ہوئی تھی اور اپنی ناواقف کاری کا عذر ایسی تجویز کی نسبت پیش کیا جو نا منصفانہ اور خلاف مصلحت ملک گیری تھی۔ مگر کوئی ایمان دار شخص یہ نہ کہے گا کہ امیروں کے شبہے بالکل بے بنیاد تھے اُن کا دفعیہ اُس حملہ سے نہ ہو سکتا تھا جو ہم نے کچھ پر سنہ ۱۸۱۶ء میں کیا اور آخر کار اُس پر سنہ ۱۸۱۹ء میں قبضہ کر لیا۔ یہ ملک سندھ کی سرحد کے ساتھ ملتا ہے۔

معاہدات کی تجدید

ایک زمانے میں تقریباً اُس کے ساتھ غلام شاہ کلہوڑا نے ملحق کر لیا تھا۔ کچھ پر فتح حاصل کرنے سے سندھ کے ساتھ سنہ ۱۸۲۰ء[له] میں تجدید صلح نامجات ہوئی۔ یعنی ہم لوگوں نے اتحاد کا حلف اس وقت تک کے لئے لیا جب تک کہ موقع مناسب ملک پر قبضہ کرنے اور اپنے دوستوں کو برباد اور قید کرنے کا نہ ملا۔ سنہ ۱۸۱۸ء میں امیروں نے ایک انگریزی افسر کو ملاقات کرنے کے لئے طلب کیا یعنی اُس قسم کے افسر کو جس کے وہ اپنے ملک میں آنے کے روادار تھے اور وہ طبیب

له سرکاری کتاب کا صفحہ اول ملاحظہ کرو۔ کیونکہ صلح نامہ تمام یوروپین اور امریکن کو سندھ میں داخل ہونے سے منع کرتا ہے اور امیروں کو پابند کرتا ہے کہ چند ڈاکو نرتوں کو کچھ کے ہم سرحد تھے غارت گری سے باز رکھیں۔ ۱۲

تھا۔ وہ[1] افسر خوش نصیبی سے امر حق کے لئے لائق اور غیر متعصب تھا۔ یعنی ایسا شخص تھا جس کی نیک مزاجی اور بہت سے اوصاف امیروں کو غالباً ہمارے ہم وطنوں کی نسبت پہلے سے عمدہ رائے قائم کرنے کے لئے موزوں تھے۔ اُس کی شہادت کافی طور پر اُن اتہامات میں سے بہتیروں کی تردید کرتی ہے۔ جو امیروں کے خلاف اُن کی معزولی کو جائز کرنے کے لئے کہی گئی ہیں۔

امیران سندھ کا منشیات سے اجتناب

جب ہم کتاب موسومہ "فتح سندھ" میں امیروں کے دائمی نشی حالت کا ذکر پڑھتے ہیں تو ہم کو نہایت تعجب ہوتا ہے کہ ایک طبیب جو اُن کے ہاں مہینوں تعینات رہا ذیل کی کیفیت ان کی بیان کرتا ہے[2]۔ "سندھ کے امیر عیش و عشرت میں معمولی مسلمان بادشاہوں سے کم غرق ہو رہے ہیں۔ میر مراد علی نے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت کیا کہ آیا مجھے کوئی اعتراض اُس کے دارو پینے پر ہے جس کے معنی میں نے معمولی طور پر مقطر شراب کے سمجھے اور میں نے کہنا شروع کیا کہ تمام محرک عرقوں بالخصوص شراب سے اجتناب بہتر ہوگا اس نے مجھ کو روک کر کہا کہ "میرے روبرو اُس ممنوع شے کا نام نہ لیں"۔

مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ اُن کی غرض انار سے تھی اور گو کہ اس حکایت سے لوگ ظاہرداری کا اظہار بہت سے لوگوں کے روبرو تصور کریں، تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ صحیح ہے کہ امیر نشی اشیا کا استعمال نہیں کرتے انھوں نے بے عزتی کے ساتھ اُن لوگوں کو نکال دیا ہے جو شراب پی کر گئے ہیں۔ اور میر علی مراد کی ملازمت سے ایک بلوچ عالی نژاد سردار بہادر خاں بہت عرصے تک ایک بار نشے میں پائے جانے کے باعث معطل رہا

---

[1] ڈاکٹر جیمس برنس آف انالس مشہور سیاح سر الگزنڈر برنس کے بھائی۔ ۱۲

[2] کتاب "امیران سندھ" صفحہ ۲۰۔ ۱۲

رہا۔ امیر بالعموم ننگچروں کی قسم کی ادویہ کے استعمال سے متعرض اس لیے ہوتے تھے کہ اُن میں شراب تھی۔ اُن کے دربار میں حقہ تک نہیں نظر آتا اور نہ خاندان میں کوئی افیم کھاتا ہے۔[1]

امرائے سندھ کی پابندی شرع

امیروں کے وزیر اور مشیر معتمد الیہ کی نسبت وہی مصنف یہ قابل لحاظ کیفیت بیان کرتا ہے۔ "اس روز دن بھر جب کہ میں بستر لگا رہا تھا وہی محمد خاں جس کو میرے ساتھ اس وجہ سے خوش اعتقادی تھی کہ میں اُس کے بچوں پر زیادہ توجہ کرتا تھا اور اُس کے ساتھ ہم کلام ہوا کرتا تھا۔ میرے پلنگ کے پاس سے نہ ہٹا اور جب وقت میرے حواس درست ہوئے تو پہلے میری نگاہ اُس بوڑھے شخص پر پڑی کہ میری صحت کے لیے سربسجود ہے۔ ایسی ہمدردی بہتر لوگوں کے لیے قابل تقلید ہے۔

ڈاکٹر برنس لکھتے ہیں کہ "مذہب کی پابندی میں امیروں کا کل خاندان نہایت ہی سخت تھا اور میں نے اُن میں سے بہتیروں کو دربار عام میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

لفٹیننٹ برنس کی سفارت

جب سے ڈاکٹر برنس حیدر آباد گئے کوئی امر قابل لحاظ ہمارے سندھ کی آمد و رفت میں جنوری ۱۸۳۱ء تک واقع نہ ہوا۔ اُس وقت سر الیگزینڈر برنس جو اُس وقت لفٹیننٹ برنس تھے وہاں رنجیت سنگھ کے لیے تحائف لے کر آئے اور اُن کو پوشیدہ احکامات دریائے سندھ کی راہ کی تجسس کے دیئے گئے تھے۔ تعجب ہے کہ امیر غیر ملک والوں کے ساتھ رقابت میں اصرار کرتے تھے اور ایک

---

[1] متواتر بیانات جو امیروں کے منشی ہونے کے "نتح سندھ" میں دیئے ہوئے ہیں وہ اُسی قسم کے ہیں جو اُن کے پڑھنے یا لکھنے کے ناقابل ہونے کے بارے میں ہیں۔ اس کا مقابلہ اُس سے کیجئے جو ڈاکٹر برنس نے نصیر خاں کی نسبت لکھا ہے۔ "میری موجودگی میں حیدر آباد کی جانب ہز ہائینس کی پارسائی اور شاعری کی ہمیشہ تعریف ہوا کرتی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ اُن سے درخواست کی کہ وہ ایک جلد اپنی تصنیفات موسومہ دیوان جعفر عنایت کر کے افتخار بخشیں۔" ۱۲

سندھی سپاہی نے دلیرانہ زیرکی سے بجواب ہمارے سفیر کے اس کلام کے کہ میں نہتا آیا ہوں کہا کہ "برائی ہو چکی کیونکہ تم نے ہمارا ملک دیکھ لیا[۱]۔"

جب لفٹیننٹ برنس دریا کے چڑھاؤ پر روانہ ہوتے تو ایک سندھی نے اپنے ہمراہی سے مخاطب ہو کر کہا "افسوس اب سندھ جاتا رہا کیونکہ انگریزوں نے دریا کو دیکھ لیا جو اس کی فتح کا رستہ ہے۔" گو کہ امیروں نے صاف صاف اظہار کر دیا کہ وہ اصل غرض ہماری آمد کی سمجھ گئے۔ تاہم وہ ہمارے سفیر کے ساتھ باخلاق پیش آئے اور گورنمنٹ کی خواہشوں کو جب وہ ان سے ظاہر کی گئیں فوراً منظور کر لیا[۲]۔

میر رستم والی خیرپور کی مہمان نوازی

خیرپور کے حاکم میر رستم نے اور بھی زیادہ خواہش خوش کرنے کی ظاہر کی۔ اس نے ایک معتمد افسر محمد گوہر کو اسی میل آگے ہمارے سفیر کے استقبال اور انگریزی گورنمنٹ کی کامل اطاعت کے اظہار کے لئے روانہ کیا[۳]۔ سفارت کے ساتھ بہت سا سامان بھیڑ۔ آٹا اور میوہ و مصالح و شکر گھی و مکھن و تمباکو و افیم وغیرہ کا جس پر ہمارے لوگوں نے خوب ہاتھ مارے۔ بھیڑیں ذبح کر کے پکائی جاتی تھیں۔ چاول اور گھی کا مزے دار طعام پکتا تھا اور میں یقین کرتا ہوں کہ تمام لوگ میر رستم کا اسی طرح شکریہ ادا کرتے تھے۔ جس طرح ہم لوگ کرتے تھے اور میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ محض ابتدا ایک ایسی ضیافت کی تھی جو روزانہ اس عرصے تک ہوتی رہی۔ جب تک ہم لوگ اس کے ملک میں رہے۔ یعنی تین ہفتے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد میر رستم کا وزیر فتح محمد خاں غوری ہمارے سفیر سے ملنے آیا۔

---

[۱] برنس کے سفرنامہ "جلد تیسری" صفحہ ۱۲۔

[۲] سفرنامہ برنس صفحہ ۴۸۔ ۱۲

[۳] سفرنامہ برنس صفحہ ۶۰۔ ۱۲

اُس کو ایک بوڑھے شخص نے بیان کیا ہے جو نیک اور خلیق تھا۔ لفٹیننٹ برنس لکھتے ہیں۔ کہ ہماری مدارات لطف و کرم کے ساتھ کی گئی۔ وزیر نے ہم کو اطمینان دلایا کہ اُس کے آقا کو ہماری آمد کی خبر سُن کر نہایت خوشی ہوئی۔ کیونکہ ایسے عرصے سے خواہش تھی کہ انگریزوں سے زیادہ خلوص پیدا ہو اور اب تک گورنمنٹ کے کسی سفیر سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اُس نے کہا کہ میر رستم کو اس بات کا زعم نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ایسی بڑی اور طاقت ور قوم کے ہم پلہ تصور کرے۔ لیکن یہ امید ہے کہ اُس کے بہی خواہوں میں اُس کا شمار کیا جائے اور ایسا شخص خیال کیا جائے جو ہر حالت میں خدمت کرنے پر آمادہ ہے۔

لفٹیننٹ برنس کی میر رستم سے ملاقات اُس کے بعد لفٹیننٹ برنس نے خیر پور میں میر رستم سے ملاقات کی۔ کسی قدر استعجاب کے ساتھ ہم اُس شخص کی تقریر پر نگاہ کرتے ہیں جسے "فتح سندھ" میں شرابی اور عیاش شخص لکھا ہے۔ ناظرین ذرا اس شبہ کا انصاف کریں۔ جو کچھ امیر کہتا تھا اُس میں اس قدر ملائمت تھی کہ ہم لوگ یقین نہ کر سکتے تھے کہ ہم بلوچی دربار میں اس وقت موجود ہیں۔ اس نے افسوس ظاہر کیا کہ ہم لوگ ایک ماہ تک اُس کے ہاں قیام نہ کر سکے اور چونکہ ہم لوگ رخصت ہونے پر آمادہ تھے۔ ہم کو اُس نے اپنا خاص بجرا دیا اور سرحد تک اپنے وزیر زادے کو ساتھ کر دیا۔ اور کہا کہ جب تک خیر پور کی عمل داری میں رہیں ایک بلوچی سپاہی (اپنی جانب اشارہ کر کے) کی مہمان داری کو قبول کریں۔ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جس مہمان داری کا اُس نے اس قدر انکسار کے ساتھ بیان کیا وہ یہ تھی کہ روزانہ آٹھ یا دس بھیڑ اور ہر قسم کا سامان ڈیڑھ سو آدمیوں کے لئے ملا کرتا تھا اور جب تک خیر پور میں رہے وہ ہر روز ہمارے استعمال خاص کے لئے بہتر قابیں کھانے کی بھیجا کرتا تھا۔

لفٹیننٹ برنس کے لئے تحائف روانگی سے قبل امیر اور اُس کے خاندان والوں نے دو خنجر بھیجے اور دو تلواریں جن کے قبضوں پر طلائی کام زیادتی کے ساتھ

تھا - ایک کا قبضہ اسی پونڈ مالیت کا قرار پایا تھا - ان کے ساتھ بہت سے کپڑے ریشمی اور سوتی آئے تھے اور ایک تھیلی ہزار روپیوں کی تھی جسے میں نے یہ کہکر واپس کیا کہ اب کوئی شئے مزید میر رستم خان کی عنایت کے یاد رکھنے کے لئے مجھے درکار نہیں ہے۔"

لفٹننٹ برنس کا سفرنامہ

برنس کے سفرنامے کی تیسری جلد کے دیکھنے سے بہت سی سندیں اسی قسم کی میر رستم کی عمدہ و خلیق اور اعتبار کرنے والی طبیعت کی ملیں گی - اور واقعی ایک لفظ بھی اُس شخص کی زبان سے جو اُس سے ذاتی واقفیت رکھتا تھا اور جس کو کسی غرض سے کام نہ تھا اُن تمام لوگوں کے حاسدانہ الزامات سے زیادہ وزن رکھتا ہے جنھوں نے سندھ میں کبھی قدم نہیں رکھا نہ وہاں کے کسی باشندے سے گفتگو کی اور جن کی غرض بالکل ظاہر ہے -

دریائے سندھ کی جہازرانی

اب انگریز کئی سال سے اپنا موقع ڈھونڈھ رہے تھے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ دریائے سندھ قابل جہازرانی ہے اور امیروں کے جواہر و تحائف جو وہ اپنے پاس آنے والے یورپین لوگوں کو فیاضی سے دیا کرتے تھے - ثابت کرتے تھے کہ وہ مالدار ہیں - انگریزی گورنمنٹ سے اُن لوگوں کو رفتہ رفتہ الفت ہوتی جاتی تھی - یہ مناسب سمجھا گیا - کہ اُن سرداروں سے زیادہ اتحاد بڑھایا جائے جن کے دارالسلطنت میں رسائی اس قدر آسان تھی - اور جو اپنے محافظین کے اخراجات کو ادا کر سکتے ہیں - ۱۸۳۲ء و ۱۸۳۴ء کے صلح ناموں سے ہم نے دریائے سندھ کی جہازرانی کو قائم کیا - امیروں کو ایک نئے زمانے کی جانب متوجہ ہونے کی تعلیم دی گئی - اُن کو بتایا گیا کہ تجارت اپنے طلائی بازوں سے اس قدر دولت لائے گی جو ختم نہ ہوگی - دولت اور شائستگی ملک میں پھیلائی جائے گی - اور امیر خود بہ اطمینان انگریزی جھنڈے کے سایے میں رہیں گے - یہ خیالات آئندہ کے لئے تو خوب ہیں مگر بالفعل امیروں کی آمدنی جو دریائے سندھ سے ہوتی ہے رفتہ رفتہ کم ہوجانے والی تھی -

امیران سندھ اور انگریزوں کا مساوی درجہ

اس امر کا بالکل ناپسندیدہ شبہ دفع کرنے کے لئے دونوں سلطنتوں نے باہم اقرار کیا کہ ایک دوسرے کے مقبوضات کو نسلاً بعد نسلٍ لالچ کی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ یہ شرط گو کہ عبارت سے بدرجہ مساوی فریقین پر عائد ہوتی ہے تاہم خاص امیروں پر واجب التعظیم تصور کی گئی ہے جن کی فوج میں کئی ہزار بے قاعدہ سپاہیوں کے ہونے سے جو کمتر و مطیع ہیں یہ زیادہ بہتر تھا کہ وہ ہندوستان کی فتح کا قصد کریں بہ نسبت اس کے کہ ہماری گورنمنٹ جس کے پاس پانچ لاکھ یا اس کے قریب سپاہی زیادہ تر قواعد دان ہیں۔ سندھ کے فتح کا قصد کرتے۔

اتحاد ثلاثہ

مگر اس بات کو ہم درگذر کرتے ہیں اور اس مشہور اتحاد ثلاثہ کا ذکر کرتے ہیں جو ۱۸۳۸ء میں مابین کابل کے مسلمان بادشاہ و لاہور کے سکھ فرماں روا اور انگریزی گورنمنٹ کے طے پایا۔ انگریزوں کو ایک سخت خوف روسیوں کا ہندوستان پر حملہ کرنے کا ہو گیا تھا۔ اس لئے اُن کی خواہش تھی کہ اس خیالی خطرے کی روک کے لئے افغانستان میں ایک دیوار قائم کریں۔ اس بات کے حاصل کرنے کے لئے سندھ سے ہو کر گذرنا اور اس ملک میں جنگی کارروائی کی ابتدا کرنا ضروری تھا۔ روپیہ ہی بادشاہ سازی کے خرچ کے لئے درکار تھا۔ ہمارے دوستوں یعنی امیروں پر ہر قسم کا دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔ اور جب یہ بات ہمارے اختیار میں تھی کہ ہم سب لے لیں تو صرف ایک جزو کے لینے کے لئے کون ہماری رعایت کی تعریف نہیں کر سکتا تھا۔

فوجی مقامات کی حوالگی کا مطالبہ

چنانچہ ہم نے درخواست کی کہ ہماری فوج سندھ میں سے ہو کر آزادانہ گذرنے پائے، ہر قسم کا سامان ایک بڑی فوج کے لئے دیا جائے اور خاص خاص فوجی مقامات ہمارے حوالے کئے جائیں۔ ہمارے پولٹیکل افسر امیروں کے درباروں میں دوامی سکونت رکھیں۔ اور وہ لوگ اپنے کئی

حقوق خود مختارانہ بادشاہوں کے چھوڑنے پر رضامندی ظاہر کرکے ہماری حکومت کو تسلیم کریں۔ ان فضولیات کا صلہ ہماری جانب سے امیروں کو ہماری حفاظت اور شاہ شجاع کے باقتنی خراج سے آزادی قرار دیا گیا۔

مگر ایسا اتفاق ہے کہ ۱۸۰۹ء میں اس قدر عرصے سے گورنر جنرل نے تسلیم کر لیا تھا کہ افغانوں کا دعوے سندھ سے خراج وصول کرنے کا متروک ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک یا دو بار شاہ شجاع نے بزور فوج امیروں سے زر نقد برائے خراج کے حیلہ سے وصول کیا تھا مگر اس وقت وہ بغیر ہماری مدد کے اپنے مطالبوں کی تعمیل کرانے کے بالکل ناقابل تھا۔ اس کے سوا امیروں نے دو تحریریں پیش کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو آئندہ تمام مطالبوں سے بری کیا جائے۔ اور یہ تحریریں فارسی میں لکھی ہوئی تھیں اور ان پر بادشاہ کے دستخط اور مہر تھی[1]۔ ہمارے ریذیڈنٹ نے خود ان دستاویزات کو دیکھکر بہت کچھ پس وپیش ظاہر کیا اور بہ لحاظ اس خیال کے جو تمام معزز لوگوں کو اپنے چال وچلن کا لوگوں کی جانب سے ہوتا ہے اُن کا دبا دینا نہایت ضرور سمجھا گیا۔

قلعہ بکر پر قبضہ کی خواہش

لیکن انگریزی چال چلن کی عمدگی اور دیانت اُن معاملات میں صاف صاف نظر آتی ہے جو میر رستم کے ساتھ اس وقت ہوئی گورنر جنرل خاص کر اس بات کے خواہاں تھے کہ بکر کے قلعہ کو فوج کا مستقر بنانے کے لئے لیں۔ سر ولیم میگناٹن نے سر الیگزینڈر برنس کو لکھا تھا کہ گورنر جنرل جیسا کہ آپ کو معلوم ہے بکر پر قبضہ کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں[2]۔ اور آپ غالباً میر رستم خان کا استمزاج کرسکیں گے۔ کہ وہ ہم لوگوں کے اس پر قبضہ کرنے کی نسبت کہاں تک راضی ہیں۔ اس

---

[1] سرکاری کتاب صفحہ ۱۴ - ۱۲

[2] کتاب سرکاری صفحہ ۱۸ - ۱۲

کے ساتھ آپ کو ایک کاغذ گورنر جنرل کا مہری اور دستخطی ملے گا۔ جس میں انھوں نے لکھ دیا ہے کہ ہماری خواہش اُس قلعہ پر صرف چندروزہ قبضہ کی ہے۔ اور آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر موقع ہو تو آپ اُسے پیش کر دیں"۔

سر الیگزینڈر کی بدعہدی

جواب میں سر الیگزینڈر برنس نے رائے دی کہ ہم لوگ اُس قلعہ کو جو یہی عارتیًا پائیں اُسی بنیاد پر چھین لیں[1] کہ ہم لوگوں نے امیروں کے اُن مقبوضات پر متصرف نہ ہونے کا معاہدہ کیا تھا جو دریا کے دونوں جانب ہیں۔ لیکن جزیروں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔

یہ سب عمدہ خیال ایک عیسائی مدبر کے حسب حال ہے۔ یہی خیال کرنا چاہیے کہ حب الوطنی کے باعث اُس نے کس قدر میر رستم کی اُس مہمان نوازی کو فراموش کردیا جس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور نیز اُن تحائف کو جو اُس رئیس نے اُس کو دیئے تھے .... یہ موقع نہیں کہ ہم عرصے تک ان مسرت انگیز یادوں کی باتوں پر زیادہ غور کریں۔ جو ہمارے معاملات سندھ کے بارے میں عمدہ اوصاف ظاہر کرتے ہیں۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ قلعہ بکھر واپسی کے اقرار صالح پر عارتیًا دیا گیا۔ اور امیر کا شکریہ نہایت ہی عمدہ الفاظ میں اس اظہار خلوص کے لئے کیا گیا۔ اور ہم نے اُس کے واپس دینے کے وقت اور طریقے کے خیال کو بالائے طاق رکھا۔ اس وقت میر رستم نے ہمارے معاملے میں ایسی خوش اعتقادی ظاہر کی کہ شمالی سندھ کے پولٹیکل ایجنٹ نے بھی ذیل کی عبارت اُس کی نسبت لکھی۔ "میں نے ایسے عمدہ آزادانہ اقرار کا بہت شکریہ ادا کیا۔ ایسی حمایت کے ساتھ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم لوگ کیونکر اس خاندان سے زر نقد یا کوئی اور شے طلب کر سکتے ہیں۔ میں نے کبھی اس امر میں شک نہیں کیا ہے کہ وہ

---

[1] سرکاری کتاب صفحہ ۱۲۰۔

خلوص دل سے ہمارے شریک ہیں۔ لیکن اُن کی کمزور حالت سے وقت آزمائش کے مجھے اس قدر استقلال کی امید نہ تھی[۱]

امرائے حیدر آباد سے صلح نامہ

۲۴ ستمبر ۱۸۳۸ء کو ایک صلح نامہ اُن شرائط کے تحت میر رستم کے ساتھ طے پایا اور ۱۱ مارچ ۱۸۳۹ء کو عرصے تک گفتگو قایم رہنے کے ایک دوسرا صلح نامہ بچودہ شرایط کا حیدر آباد کے امیروں سے ہوا۔ خیرپور کے صلح نامہ میں یہ شرائط تھیں۔ اولاً دائمی اتحاد۔ دوم تحفظ منجانب سرکار انگریزی۔ سوم ماتحتی شرکت منجانب خیرپور۔ چہارم باستثنائے اعزاز احباب کے ریاست ہائے غیر سے ممانعت خط وکتابت۔ پنجم ریاست ہائے غیر کے جھگڑوں میں انگریز کی ثالثی۔ ششم خیرپور سے بروقت طلب حسب استعداد فوجی امداد۔ ہفتم کوئی شکایت خلاف میر رستم اُس کے خاندان یا رعایا کے نہ سنی جائے گی۔ ہشتم دریائے سندھ تجارت کی سہولت میں میر رستم کی امداد۔ نہم باہمی متعینہ سفیروں کا تقرر۔ دہم منظوری صلح نامہ اندر میعاد بیالیس یوم۔ حیدر آباد کے صلح نامہ کے معاملہ کے نسبت تاوقتیکہ اتفاقیہ نہ ہو۔ یہاں بحث کرنے کی غرض نہیں ہے۔ یا تالپور کے خاندان کے اُس جزو کی تکلیفات کی نسبت۔ وہ خود اُس وقت ثابت سمجھا جائے گا۔ اگر صاف صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ ہماری جانب سے خیرپور کے امیروں کی نسبت بے انصافی ظہور میں آئی۔ ہم لوگ اُن کارروائیوں کے طرز سے جو اُن کی نسبت عمل میں آئیں نظر انداز کر سکتے ہیں جو اُن کے بھائیوں کے ساتھ جنوبی سندھ میں کی گئی ہوں گی۔

امرائے خیرپور سے ناانصافی

لہٰذا حیدر آباد کے معاملے کی تجویز کو چھوڑ کر ہم خیرپور کے صلح نامے کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ سر الیگزینڈر برنس

[۱] سرکاری کتاب صفحہ ۱۵۲-۱۲

کی شرح کے ساتھ سرکاری کتاب کے صفحہ ۸۰۸ میں ملے گا۔ ان رایوں میں ایک رائے دفعہ کے نسبت ہے جسے اگر امیروں نے دیکھ لیا ہوتا تو انھیں کچھ صحیح اندازہ مل گیا ہوتا۔ کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہونے والا ہے۔ ہمارے ایجنٹ لکھتے ہیں کہ "میں نے آسانی سے کشتیوں کا محصول ہمیشہ کے لئے موتوف کردیا ہوتا۔ مگر یہ خطرناک بات ہوگی کہ جب تک ہمارا خاص اختیار سندھ میں قائم نہ ہوجائے۔ کشتیوں کے محصول سے امیر حفاظت مال کے کرنے کی بابت پابند ہیں۔ اس کے موقوف ہوجانے سے مال کی حفاظت کرنے کی پابندی سے وہ سبک دوش ہوجائیں گے۔" یہ رائے ایک متوسط اندازہ اس حکمت عملی کا ہے جو ہم نے سندھ میں جاری کر رکھی تھی۔

انگریزوں کا فریب ہر ایک قدم جو آگے بڑھ سکتا تھا وہ بایا جاتا تھا اور ان سے بڑھ کر زیادتیاں جو ظاہراً بغیر ایک بے موقع جنگ کے خطرے کے نہ کی جاسکتی تھیں ملتوی رکھی گئی تھیں۔ جب تک کہ ہمارا خاص دباؤ سندھ میں نہ قائم ہوئے یعنی پورا سندھ انگریزی ماتحتی میں نہ آجائے۔ اور اسی کو ہم لوگ اتحاد قائم کرنا کہتے ہیں۔

ہم لوگوں نے حلف لیا تھا کہ امیروں کی عمل داری کے ایک ذرہ کی طمع بھی نہیں کریں گے۔ مگر ہمارا پولیٹکل ایجنٹ ڈھٹائی سے گورنر جنرل کو خطرناک زیادتیوں کے اس وقت تک ملتوی رکھنے کی رائے دیتا ہے جب تک کہ ہمارا اختیار ملک کے مستحق حاکموں کے اختیار کے بجائے قائم نہ ہوئے۔ ایسے فریب کی پیش روی سے تو سر چارلس نیپیر کی تقریباً اعلانیہ اور دلیرانہ زیادتی اچھی ہے۔ اور بہ لحاظ جگہ کے ہم کو چاہیئے۔ کہ اس اخیری انتہائی معرکے کی جانب تعجیل کریں[1]۔ درمیانی وقت پر پہلے سے کافی طور پر قبل کی یادداشت میں

---

[1] ہم صحیفۂ فتح سندھ کا بھی اس سخت بے انصافی کے بیان کے بارے میں اعتبار کر سکتے ہیں جو امیروں کے ساتھ قبل ظہور کے ہوئے۔ حصہ اول صفحہ ۹۴ باب دوم ملاحظہ کرو۔ ۱۲

غور کیا جا چکا ہے۔ وہاں یہ بات نظر آئے گی کہ ہماری راہ و رسم مذکورۂ بالا صلح نامہ کے وقت سے نہایت ارتباط کے ساتھ سکھر میں مسٹر راس بل اور کیپٹن براؤن کی آمد تک امیروں کے ساتھ قائم تھی۔

علی مراد کی امتیازی حیثیت

یہ حکام اپنے ساتھ بہت سے دہلی کے عیار عہدہ دار لائے جن بزرگواروں میں سے بہتیروں نے اپنے جرائم کا کفارہ قید خانوں میں دیا۔ اُن لوگوں نے خود گستاخانہ طرز میر رستم اور دوسرے امیروں کے ساتھ علی مراد جیسا اختیار کیا جسے کسی یورپین نے ایک لمحہ بھر بھی برداشت نہ کیا ہوتا۔ صلح نامہ کے دفعہ ، کے بالکل برخلاف علی مراد کی سماعت ہوتی تھی۔ اور اُس کی تائید برخلاف اُس کے سردار میر رستم سے کی جاتی ہے۔ دہلی کار ہنے والا ایک عہدہ دار جو سخت دروغ گو تھا اور جعل سازیوں کے لئے بعد کو سزایاب ہوا۔ علی مراد کے دربار میں گیا اور وہاں بہت جلد اُس رئیس کا مشیر اور وزیر بن گیا۔ اُس بدچلن زمانہ ساز اور پولیٹیکل ایجنٹ کے دیسے ہی بدنام اور بدچلن معتمد الیہ منشی میں روزانہ خط و کتابت ہوتی تھی۔

اہم کاغذات کی چوری و فروختگی

اول الذکر کا ایک معینہ جاسوس پولیٹیکل ایجنٹ کے دورے میں ساتھ رہتا تھا اور نہایت ہی مخفی خط و کتابت کی

لہ سرکاری کتاب صفحہ ۲۲ ضمیمہ ۱۵ سنہ ۱۸۳۱ء

ہ البتہ سرکاری کتاب ضرور صحیح ہوگی اور صلح ناموں کا بے شک ترجمہ نہایت صحت کے ساتھ کیا گیا ہے صفحہ ۱۹ میں مثلاً خیرپور کے صلح نامہ کی ایک عبارت کا ترجمہ بڑی صحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ "ہم لوگوں نے معاہدہ کیا تھا کہ امیروں کے ایک دام یا درم کا لالچ نہ کریں گے۔ ناواقف پڑھنے والے کو سمجھنا چاہیے کہ ان لفظوں کو انگریزی میں تلفظ دام یا درم ہے اور اُن سے دو چھوٹے چھوٹے سکہ زر سے مراد ہے۔ یعنی ہم لوگوں نے امیروں کے ایک فارذنگ کے لالچ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تھا مگر ان کا انگریزی میں کیا خوب ترجمہ اُن الفاظ میں ہوا ہے جن میں سے ایک کے معنے دریکے میں اور دوسرے

کے مہری سکے۔ ۱۲

نقلیں اس کے حوالے کی جاتی تھیں بلکہ ایک مدت کے بعد نہایت ہی اہم اصلی کاغذات چُرا کر علی مراد کے ہاتھ نہایت علانیہ اور بے حیائی کے ساتھ فروخت کئے گئے۔ خلاصہ یہ کہ جہاں علی مراد کے ساتھ جو اس قدر عرصۂ دراز تک ہم لوگوں سے علیحدہ تھا[1] اپنی ظالمانہ ادعیانہ تدابیر حصول برتری کی کرنے میں اعانت کی جاتی تھی، وہاں میر رستم کے ساتھ اس کے اتحاد اور خلوص کو خود لارڈ آکلینڈ نے نواب بھاول پور کے اتحاد و خلوص کے ساتھ مساوی قرار دیا تھا۔ نہایت بے حیائی اور قابل تنفر ناشکری کا برتاؤ ہوتا تھا[2]

پولٹیکل ایجنٹ کا میر رستم سے اہانت آمیز رویہ

میر رستم نے علانیہ پولٹیکل ایجنٹ کی توہین آمیز طریقہ کی شکایت کی۔ بلکہ اُس نے یہ بھی کہا کہ اپنی شکایتوں کے ظاہر کرنے کے لئے ایک سفیر گورنر جنرل کے پاس بھیجوں گا اور اس طور پر ہمارے ایجنٹ کو اور بھی زیادہ اپنا دشمن بنا لیا۔ اب کوئی منصف مزاج شخص اُس وقت کی حالت کو تصور کر سکتا ہے جو امیر کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کرتا یا کہتا ہے اُس کی نسبت نہایت غلط طور پر خلاف بیان کیا جاتا ہے۔

میر رستم کے وزیر کی اہانت و برطرفی

اس کا وزیر جسے وہ خود اپنے بھائی کے طور پر بیان کرتا تھا علانیہ مورد توہین ہوا۔ اور اُس کی حضوری سے نکلوا دیا گیا۔ اور ہمارا ایجنٹ اُس کا علانیہ دشمن تھا۔ کیا ہر شخص جو اپنے کو انگریز کہتا ہوا ایک بوڑھے رئیس کے اس قدر ستائے جانے پر شرمندہ اور پریشان نہ ہوگا جس کے اتحاد اور خدمات

---

[1] کتاب سرکاری صفحہ ۲۱۲ ملاحظہ کرو۔ اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ علی مراد اندر سے ہم لوگوں کا مخالف تھا اور اب جو وہ آکر شریک ہوا ہے تو اس کی وجہیں یہ ہیں کہ ایک تو وہ دیکھتا ہے اور دوسرے میں اس بات سے واقف ہو گیا ہوں۔ جو اُس کے اور مہراب خاں کے درمیان خط و کتابت ہوئی تھی۔ سند کا خط بنام گورنر جنرل ۱۲۔

[2] کتاب سرکاری صفحات ۱۲۷ و ۱۴۰ و ۱۸۲ ۔ ۱۲

کی بار بار خود گورنر جنرل نے تعریف کی تھی۔ یہ کس قسم کا اتحاد ہے جس سے کمزور فریق کو شہزادے کے ایک ملازم کی تمام توہین آمیز حرکات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

یہاں کچھ زیادہ اُن دستاویزات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اپنی جس حیثیت میں بھی ہیں سرکاری کتاب میں درج کی گئی ہیں اور اس کی ضرورت اور بھی اس وجہ سے کم ہے کہ ہمارے پولیٹیکل ایجنٹ کی خط وکتابت امیروں کے ساتھ ایک منشی کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور خود وہ فارسی اور سندھی سے ناواقف تھے۔ پس ہم کو کوئی بھی وجہ ان کے بیانات پر استدلال کرنے کی نہیں ہے۔ مثلاً سرکاری کتاب کے صفحہ ۲۶۶ میں میر رستم کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دربار میں ایک انگریزی افسر کی تعیناتی سے نہایت خوش ہے حالانکہ اصل بات یہ تھی کہ وہ اس قسم کی کارروائی کے بالکل خلاف تھا۔

فتح محمد غوری کے متعلق غلط بیانی

صفحہ ۲۶۷ کو بھی ملاحظہ کرو۔ جس میں ایک جملہ جس کا پہلے اس کتاب کے صفحہ ۲۶۶ میں حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ ہے جس میں فتح محمد غوری کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے خلاف تھا کہ اُس کا آقا انگریزی سرکار سے اتحاد قایم کرے اور میر رستم اُس کی خطا گذاری کی جانب اس وجہ سے مائل تھا کہ فتح محمد لڑکپن سے اُس کا غلام تھا۔

ان دو بیانات کو مسٹر بیان کے دوسرے واقعات کے نمونے کے طور پر لے سکتے ہیں۔ اول الذکر کی صداقت کے لئے برنس کے سفر نامہ کی تیسری جلد صفحہ ۷۲ کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جہاں تفصیل اس بات کی درج ہے کہ اسی فتح محمد نے پہلے میر رستم کی جانب سے گفتگو اتحاد کی انگریزوں سے شروع کی۔ رہا دوسرا بیان اُس کی نسبت جو کچھ کیفیت میجر ایڈورڈز نے فتح محمد کی لکھی وہ کافی تردید ہے جس سے ظاہر ہے کہ بجائے غلام ہونے کے وہ سندھ میں آنے سے قبل بہاولپور میں وزیر تھا اور بجائے اس کے کہ وہ میر رستم کے ساتھ ابتدائے طفلی سے وہ اس کی ملازمت میں اُس وقت تک نہ داخل ہوا تھا۔ جب تک کہ اُس کا

ریں متوسط درجہ کا نہ ہو چکا تھا۔ امید کی جاتی ہے کہ کوئی انگریز اس قسم کی مضرت رساں دروغ بیانی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے ہم انہیں اُن منشیوں کے ساتھ منسوب کرتے ہیں جو علی مراد سے تنخواہیں پاتے تھے۔ اور جن کے کہنے کے مطابق میجر ہیل بالکل عمل کرتے تھے۔

امرائے خیرپور کی اشک شوئی

مگر وہ زمانہ آگیا تھا جب کہ خیرپور کے مظلوم امیروں کو کچھ عرصے کے لئے اس مصیبت سے رہائی ملنے والی تھی۔ ۱۳؍ جولائی ۱۸۴۱ء کو مسٹر راس بیل نے قضا کی اور سندھ کی پولیٹیکل نگرانی اُس سے زیادہ لائق شخص میجر آؤٹرم کے ہاتھوں میں آئی۔ اگر وہ اپنے عہدہ پر برابر رہتا تو سندھ کے میدان اُس کے ہزارہا باشندوں کے خون سے تر نہ ہوتے جو میانی اور ڈبا کی لڑائی میں مارے گئے۔ ۱۸۴۱ء کے مصیبت خیز خاتمہ پر اور ویسے غمناک اور منحوس سال ۱۸۴۲ء کے آغاز پر ہمارے تمام افغانستان کے مصائب میں سندھ کے امیر انگریزی ایجنٹ کی صداقت اور نیک نیتی پر بھروسہ رکھکر برابر بدستور رہے۔

میر نصیر خاں کے خلاف شکایات

میر نصیر خاں حیدرآبادی کی نسبت کچھ شکایتیں اس وجہ سے ہوئیں کہ ہم نے شکارپور پر متصرف ہونے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا مگر شمالی سندھ کے امیروں کا اُس زمانے کے پولیٹیکل روزنامچوں میں بھی ذکر نہیں ہے۔ اس وقت ایک نیا بازیگر تشریف لایا۔ ۲۸؍ مئی ۱۸۴۲ء کو لارڈ ایلنبرا نے اپنا پہلا مراسلہ پولیٹیکل ایجنٹ کے نام سندھ میں روانہ کیا۔ نئے گورنر جنرل کی تشریف آوری کے قبل جو خونناک واقعات ہو چکے تھے اُن کا ایک قوی اثر اُس کی حکمت عملی پر جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ برتی جانے والی تھی، پڑا۔ ان سے اُس کا رجحان سختی اور شک کی جانب ہو گیا۔ اُس لئے کارروائی کی ابتدا امیروں کے نام دو تخویف آمیز خطوط کی روانگی سے کی۔

میر رستم کی نگرانی

دوسری کارروائی یہ کی کہ پولیٹیکل اسٹاف کو بذریعہ ایک خط[۵۳] کے

---

۵۳ کلاہی کتاب صفحہ ۲۱۶-۲۱۳

کم کردیا۔ جس میں گو کہ قصداً نہیں تاہم صاف صاف طور پر وہ تکلیفات عبارت ذیل میں مندرج ہیں جو میر رستم کو جھیلنی پڑی تھیں۔ "اُس کے دربار میں ہر وقت ایک افسر موجود رہتا جہاں اب تک کسی قسم کی نگرانی یا حکومت نہیں کی گئی تھی اور جس سے ہمیشہ اُس کو اور اُس کی رعایا کو اُس بڑے علی تغیر کا خیال ہوا کرتا تھا جو اُن کی حالت میں آگیا تھا۔ اور جس سے امیروں کے معاملات میں اُس سے زیادہ باریکی کے ساتھ دست اندازی کرنی پڑتی جسے گورنر جنرل اپنی رائے میں کرنا مناسب تصور کرتے تھے۔"

جعلی خطوط

اُس درمیان میں میجر اوٹرم اُن خطوط کی صحت کی تصدیق کرنے میں مصروف تھے جن کی نسبت بیان کیا گیا تھا کہ کچھ مہینے قبل میر نصیر خاں حیدر آبادی نے ساون مل ساکن ملتان کو اور میر رستم نے شیر سنگھ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط مسٹر کلارک ریذیڈنٹ لاہور کے پاس جانچ کے لئے روانہ کئے گئے تھے اور اُس نے اُن کی اصلیت کی نسبت اپنا شک ظاہر کیا۔ مگر اُس دوران میں میجر اوٹرم نے ۲۴ مئی ۱۸۴۲ء کو رپورٹ کی کہ جن سازشوں کے باعث سے اُن کی بنا قائم ہوئی تھی۔ (اگر ان کا کوئی وجود بھی تھا) تو وہ جاتی رہی ہیں۔[۱]

ناظرین اس بات کو سن کر متعجب ہوں گے اور صدمہ اٹھائیں گے کہ وہ خطوط جن کی اصلیت کی نسبت اس قدر شک تھا لیکن جن سے اس قدر تکلیف امیروں کو پہنچی انھیں میجر اوٹرم کے پاس میر رستم کے دشمن جانی علی مراد نے بھیجے تھے۔[۲] پس اب کل معاملہ مثل روز روشن کے صاف ہے۔ یعنی میر علی مراد نے ان خطوط کو اُسی طرح پر جعلی تیار کیا جس طرح سلیمان شاہ نے میجر اوٹرم کی مہر و دستخط بنایا تھا۔ وہ افسر کہتا ہے کہ۔[۳] "مجھے خود کئی بار امیروں نے شکایت

---

[۱] سرکاری کتاب صفحہ ۳۲۲۔ ۱۲

[۲] شرح فتح سندھ صفحہ ۷۵۔ ۱۲

[۳] شرح فتح سندھ صفحہ ۲۲۳۔ ۱۲

کرنی پڑی ۔ کہ میری مہر جعلی بن جاتی ہے جو اُن خطوط پر ثبت ہو جاتی ہے جنھیں میری تحریر بیان کرتے تھے اُن لوگوں کو اس قدر فریب میں ڈالتے تھے کہ وہ اُن کے حاکموں کو معافی اراضیات دے دیا کرتے تھے !!

فرضی خطوط کی بنا پر کارروائی

کوئی ایسا سادہ لوح شخص ہے جو اس قدر یقین کرے کہ اگر شیر سنگھ کو دراصل فتح محمد غوری نے خط لکھا ہوتا (کیونکہ نہ اُس وقت نہ بعد کو کسی نے خود میر رستم کی نسبت اُن کے لکھنے کا گمان کیا ہے) تو اُسے وہ اس طور پہ روانہ کر سکتا تھا کہ ہم کو معلوم نہ ہوتا۔ کل ضلع روہڑی سے لے کر بہاول پور کے ملک تک مشکوک امیروں یعنی میر رستم خیرپوری اور میر نصیر حیدرآبادی کا تھا اور کیا اس بات کا فرض کرنا محض حماقت نہیں ہے کہ میر علی مراد نے ان خطوط کو ایسے ملک میں گرفتار کیا جہاں اس کی حکومت نہ تھی ۔ بلکہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک جس وقت وہ فرضی خط من جانب نصیر خاں حیدرآبادی بنام بی برگ پکڑا گیا ۔ نصیر خاں قلاتی نے اُسی سردار کو اُسی غرض سے لکھا تھا ۔ (سرکاری کتاب صفحہ ۳۲۲ ضمیمہ ۲۳ مطالعہ کرو جہاں قصہ سردار بی برگ کا ہے) اُس افسر کا بیان ہے کہ کیپٹن پریڈی کو معلوم ہوا تھا ۔ کہ اگر اُن خطوط کے لکھنے والے امیر تھے تو اُن پر مہر نہ تھی ۔ ان خفیف وقتوں اور خلاف بیانوں کی کوئی وقعت نہ تھی مگر چونکہ گورنر جنرل انھیں گرفتار شدہ خطوط کی بنیاد پر نئی اور نہایت سخت کارروائی کرنے والے تھے ۔

فرضی خطوط کی اصلیت

یہ بہتر ہوگا کہ چند واقعات جو اُن کی اصلیت کے خلاف تھے یہاں بیان کر دیئے جائیں ۔

اولاً ۔ خطوط گورنمنٹ کے پاس اُس فریق نے لاکر پہنچائے تھے جو مفروضہ کاتبوں کے نہایت دشمن تھے ۔

دوم :۔ وہ کئی مہینے قبل سے گرفتار کر لئے گئے تھے لیکن کوئی امر زاید ظہور پذیر نہیں ہوا تھا ۔ پس یا تو خط وکتابت یک بیک اور بے وجہ بند ہو گئی تھی ۔ یا ہماری کوششیں زاید

حالات کے انکشاف میں عجیب طور پر قاصر ہو گئی تھیں۔

سوم :۔ جعلی مہریں بنانے کا قاعدہ عام تھا۔ خود ہمارے ریذیڈنٹ کی مہر اور دستخط جعلی تیار کی گئی تھی اور اُس نے اس کی شکایت امیروں سے کی تھی۔

چہارم :۔ میر نصیر خاں کا منشی جس کی نسبت خط کی تحریر فرضیہ منسوب کی گئی تھی۔ بعد کو بہت سی جعل سازیوں اور فریبوں کے لئے سزایاب ہوا۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بی برگ کو جو خط گیا تھا وہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا تو کوئی الزام اس کی وجہ سے امیروں پر عاید نہیں ہو سکتا۔

پنجم :۔ جن افسروں نے ان خطوط کی جانچ کی اُن میں صرف دو شخص انھیں پڑھ سکتے تھے اور اُن میں سے جو زیادہ تجربہ کار تھا اسے اُن کی اصلیت کی نسبت شک تھا۔

مگر ایسے ہی بے بنیاد حیلوں پر گورنر جنرل نے میر رستم کی عملداری کے نہایت زرخیز حصوں کو ضبط کرنا چاہا اور اُن احسانات کو بھول گیا جو سرداروں نے اُن پر کیے ہیں۔ جسے نہایت زور شور سے اُس کے قبل کے گورنر جنرل نے تسلیم کیا تھا۔ اس ارادہ کی تائید میں لارڈ ایلنبرا نے اس غرض سے کہ اگر کوئی مقابلہ اس فعل نامنصفانہ کا کیا جائے جو کہ اُس کا مقصود تھا۔ ایک جنرل کو جسے فوجی معاملات میں بہت تجربہ تھا۔ ۲۶ راگست ۱۸۴۲ء میں شمالی اور جنوبی سندھ کے خاص فوجی انصرام پر تعینات کیا اور میجر اوٹرم کو اُس کے ماتحت کر دیا۔

سندھ کے بارے میں نئے منصوبے

اس فعل نے امیروں کو کس قدر گھبرا دیا ہوگا ظاہر ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں۔ جن عہدہ داروں کے ساتھ وہ معاملات کو طے کیا کرتے تھے وہ یا تو ہٹا دیئے گئے یا چھوٹے درجوں پر تنزل کر دیئے گئے۔ اور اُن کی جگہ پر ایک سخت اور ناتراشیدہ فوجی شخص آگیا جو اُن کے طور طریقہ زبان اور وسائل سے ناواقف تھا اور جس کی طبیعت میں حقارت اور ستانے کا مادہ تھا اور اُس کو حقیر سمجھتا تھا۔

۹ر دسمبر ۱۸۴۲ء کو یہ فتح مند شخص جسے اُس کے مورخ بھائی نے بعض باتوں میں نہایت مناسب طور پر مارلس سے تشبیہ دی ہے۔ سندھ میں داخل ہوا۔ وہ پہلے سے یہ ارادہ کرکے آیا تھا کہ سندھ میں کیا کیا جائے۔ اور کیا نہ کیا جائے۔ ایسے وقت میں جب کہ افسر لوگ تمام ملک میں نہتے یا بغیر محافظوں کے با اطمینان گھومتے تھے اُس نے اپنی ذات سے یہ ظاہر کیا کہ گویا نہایت جوانمردی کا کام پچاس سپاہیوں کے ساتھ دریائی سفر کرکے کیا ہو۔ یہ کام فضول ہوگا اگر ہم اُن باتوں کا اعادہ کریں جو اس کے بعد وقوع میں آئیں۔ یا اُن غلطیوں، ظلم و ستم اور زیادتیوں کی تفصیل کا پتہ لگائیں جو یکے بعد دیگرے ظہور میں آتی گئیں۔ جن لوگوں کو یہ منظور ہو کہ اُس کا اعلان بخوبی ہو تو وہ اُس کتاب کو دیکھیں جو فتح سندھ کے نام سے طبع ہوئی ہے مع اُس حل کے جو میجر اوٹرم نے مہربانی سے تیار کیا ہے اور جس کا نام فتح سندھ ہے۔

علی مراد کی ریشہ دوانیاں

ہماری غرض ہے کہ ہم ہر ایک کے پیچھے چلے جائیں اور اصل بازی گر کو دیکھ لیں کہ با اطمینان بیٹھا ہوا کچھ حقارت اور کچھ رحم کی راہ سے تبسم کر رہا ہے اور اُن ڈوریوں کو کھینچ رہا ہے جن کے اشارے پر اُس کی پتلیاں ناچ رہی ہیں۔ علی مراد بہت ایک مکار اور عیار شخص تھا۔ مسٹر ایلس اور مسٹر براؤن کو میر رستم کی تباہی اور اپنی بڑائی کا آلہ بنا رکھا تھا۔ وہ اُن کے منشیوں کو اچھی طرح داد و دہش کرتا تھا اور بہت جلد اپنی مکاری اور خوشامد سے اُس نے بے حد اختیار اُن لوگوں پر حاصل کر لیا۔ اُس کی پہلی غرض یہ تھی کہ اپنے دشمن قوی فتح محمد غوری کے چال چلن کو برا ٹھہرائے۔ اس بات کو حاصل کرکے اُس نے دوسری کارروائی یہ کی کہ شیر سنگھ اور بی برگ کے نام جعلی خطوط بنائے اور ہمارے ایجنٹ کے ہاتھ میں دیئے۔ اس عظیم فریب دہی میں بھی وہ کامیاب ہوا۔

اب اُس نے دلیرانہ کارروائی شروع کی۔ عہد شباب میں عیاشی کرکے اُس نے چند مواضعات محمد آباد و ببرلو وغیرہ اپنے بڑے بھائی مبارک خاں کے یہاں بیع یا رہن کر دیئے تھے۔ اُن کے واپس لینے کا اُس نے عرصے سے ارادہ کر لیا تھا۔ اور عرصے تک اُن کے قبضہ

کے لئے مبارک اور اُس کے بیٹے نصیر خاں سے جھگڑتا رہا۔

علی مراد کا خیرپور پر حملہ صلح نامہ کے دفعہ ۴ کے مطابق جو انگریزوں اور میر رستم میں ہوا تھا اُس پر فرض تھا کہ جو کچھ نزاع اپنے خاندان کے ساتھ رکھتا ہو میر رستم سے اُن کا تصفیہ کرائے۔ کیونکہ اُس دفعہ نے میر رستم کو شمالی سندھ میں حاکم اعلیٰ تصور کرلیا تھا۔ اُس دفعہ کے خلاف علی مراد نے کیپٹن براؤن کی حمایت کے بھروسے پر جو اُس وقت سکھر میں تعینات تھے ایک بڑی فوج لے کر خیرپور پر چڑھ دوڑا تاکہ میر رستم سے جبریہ اُن مواضعات کے حاصل کرلینے کی رضامندی کرائے۔

خیرپور کی فوج تعداد میں علی مراد کی فوج سے بہت کم تھی۔ تاہم اُن لوگوں نے بہادرانہ طور پر اُس کو روکنا چاہا۔ اور ایک جنگ تو نہیں ہوتی جس میں فریقین کا کچھ نقصان ہوا مگر فتح علی مراد کو حاصل ہوئی۔ یہ خیال کیا جائے گا کہ کیپٹن براؤن کو اُس وقت دست اندازی کرنا چاہئے تھا اور علی مراد سے اُس کے جابرانہ فعل کا جو بمقابلۂ اُس کے آقا ولی نعمت کے سرزد ہوا جواب طلب کرنا چاہئے تھا۔ مگر اس قسم کی کوئی بات نہ ہوئی۔ اور فاتح نے جبریہ ایک صلح نامہ طے کیا جس سے کل مواضعات اُس کو واپس ملے۔ اس کامیابی سے نازاں ہوکر اُس نے سازش کے زیادہ وسیع میدان میں قدم رکھا۔ اُن عیاریوں کے سمجھنے کے لئے جو بعد کو ظہور پذیر ہوئیں۔ میر رستم کے باپ میر سہراب کے وصیت نامہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

میر سہراب کی وصیت اس رئیس نے اپنی وفات کے وقت[1] اپنے ملک کو چار حصوں میں تقسیم

---

[1] وہ جس وقت کہ اپنے سو برس کے سن کے قریب تھا گر کر مر گیا۔ میر رستم ہی اُس سن تک پہنچا۔ کیونکہ پچاس برس کے سن میں اس کی آنکھیں ویسی ہی چمکتی تھیں اور جسمانی قوت زیادہ تھی۔ لیکن انگریزوں کے ہاتھ سے جو کچھ ظلم اُس پر ہوئے، اُن سے اس کا قوی جثہ کمزور ہوگیا۔ ماسوائے پانی کے اور کچھ نہ پیتا تھا اور دن بھی دن میں ایک بار۔ ایسے لوگ ہیں جنھیں سر ولیم نیپیر نے عیاش لکھا ہے۔ ۱۲۰

کرکے ایک حصہ میر رستم کو ایک مبارک کو ایک علی مراد کو اور چوتھا رئیس خاندان کو دیا اور یہ مرتبہ اُس نے اول میر رستم کو اور بعدہٗ اپنے دو اور بیٹوں کو بہ لحاظ اُن کے سن کے وصیت نامہ میں عطا کیا[۵] مبارک قضا کرچکا تھا اور علی مراد چاہتا تھا۔ کہ دستار ریاست اُسے ملے۔ اگر وہ میر رستم کو راضی کر سکے یا اُس پر خوف طاری کر سکے کہ وہ اپنے حق سے باز آئے تو شمالی سندھ میں وہ سب پر بالا رہے گا۔

میر رستم کی خواہش اس کے برعکس میر رستم کی خواہش تھی کہ دستار ریاست اُس کے بڑے بیٹے کو ملے جو سن میں علی مراد کے برابر اور ایک صاف اور نیک باطن اور اپنے زمانہ ساز دغا باز بے ایمان چچا کے بالکل برعکس تھا۔ میر رستم کے پاس یہ نظیر تھی کہ اُس کو ریاست بمقابلہ اُس کے چچا وغیرہ کے ملی تھی جس سے علی مراد نظر انداز ہو سکتا تھا اور خود گورنر جنرل نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جو کچھ وہ ضعیف سردار چاہتا تھا۔ بالکل خلقی اور ہر طرح معقول بات تھی۔ (سرکاری کتاب صفحہ ۴۰۸) لیکن اُس کے مخالف کے ہاتھ میں وہ بات تھی جو استحقاق سے کہیں بہتر ہے۔ یعنی ایجنسی کے منشی اُس کے یہاں سے تنخواہ پاتے تھے۔

علی مراد کی ہمت افزائی سر چارلس نیپیر کو سکھر میں پہنچنے پر علی مراد نے بہ آسانی اپنے بیانات سے دھوکا دے لیا۔ اُس نے میجر اوٹرم[۶] کی دوستانہ صلاح پر خیال نہ کیا اور فوراً تمام تجویزیں دیجی کے سازشی سردار کی منظور کریں۔ اس کے علاوہ اُسے کبھی طریقہ امیروں کے لڑنے پر آمادہ کرنے کا نظر آیا کہ میر رستم کو بتائے۔ اُسے

---

[۵] یہ بات خود وصیت نامہ سے پائی نہیں جاتی (تتمہ کتاب سرکاری صفحہ ۱۱) مگر علی مراد کے طرف داروں نے ایسا بیان کیا ہے۔ وہ چاہے جس قدر بیان کرے۔ ۱۲

[۶] شرح فتح سندھ صفحہ ۱۳۲۔ ۱۲

خوف تھا کہ اور کسی قسم کی معضرتوں یا اہانتوں سے وہ مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ لیکن وہ امید کرتا تھا کہ خاندان کے سب سے زیادہ بزرگ اور معزز شخص کی توہین اور حقارت سے اُن کو ایسے مقابلہ کرنے پر آمادہ کر سکے گا جس کا نتیجہ وہ لوگ جانتے تھے کہ بالآخر قید یا ہلاکت ہوگا۔

چنانچہ فوراً انگریز جرنیل نے علی مراد کے پاس ایسے خطوط بھیجے جس سے اُسے ہمت ہوئی[1] اُس نے فوراً میر رستم کو دستار ریاست سے محروم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے خود اس قدر تسلیم کیا ہے (شرح سندھ صفحہ ۱۴۱)

مقامی رسم و رواج سے عدم واقفیت

اُس نے جو اس ملک کے قوانین و رسم و رواج سے بالکل ناواقف تھا اور امیروں کے طرز و روش کی ذاتی واقفیت نہ رکھتا تھا۔ چند الزامات کی بنا پر جو بعد کو بالکل ایسی شہادت پر مبنی دریافت ہوئے جو ایک دروغ گو اور جعل سازنے پیش کی تھی اور جو اپنے ملک اور گھرانے کا نمک حرام تھا ایک بوڑھے رئیس کو جو ہمارا دوست تھا معزول کرنا اور اُس کے تمام مقبوضات کو لے لینا چاہا۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اُس طریقے پر غور کریں جس سے یہ بات حاصل ہوئی ہم کو بعض درمیانی کارروائیوں کی جانب مخاطب ہونا چاہیے جن سے عرصے تک رفتہ رفتہ ستائے جانے کے باعث وہ مظلوم بربادی اور قید کی آخری حالت کو پہنچا۔ بی برگ و شیر سنگھ کو جو جعلی خطوط لکھے گئے تھے۔ وہ کپتان براؤن کی رائے پر جو اُن کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتا

---

[1] تتمہ کتاب سرکاری صفحہ ۲-۱۲

[2] یہ افسر میری دانست میں نہ فارسی بول سکتا نہ پڑھ سکتا تھا تاہم اُس کی شہادت ایک ایسے معاملہ میں قطعی مانی گئی ہے جس کی نسبت اچھی اچھی فارسی کے عالم بھی تامل کے ساتھ رائے ظاہر کریں گے۔ شرح فتح سندھ صفحہ ۱۷۰

تھا بے شک دشتبہ اصل قرار دیئے گئے اور گورنر جنرل سے اصرار کیا گیا کہ میر رستم اور نصیر خاں کے ملک کو بطور اُن کے جرم کی سزا کے ضبط کر لیا جائے۔

اعلانِ ضبطی جب گورنر جنرل نے یہ اجازت دی کہ امیروں سے گفتگو صلح نامہ کی نظرثانی کی کی جائے تو ایک اشتہار نہایت ہی بیہودہ اور وحشیانہ تعجیل کے ساتھ یکم دسمبر ۱۸۴۲ء کو جاری کیا گیا کہ کل ملک روہڑی سے لے کر سبزل کوٹ تک ضبطی میں آیا[1]۔ ہم یہاں اُس قرض خواہی اور قرض داری کے حساب کی نسبت بحث نہ کریں گے۔ جس کی بعد کو سر چارلس نیپیر نے تجویز کی تھی تاکہ اُس فعل کا عذر معقول ہو (سرکاری کتاب صفحہ ۳۶۷ ملاحظہ کرو) جس کی غلطی عظیم کو میجر اوٹرم نے اپنی شرح کے صفحہ ۲۶۰ اور کیپٹن ایسٹوک نے اپنی اسپیچ صفحہ ۲۸ میں ظاہر کیا ہے اور نہ ہم اس سے زیادہ کچھ کریں گے کہ اس عجیب امر واقعی کا حوالہ دیں کہ انگریز جرنیل نے اُس کل ملک کو ضبط کر لیا جو روہڑی اور بہاولپور کی سرحد کے درمیان تھا۔ حالانکہ جیسا کہ کرنیل اوٹرم نے (صفحہ ۱۴۹ میں) بخوبی ثابت کیا ہے کہ وہ خوب جانتے ہوں گے کہ گورنر جنرل کا مقصود صرف انھیں اضلاع ملک سبزل اور بھنگ بارا سے تھا جو معتوب امیروں کی جائداد تھے۔

انگریزوں کی یک طرفہ کارروائی ہم کسی قدر بہت سی صاف صاف ظالمانہ مضرتوں پر اصرار کریں گے جو اُس کارروائی سے متعلق تھیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گورنر جنرل اور سر چارلس نیپیر دونوں شخص اس حزب اور دیگر حزبوں کے معاملے میں جو سندھ پر لگائی جاتی تھیں بالکل یک طرفہ بیانات پر کاربند ہوتے تھے وہ امیروں کے دشمنوں سے الزامات تیار کراتے تھے۔ اور اُن لوگوں کی شہادت سے اُن کی تصدیق کراتے تھے۔ جو صرف اُن کی بربادی کا دانستہ صیغہ ڈھونڈتے تھے اور ایسے غلط قیاسات پر

---

[1] شرح فتح سندھ صفحہ ۱۰۳ و تتمہ کتاب سرکاری صفحہ ۱۲۰۲

عمل کرتے تھے۔ اور امیروں کو اُن کے تردد کا یا اُن کو اس بات سے واقف ہونے کا موقع نہ دیتے تھے کہ اُن پر کیا الزام عاید کیا گیا ہے۔ اس جگہ بجز اُن حقارت آمیز اور خفیف شکایتوں کا حوالہ دینے کے اور کچھ لکھنا فضول ہے جو نصیر خاں خیرپوری اور نصیر خاں حیدرآبادی کی نسبت میجر کلیبرن لفٹنٹ ہیں اور کیپٹن براؤن نے کی تھیں۔

محکمہ مخبری کی غلط اور لچر اطلاعات

ان میں سے اول الذکر افسر نے اپنی شکست کے بعد سے جو نفشک میں ہوئی تھی ایک محکمہ مخبری کا قائم کیا تھا جس میں ہر قسم کی لچر اور بیہودہ خبریں پہنچا کرتی تھیںؑ۔ معلوم ہوتا تھا کہ مریوں کی پہاڑی میں شکست پانے سے اُس کا دماغ خراب ہو گیا تھا اُس وقت سے اُس کو ہر جانب خونخوار بلوچی ہی نظر آتے تھے۔ اُس کا خوف ہر ایک ذلیل نزاع کو ایک عام سازش انگریزوں کے نکال دینے کی قرار دیدیتا تھا مگر یہی اکیلا بیہودہ خبروں کو نہ سنتا تھا خود گورنر جنرل اور اُس کے قائم مقام متعینہ سندھ نے سکھر میں اپنا منہ شیر بلکہ خر کی طرح ہر ایک اہانت آمیز خبر کے

ؑ اس کے پاس ایک بلوچی سوار نوکر تھا جو ہر طرف اس غرض سے روانہ کیا جاتا تھا کہ امیروں کی مخالفت کے ارادوں کی خبریں لائے۔ اُس بیچارے کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ وہ اپنا نقصان نہ چاہتا تھا۔ شاید وہ اس طور پر کرتا تھا جس طرح ایک اس قسم کے جاسوس نے میرے علم میں حیدرآباد میں کیا تھا۔ اُسے دریافت حال کے لئے بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے واپس آکر بیان کیا کہ دس ہزار آدمی ایک جانب دس ہزار دوسری جانب غرض کہ ایک جماعت کثیر ہماری طرف چلی آرہی ہے۔ ایک شخص جو ملک سے واقف تھا کہنے لگا: "ہم جانتے ہیں کہ تم ریت کے ٹیلہ کے پیچھے سوتے تھے کیوں جھوٹ بولتے ہو تم نے دشمن کو کہیں بھی نہیں دیکھا ہے۔" اس نے جواب دیا کہ ہم کیا کرتے صاحب۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اگر میں گرفتار ہو جاتا تو میرا کیا حال ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ میں سوتا تھا لیکن جو کچھ میں نے کہدیا ہے اُس سے صاحب لوگ خوش ہیں اس سے ان کا کچھ نقصان نہیں ہے اور میرا بڑا فائدہ ہے۔ ۱۲۔

نکلنے کے لئے کھول رکھا تھا جو امیروں کے چال چلن کی نسبت مشہور ہوتی تھی۔ جرنیل نے علانیہ اپنی خواہش اُن کو تنگ کرنے کے حیلہ سے حاصل کرنے کی ظاہر کی پس کیا تعجب ہو سکتا ہے کہ انھیں ایسے شخص مل جاتے تھے جو اپنے فرماں رواؤں کی بدسلوکی کی شکایت کرتے تھے یا علی مراد کے لوگوں نے ایسی عام حماقت کا فائدہ اٹھا کر اُن شکایتوں کے گھڑے جانے میں کوشش کی ہوگی۔

لفٹننٹ مین کی لچر رپورٹ

مگر ان سب باتوں کے ساتھ بھی امیروں کی نسبت کیا الزام قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً کوئی غیر جانب دار شخص اُس فرد جرم کو پڑھ کر دیکھے جو لفٹننٹ مین نے تیار کی تھی (کتاب سرکاری صفحہ۲۰) اور اُس شہادت کی جانچ کرے جن پر وہ مبنی ہے۔ اور اُس وقت بیان کرے کہ آیا حماقت یا عداوت کے لئے اُس سے زیادہ خلاف قیاس، لچر یا حماقت آمیز فرد تیار کرنا ممکن تھا جس پر خود مختار فرمانرواؤں پر الزام لگایا گیا ہے اور وہ فرماں روا جو ہمارے دوست تھے۔ فہرست میں ۲۴ الزامات جنوبی سندھ کے امیروں پر عائد کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ نصیر خاں نے اپنی سرحد کی حفاظت کے لئے بمقابلہ شیر محمد (جسے سرولیم نیپیر نے اپنی مبالغہ آمیز تحریروں میں شیر ببر لکھا ہے)، میرپور کی فوج اکٹھا کی۔ یہ صلح نامہ کی دفعہ ۲ کے خلاف بیان کیا گیا ہے۔ ہم صلح نامہ کی جانب مخاطب ہو کر دیکھتے ہیں تو دفعہ ۲ حسب ذیل ہے:۔

"انگریزی گورنمنٹ اب اپنے ذمہ اُن ملکوں کی حفاظت کا کام غیر ملک والوں کے مقابلہ میں لیتی ہے جو اس وقت حیدرآباد کے امیروں کے ہیں۔"

امیروں کے خلاف الزامات

یہاں میرپور کے سردار کو اس غرض سے کہ نصیر خاں کے فعل کو خلاف ورزی صلح نامہ قرار دیا جائے غیر ملک کا فرماں روا ثابت کیا ہے۔ حالانکہ وہ نصیر خاں کا رشتہ دار اور اصل اُس کا ماتحت بوجہ رتبہ میں کم ہونے

ل کتاب سرکاری صفحہ۴۴ ملاحظہ کرو۔ سر چارلس نیپیر کا خود بیان ہے اور بالکل سچ ہے۔ ۱۲۰

کے تھا۔ مگر اس لچر حیلہ سازی سے درگذر کیجیے۔ چوتھی دفعہ سے صرف حفاظت کا اقرار کیا گیا ہے۔ مگر اُس سے امیروں کو کوئی ممانعت اپنے ملک کو حملہ سے محفوظ رکھنے کی نہیں کی گئی ہے۔ کوئی گورنمنٹ کسی شخص کو نہ کہ ایک ریاست کو اختیار حفاظت خود اختیاری سے محروم کر سکتی ہے؟

اس کے سوا انگریزی گورنمنٹ نے نصیر خاں کے ملک کی حفاظت کی ہوتی تو اُسے اپنے لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ عقل کہتی ہے کہ اُس نے ہرگز ایسا نہ کیا ہوتا۔ اگر ہماری گورنمنٹ نے اُس کے ملک کی حفاظت نہ کی تو ہم نے نہ کہ امیروں نے خلاف ورزی کی۔

دوسرا الزام محض مہمل ہے بارہ اور الزامات کشتیوں کے محصول لیے جانے کی نیت سے لگائے گئے۔ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ صلح نامہ کی دفعہ گیارہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ مگر جس دفعہ کے قایم کرنے کا ہم کو ذرا بھی حق حاصل نہ تھا کیونکہ کونسا حیلہ بجز زبردستی کے امیروں کو اُس محصول کے لینے سے باز رکھ سکتا تھا جو انھیں ۱۸۳۴ء کے تجارتی صلح نامہ سے دیا گیا تھا مگر دوسری ہر دفعہ سے اُن کو محصول جملہ اسباب پر لینے کا حق حاصل ہے جو اثنائے روانگی میں فروخت کیے جائیں۔

بھلا کسی نے اُن شکایتوں کی تحقیقات کی جن پر یہ الزامات بنی تھے یا کسی نے اُس شہادت کو سنا کہ امیروں کا ایجنٹ اُن محاصل کو اس وجہ سے وصول کرتا تھا کہ اسباب اثنائے روانگی میں فروخت ہوتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔ اور اگر اُن الزامات کی تحقیقات بھی کی گئی ہو تو کیا امیروں کے ساتھ انصاف ہوتا؟ ہرگز نہیں! ہمارے افسر جو محض سپاہی اور سر چارلس نیپیر کی "تلوار اور پستول کے لوگ" تھے۔ محکمہ انصاف کا کچھ حال نہ جانتے تھے اور اگر انھیں انصاف کرنا معلوم بھی ہوتا تو بھی وہ زبان سے ناواقف تھے اور اُن کے منشی اُن پر حاوی تھے۔

نیپیر کی میر رستم پر زیادتیاں | لیکن ان لچر الزامات سے درگذر کر کے جو محض اس لئے تیار

کئے گئے تھے کہ ایک مقدمہ قائم ہو جائے۔ ہم کو سر چارلس نیپیئر کی ان زیادتیوں کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے۔ جو میر رستم کے ساتھ اس وقت بخوبی ہو رہی تھیں۔ اپنے اشتہار مورخہ یکم دسمبر ۱۸۴۲ء سے اُس نے اُسی زرخیز ملک کو ضبط کر لیا تھا۔ جو سبزل کوٹ اور روہڑی کے درمیان ہے۔ اس کی مالیت چھ لاکھ کی اور سالانہ آمدنی ۸۴ ہزار کی تھی۔ ٹیپو صاحب کو ایک عرصے کی خونریز لڑائی کے بعد اُس کی جائداد کے ایک جزد کی ضبطی کی سزا دی گئی تھی۔ مگر سر چارلس نیپیئر ایسا سخت انتقام میر رستم سے اس جرم کے لئے لینے پر راضی ہوا کہ وہ اُس کے آزردہ میر علی مراد کا بارج تھا۔

۸ر دسمبر کو امیروں سے گفتگو کرنے یا اُن کی ایک بات بھی سُننے بغیر سر چارلس نیپیئر نے جائداد مصروفہ پر ایک فوج کثیر سے قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں، امیر محاصل ملک اجناس کی مشکل میں خرید کرتے تھے۔ لیکن انگریز جنرل ہم لوگوں کو مطلع کرتے ہیں کہ "امیر صرف اس سال کا محصول اراضی جمع نہیں کر رہے ہیں بلکہ سال آئندہ کا بھی"۔ چنانچہ اُس نے ایک اور اشتہار تخویف آمیز جاری کیا۔ اور مجہول میجر کلیبرن سکھر پر ہزاروں مسلح بلوچیوں کے شب خون مارنے کی ہولناک خبریں برابر بھیجتا چلا گیا۔ ان خبروں کی صداقت اب اس امر سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ شمالی سندھ پر اس وقت سے لے کر آج تک ایک گولی بھی نہ چلی۔

سردار میر پور کے متعلق لاعلمی ۱۸ر کو سر چارلس نیپیئر نے گورنر جنرل کو ایک خط اُسی قسم کا میر پور کے سردار کی نسبت بھی لکھا جس کے ساتھ جون ۱۸۴۱ء میں (سرکاری کتاب صفحہ ۲۹۶) ایک صلح نامہ ہوا تھا۔ سر چارلس نیپیئر صلح نامہ کی موجودگی سے بالکل لاعلم ہے۔ اور گورنر جنرل کو طمانیت دلاتے ہیں کہ "میر پور کے سردار کا

۱؎ سرکاری کتاب صفحہ ۴۷۸ - ۱۲

کسی صلح نامہ میں ذکر نہیں ہے۔" اُسے سردار مذکور کا کچھ حال بھی معلوم نہیں ہے مگر لفٹننٹ براؤن نے اُس کو اطمینان دلایا ہے کہ "وہ ہمیشہ سے ہمارا جانی دشمن رہا ہے گو کہ کوئی الزام (بدقسمتی سے) اُس کی نسبت ثابت نہیں ہوا ہے۔" ۴ اردسمبر کو خیرپور کے امیروں کی طرف سے جرنیل کے پاس اطاعت اور فہمائش کے خطوط[۵] آئے۔ اور اُن کے جواب میں وہ بعجلت تمام دریا کو عبور کرکے ان کے ملک پر قابض ہونے کے لئے گیا۔

اس وقت خیرپور کے قریب ڈاک روک دی گئی اور خطوط لٹ گئے۔ سر چارلس نیپیر نے اس کا الزام میر رستم پر لگایا اور ایک خط اُن کے نام تخویف آمیز لکھا۔ اب کیا ناظرین اس پر اعتبار کریں گے کہ اس توہین آمیز تسلی کو انگریز جرنیل نے بلا کسی قسم کی تحقیقات یا تامل کے روانہ کردیا۔

میر رستم کے خلاف سازش کا جال

ان تمام چوریوں کا کرنے والا علی مراد تھا۔ لیکن اگر خبر صحیح ہے جیسا کہ واقعی امر ہے تو ایک سابق مجسٹریٹ کی عدالت کے روبرو یہ ثابت ہوگیا تھا کہ میر رستم ان سب باتوں سے بے قصور تھا اور علی مراد کو اپنے انگریز دوستوں کا اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ اُن کی ڈاک کو اُن کے کیمپ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر لوٹنے اور اس کا اتہام اپنے بدنصیب بھائی پر لگانے میں ذرا تامل نہ کرتا تھا۔ انسان کو ایسے وحشیانہ وحاسدانہ الزامات سے اس خیال سے نفرت وشرم آتی ہے کہ ان پر ایسے لوگ بھروسہ کرتے تھے جو اپنے کو انگریز کہتے تھے۔ لیکن سب سے بڑا حملہ ابھی ہونے والا تھا۔ ۲۰ دسمبر کو جرنیل نیپیر نے گورنر جنرل کو لکھا کہ میر رستم عنقریب رحم کا خواستگار ہونے والا ہے اور اپنے نالائق بھائی کے ظلم وستم سے انگریزی کیمپ میں پناہ لینے والا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مجھے یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ اس سے مجھے نہایت تردد ہوتا ہے کہ کیا ہونا چاہیے۔ لیکن یہ خیال مجھ کو فوراً گذرا کہ وہ علی مراد کے پاس جاسکتا ہے جو اُسے زیادہ تنگ کرے گا کہ وہ بطور خانگی انتظام کے دیہاتیک

[۵] سرکاری کتاب صفحہ ۲۷۴ - ۱۲

پیارا محسنی سررشتہ دار ہے جس نے دس برس سے اپنے بھائی کے لڑکوں کو فاقہ کرایا ہے)۔ دستار ریاست سے دست بردار ہو جائے۔ بالخصوص چونکہ رستم عرصے سے خواہشمند ہے کہ خاندانِ تالپور کی اس ذمہ داری سے پاک ہو اس لئے میں نے مخفی طور پر رستم اور علی مراد کو لکھا اور آج ایک بجے کے قریب علی مراد کے پاس سے میرے پاس ایک ڈاک آئی کہ اُس کا بھائی اُس کے پاس بحفاظت ہے۔ (اُس قسم کی حفاظت جیسا کہ قاتل مظلوموں کی کرتے ہیں) علی مراد اب در اصل رئیس ہے کیونکہ اگر میر رستم اُس کو دستار ریاست نہ دے گا تو ہر حال میں اُس کو علی کی بیعت کرنی ہی پڑے گی۔ جس کے قبضہ میں (افسوس اُس بیکس رئیس پر ہے) اُس نے خود اپنے کو (بحکم انگریز جرنیل کے) دے دیا ہے۔"

اس خط کا خاتمہ اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے اور وہ حسب ذیل ہے:- میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کہاں تک اس وعدے کو کہ علی مراد کا بیٹا اُس کا جانشین ہوگا۔ مناسب سمجھیں گے۔ کیونکہ علی مراد کی وفات پر اُس کا یعنی میر رستم کا بیٹا وارث جائز ہے۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ علی مجھ سے یہ سوال کرے گا لہذا میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ مگر یہ کہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میر رستم نے صلح نامہ کے مسودہ کو منظور کر لیا ہے۔ اُس کا بیٹا محمد حسین ہمارا خاص دشمن اور فوج کا جمع کرنے والا تھا۔

سر چارلس نیپیر کی مکاری

غرض کہ یہاں انگریز جرنیل نے ایک خوف اس دوست کے لئے پھیلایا جس نے خود اُس کے اقرار کے مطابق صلح نامہ کو منظور کر لیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اُس نے دانستہ یہ سازش کی میر رستم اپنے بھائی کے قبضے میں آجائے جسے وہ جانتا تھا کہ میر رستم کو صرف دستار ریاست ہی سے دست بردار ہو جانے پر مجبور نہ کرے گا بلکہ روزِ حیات سے۔ مبادا اس بارے میں کوئی غلطی نہ ہو۔ سر چارلس نیپیر نے ہم لوگوں کو یقین دلایا ہے (سرکاری کتاب کا صفحہ ۴۸۴) کہ خود وہی اس کارروائی اور اُس خوفناک ناانصافی کے بانی بنے جو اُس سے نتیج ہوئی اور جسے چند اور جملوں کے بعد ہم ناظرین کے روبرو پیش کریں گے۔

اُس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"اُس خیال نے مجھ کو ایک تدبیر بتائی جو کرنے کے قابل ہے۔ یعنی رئیس کو طاقتور بنایا جائے اور گورنمنٹ کی نگرانی میں رکھا جائے۔ اس لئے میں نے دستار کے حاصل کرنے میں علی مراد سے آپ کی حمایت کا وعدہ کرنے کی ہمت کی۔ جسے آپ نے منظور کر لیا۔ دوسری کارروائی یہ تھی کہ وہ اپنے اختیارات اپنے بھائی کے جین حیات عمل میں لانے کے قابل ہو۔ یہ بات خوش قسمتی سے میں نے میر رستم کو خود علی مراد کے قبضہ میں چلے جانے پر آمادہ کرنے سے حاصل کی۔"

اس بات پر مطمئن نہ ہو کر خلاف انصاف اُس نے گورنر جنرل کو رائے دی کہ وہ دستار ریاست علی مراد کے بیٹے کے لئے محفوظ نہ کریں۔ اور گورنر جنرل کو اس ناشنیدہ بدذاتی پر آمادہ کرنے کے لئے اُس نے محمد حسین پر الزام لگایا کہ وہ ہمارا دشمن اور ہمارے خلاف فوج جمع کرنے والا ہے۔ مگر کبھی کسی وقت بھی اس بدنصیب رئیس کی صورت انگریزی فوج نے نہیں دیکھی۔ جس شخص کو خاص دشمن ظاہر کیا گیا ہے نہ تو وہ کبھی اپنے باپ کے ساتھ فرار میں شریک ہوا اور نہ ہی کبھی آج تک انگریز گورنمنٹ کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کے خلاف کوئی کارروائی کی۔

انگریز جرنیل نے بدنصیب میر رستم کو اس کے جبن بھائی کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے قبضے میں میر رستم کی کیا حالت ہوئی؟ ناظرین! میرے ساتھ آیئے اور چند سال کے زمانے کو طے کیجئے تو میں آپ کو دکھاؤں۔

علی مراد کے خلاف تحقیقاتی کمیشن

۱۷ فروری ۱۸۵۰ء کو اخبارات سے معلوم ہوا کہ علی مراد کی بداعمالیوں کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک کمیشن کو ان الزامات کی تحقیقات کا حکم دیا گیا تھا جو اس کے خلاف اُس کے وزیر سابق شیخ علی حسین نے لگائے تھے۔ (یہ وہی علی حسین ہے جس کی بدعنوانیوں کے متعلق ایک سال سے کچھ زائد پہلے سکھر میں ایجنٹ کے پاس اطلاع آئی تھی اور ان الزامات کو گھڑنے میں اس کا وہ منشی دجھو کے رام بھی برابر کا شریک ہے جو اس وقت قید خانے میں پڑا سزا کاٹ رہا ہے)۔

کمیشن نے تحقیقات کی اور اگر خبر سچ ہے تو علی مراد کے ساتھ اُس سے مختلف برتاؤ کیا گیا۔ جو اُس کے بدنصیب بھائیوں کے ساتھ ہوا۔ اُن لوگوں نے جب تک کہ کل معاملہ طے نہ ہو گیا یہ کبھی نہ سُنا کہ کس جرم کا الزام اُن پر عاید کیا گیا ہے۔ وہ گواہ پیش کرنے پائے نہ تحقیقات ہوئی نہ صفائی لی گئی۔ مُہر یا کوئی جعلی خط اُن کے جرم کے ثبوت میں کافی تھا لیکن علی مراد کے خلاف یہ شہادت کے طور پر نہ لی گئی۔ وہ اپنے گواہ آپ لایا۔ خود اُن لوگوں سے جرح کی جو اُس کے مخالف تھے اور مجرم قرار پایا۔ اب تک وہ دغا بازی کا واقع جسے کمیشن نے ظاہر کیا مخفی ہے۔ لیکن شہادت کی تعداد سے کل امر مخفی نہیں ہو سکتا اس قدر کافی معلوم ہو گیا ہے کہ میر رستم کے خلاف اُس کے بھائی نے سازش کی اور انگریز جرنیل نے اُس سے چشم پوشی کی۔ میر رستم کو وجی کے مضبوط قلعہ میں لے گئے۔ اُس کے ملازم علیحدہ کر کے علی مراد کے لوگ تعینات کئے گئے اور وہاں اُس سے زبردستی دست برداری کرائی گئی۔ لیکن اس قدر کافی نہ تھا۔ ڈیجی کے سردار نے نیپیئر سے کہا کہ میر رستم نے صرف وستار ریاست یا اراضیات ہی کو نہیں بلکہ اپنا چوتھائی فرزندی حصہ بھی دیدیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اُس نے اپنے عیال و اطفال کو بلا وسیلہ بسر معاش کے چھوڑ دیا ہوگا؟ کہ وہ ہلاک ہوں اور یہ صرف ایسے نہایت ہی عزیز بھائی اور حلیم رشتہ دار کے لئے جس سے درندہ بھی زیادہ رحیم ہو سکتا ہے۔

جعلی صلح نامہ

اکیلا مراد اس دروغ عظیم کو بیان کرتا ہے اور انگریز جرنیل اُس پر اعتبار کرتا ہے یا اُس سے درگذر کرتا ہے۔ اسی علی مراد نے انگریز جرنیل کو دھوکا دیا کہ بعد مہلک جنگ میانی کے کپتان براؤن کے منشی محی الدین کو دس ہزار روپیہ رشوت دے کر نہایت مخفی کاغذات ایجنسی سے منگوائے تاکہ اُن میں سے نوشہر کے صلح نامہ کو الگ کرے اور ایک نیا جعلی صلح نامہ تیار کر کے جرنیل کے روبرو پیش کر دیا۔ جس سے بعوض چند چھوٹے چھوٹے مواضعات کے اُسے وسیع اضلاع مل گئے اور ایک کثیر رقم اُن افسروں کو رشوت دینے کے لئے بھیجی۔ جن کے پاس اُس کے خلاف ثبوت تھے۔

یہ سب باتیں فطرتی تھیں اُس کی اگلی کامیابیوں کی تھی۔ ہم لوگوں نے اتنے عرصے تک اُس کی بداعمالیوں سے چشم پوشی اور اُن میں شرکت کی تھی کہ وہ زیادہ ڈھیٹ ہو گیا۔ آخرکار اُس نے ہم لوگوں کو بھی فریب دیا۔ اُس وقت البتہ ایک طوفان برپا ہوا۔ جب تک وہ فوج اکٹھا کرتا رہا اور اپنے سردار میر رستم کو مغلوب کرتا اور لوٹتا رہا۔

میر رستم کی اسیری

جب تک اُس نے ہمارے منشیوں کو رشوت دی، ڈاک لوٹی اور الزام میر رستم کے سر تھوپا اور اپنے ضعیف بھائی کو ڈیجی میں قید کیا اور تخویف اور جبر سے اُس کو تمام مقبوضات سے دست بردار کرا دیا۔ اُس وقت تک کچھ نہ تھا مگر جب اُس نے ہمارا ایک ضلع لے لیا تو اُس وقت البتہ ہم انتظام پر آمادہ ہوئے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ انگریز وزرا ان بداعمالیوں کے ہونے کا حال جانتے ہیں اور ہمارے گورنروں نے ثبوت پر ثبوت اُن کے روبرو پیش کیا ہے تاہم وہ نامنصف جج کی طرح خاموش بیٹھے ہیں اور کچھ نہیں کہتے تو واقعی ان کو نہ تو خدا کا اور نہ انسان کا خوف ہے۔ کیا سر گلاڈسٹن ہم لوگوں سے ناانصافیوں کے اور بے قصور لوگوں کے قید ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہیں جس کا اُن پر اس قدر اثر ہوا ہے اور اُنھوں نے اپنے فصیح بیانات سے ہر ایک شخص کے دل میں جسے آزادی سے الفت ہے غصہ پیدا کر دیا ہے اور ایک لفظ بھی اُن مضرتوں کے بارے میں نہیں کہتے جو اُن پر ہماری ہی گورنمنٹ نے عاید کی ہیں۔

مقامی باشندوں کی تکالیف سے لاپرواہی

اُنھیں ثبوت کو دیکھنا چاہیے کیونکہ اس قدر ہم اُن سے اور ہر ایک انگریزی مقنن سے درخواست کر سکتے ہیں۔ وہ ثبوت کو پڑھیں اور دیکھیں کہ ایک دروغ گو بدمعاش کے خوش کرنے کے لئے ہم نے بہت سی دروغ بیانیاں ایک ایسے خاندان کی نسبت بطور شہادت کے تسلیم کیں جو ہمارا دوست تھا اور اُس کے لوگوں کو تمام چیزوں سے محروم کر دیا۔ جا بجا اُن کا تعاقب کیا اور انھیں قید خانوں میں ڈال دیا جہاں سے بجز صبر کے اور کوئی رہائی کی شکل نہیں ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ خفیہ

کہ عوام ہندوستانی رعایا کی تکلیفوں کی جانب سے لاپرواہیں تاہم وہ اس معاملہ میں ضرور غور و فکر کریں گے!

باب ۱۵

دردناک انجام

اوٹرم کی دردانگیز رپورٹ اب اس غمگین قصہ کی آخری کیفیت کا درج کرنا باقی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ کس قدر کم لوگوں نے اُس کو اوٹرم کی دردانگیز اور سچی عبارت کو پڑھنے کی پرداکی ہے۔ تعجب ہے کہ کس قدر کم لوگوں نے ایسے خاکے پر غور کیا ہے جیسا کہ یہ ہے[1] جس بزرگ رئیس نے ملاقات چاہی وہ بچاسی سال کا تھا جسے سر چارلس نیپیر نے ایک ضعیف بوڑھا شخص لکھا ہے اور واقعی ایسا ہی وہ تھا۔ جس کی کمر سن سے خمیدہ ہوگئی تھی۔ نہ کہ جیسا کہ اُس کے لوٹنے والے بھائی نے غلط بیان کیا ہے کہ عیاشی سے اُس کا یہ حال ہوا تھا۔ اُس کے ایام بُرے آگئے تھے۔ انگریز جنھیں اُس نے بطور دوستوں کے اپنے ملک میں آنے دیا تھا اور جن کی ضرورت کے وقت میں اُس نے امداد کی تھی۔ اُس وقت اُس کے ملک پر اس قدر فوج سے قابض تھے جو اُس کے فتح کرنے کے لئے کافی تھی اور زور شور سے مشہور تھی کہ یہی اُن کی غرض تھی۔ کوئی کلمہ تسلی کا نہیں کہا گیا تھا نہ کوئی دوستانہ طمانیت دلائی

[1] شرح فتح سندھ صفحہ ۸۷ — ۱۲

گئی تھی اور وہ شخص جس سے ستر برس تک کسی نے بجز ادب اور لحاظ کے گفتگو نہ کی تھی اب تحکمانہ اور تخویف آمیز الفاظ سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

میر رستم کا اظہار تاسف

اُس کی زبان پر ایک پُر معنی جملہ یہاں حسب حال ہے۔ کہ وہ کہتا تھا کہ "میرے بیٹے محل میں ساری رعایا کے سامنے ذلیل کیے گئے اور میرے سفید بالوں پر حرف آگیا۔ اُس نے اُس شخص کی ملاقات چاہی جس کے دستِ قدرت میں اُس کی اور اُس کے ملک اور رعایا کی تقدیر تھی اس امید سے کہ جو مصیبتیں اُس پر آنے والی ہیں وہ باز رکھی جائیں یا اُن کی وسعت معلوم ہو جائے۔ ایک بھائی نے جس پر وہ اعتبار کرتا تھا اور جس کی دیانت کا اُسے بھروسہ تھا۔ اُس کے ضروری حالات دریافت کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی مگر یہ بھی کہا کہ دغا ہوگی۔ اُس غریب نے اُس بیان پر اعتبار کیا۔ کیونکہ مشدنی باتوں (غارت گری قید جلا وطنی) کا پرتو پہلے پڑ جاتا ہے اُس کے دل پر پڑ گیا تھا اور اُس کی طبیعت میں ایسی بدگمانیاں پیدا ہوگئی تھیں جن کا دفعیہ جرنیل کی حرکات سے کم ممکن تھا۔"

گورنر جنرل لارڈ ایلن برا کا ظلم

ایسے شخص پر جس کا خاکہ یہاں کھینچا گیا ہے یعنی کمزور بوڑھا بزرگ اور اپنے خاندان میں ہر دل عزیز ضرب پر ضرب رسید کرنے میں جرنیل کو لطف آتا تھا۔ ہر قسم کی توہین اور ہر قسم کی مضرت جو حسد اور ستانے کی مجنون تمنا پہنچا سکتی تھی اس کو پہنچائی گئی۔ گورنر جنرل نے فوراً اُس رائے قبیحہ کو جو میر رستم کے فرزند کو دستار ریاست سے محروم کرنے کی تھی منظور کر لیا اور ایک ایسی لاپروائی سے عبارت ذیل اور لکھی جو عرصہ دراز تک ایسے افعال قبیحہ کے کرنے سے عادت ہو جاتی ہے کہ "مجھے بہت کم شک ہے کہ جب ایک مرتبہ علی مراد کو دستار ریاست پر قبضہ مل جائے گا۔ تو وہ ہماری حمایت سے اور زیادہ فطرتی اور معقول تسلسل وراثت دستار کی نسبت قائم کرے گا اور اُس میں ایک صورت جواز کی پیدا کر دے گا۔ مگر علی مراد کو میر رستم کا جانشین موجودہ رواج کے مطابق تسلیم کر کے جس کے مطابق میر رستم کا بڑا بیٹا محروم کیا جاتا ہے۔ میں یک بیک میر علی مراد کے

بڑے بیٹے کو اُس کا جانشین اُس اصول کے خلاف تسلیم نہیں کر سکتا۔ جس پر اُس کے باپ کے حقوق کی بنا ہے۔[1]

لارڈ ایلن برا کی حقائق سے چشم پوشی

اب لارڈ ایلنبرا اور جنرل نیپیر اپنی حرکت کا، جو میر رستم کے بیٹے محمد حسین کو اپنے ورثہ سے محروم کرنے کے بارے میں سرزد ہوئی، کیا جواب دیں گے۔ جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ علی مراد نے اس مظلوم شخص کو اپنی حرام لوٹ کا نصف دینے کا وعدہ کیا تھا اگر وہ اُس کے فریب کی جانب سے جو انگریزوں اور میر رستم کے ساتھ کرنا چاہتا تھا چشم پوشی کرے اور اس بدمعاشی کی تجویز اُسی عقیدت کے ساتھ نامنظور ہوئی جس کے وہ قابل تھی۔ کیا پتھر تک ایسے لوگوں کے خلاف نالاں نہیں ہیں؟

۲۱ر دسمبر کو جنرل نیپیر نے لکھا کہ شمالی و جنوبی سندھ کے تمام امیروں نے صلح نامہ کو منظور کر لیا ہے۔[2]

جنرل نیپیر کے اپنے ظلم کے حق میں دلائل

۲۷ر دسمبر کو جرنیل نے لکھا: ہر چند کہ جنگ کا اشتہار نہیں دیا گیا ہے۔ اور نہ اُس کے دینے کی ضرورت ہے اور ہر چند کہ صلح نامہ کو بخوبی منظور کر لیا گیا ہے تاہم اُس کا ارادہ قلعہ امام گڑھ پر حملہ کرنے کا ہے جو غلام حیدر خاں کے فرزند اکبر میر محمد خاں کی ملک تھا اور جس کے ساتھ اُس نے خط و کتابت تک نہیں کی تھی۔ انگریز جرنیل اس زیادتی کی وجہ بیان کرنے میں اپنی تحریر کی پانچ بار تردید کرتا ہے۔

اولاً:۔ اُس کا بیان ہے کہ اُسے استحقاق حاصل ہے کہ امام گڑھ علی مراد کو منتقل کر دے کیونکہ میر رستم بھاگ گیا ہے اور اُس نے اُس فرار کے قبل حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر یہ خفیف بات ہے،

---

[1] کتاب سرکاری صفحہ ۴۸۰۔ ۱۲

[2] سرکاری کتاب صفحہ ۱/۴۹۔ ۱۲

دوئم :۔ اُس کا پھر بیان ہے کہ سرکاری کتاب نمبر ۱۴۴، "یہ قلعہ میر محمد خان کا ہے۔ لیکن علی مراد کی جائداد اُس کے رئیس خاندان مقرر ہونے سے ہو گیا ہے۔" پس جس حالت میں میر رستم سردار تھا تو وہ قلعہ محمد خان کا کیونکر تھا۔ اگر رئیس کی جائداد تھا تو کیوں اُس انتقامی دستاویز میں اُس کا ذکر نہیں ہے۔ جو علی مراد نے بجبر میر رستم سے حاصل کیا تھا اور جس میں اور قلعے رئیس کے تفصیل وار درج ہیں۔ جیسے شاہ گڈھ وغیرہ۔

سوئم :۔ اُس کا بیان ہے ۔" شمالی سندھ کے تمام قلعہ جات دستار ریاست کے متعلق ہیں" (تتمہ سرکاری کتاب نمبر ۱۴۳) یہ محض واقعات کی خلاف بیانی ہے جیسا کہ سہراب کے وصیت نامے سے ظاہر ہے۔

چہارم :۔ اُس کا بیان ہے کہ" وہ علی مراد کا تھا لیکن تین سال ہوئے کہ اُس نے اپنے ایک عزیز کو دے دیا۔"

پنجم :۔ وہ لکھتا ہے کہ" ہز ہائنس علی مراد سندھ کے قانون کے مطابق رئیس ہے اور میر محمد اُس کا مالک اُس سے باغی ہے۔" (شرح فتح سندھ صفحہ ۲۵۰)

فتح محمد غوری کی اسیری

اُسی خط میں جس میں جرنیل نے ایک مخلص رئیس کے قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے وہ ایک امر کو اس طور پر بیان کرتا ہے کہ گویا بالکل قابل اعتراض ہو۔ یعنی علی مراد کے وزیر نے میر رستم کے نہایت ہی پیارے رفیق فتح محمد غوری کو قید کر لیا ہے۔ وہ علی حسین کو (جسے وہ اپنی معمولی صحبت کے ساتھ شیخ علی سفیر لکھتا ہے) نہایت چالاک و ہوشیار لکھتا ہے۔ دراصل ایسے شخص کے ہاتھ میں جرنیل تھا اور انگریزی قوم کے اصلی اغراض اور اُن کے رفقا۔ کی جان و مال کا خون کر رہا تھا تاکہ اس کم بخت اور اُس کے بدذات آقا کی حالت کو درست کر دے۔ جرنیل گو کہ محض اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھا مگر بالکل اندھا نہ تھا۔

وہ اپنے دوسرے خط میں جس میں اُس نے گورنر جنرل کو میر رستم کے فرار ہو جانے کی

وجہ لکھی تھی۔ یوں بیان کیا ہے۔ "میر رستم جو ایک بزدل شخص ہے اور عرصے سے خیال کرتا تھا کہ میں اُسے قید کرنا چاہتا ہوں یہ سمجھا کہ وہ زمانہ قریب آگیا اور اُس کا بھائی اور میں دونوں اپنی سازش اُس کی نسبت پوری کرنے والے ہیں۔ اب مجھ کو یہ خیال آتا ہے کہ علی مراد نے اُس بوڑھے شخص کو ایسی حماقت کرنے کی جانب مائل کر کے قصداً مستعد کیا ہوگا تاکہ اُسے دستار ریاست کا قبضہ قطعی طور پر مل جائے یا علی مراد کے برتاؤ نے ایسا کیا۔"

نیپیر کا اپنے مظالم پر اظہار تفخر

مؤرخ نیپیر نے اپنے بھائی کو امام گڑھ کی تباہی کے بیان میں سکندر اعظم سے تشبیہ دی ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس پر اُس نے نہایت حجت آمیز فخر کے ساتھ بحث کی ہے۔ سر چارلس نے تین سو آدمیوں اور دو توپوں سے ایک قلعہ کو ڈھا دیا جس کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں اور جس میں ایک بھی محافظ نہ تھا۔ امیروں کو کوئی بات مخالفت کی طرف رجوع نہ کر سکتی تھی۔ چاہے اُن سے فریب کیا جائے یا وہ دق کیے جائیں۔ ورنہ کس آسانی سے انھوں نے جرنیل اور اُس کے تھوڑے سے لوگوں کو ایک ایسے ریگستان میں برباد کر ڈالا ہوتا جہاں پانی میسر نہ آتا تھا۔ واقعی انگریزوں کی حالت نازک تھی۔ بشرطیکہ ہم مؤرخ نیپیر کی قابل تضحیک روایت کے ایک لفظ پر استدلال کر سکیں۔ کیونکہ میر رستم سات ہزار آدمیوں سے قریب تھا اُس کے پاس سات سو آدمی بھی کہیں نہ تھے مگر اپنے خاندان کی عورتوں کی جان بچانے کے لیے زیادہ متردد تھا۔ خوف کی بھگدڑ میں محمد حسین کی بوڑھی ماں کجاوے سے گر پڑی۔ جس سے اُس کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور اُس کی دو خادمہ ہلاک ہوئیں۔ مگر فرار ہی ایک ذریعہ تھا جس سے اُن بدنصیب شہزادیوں کے زیورات اور پوشاک جو بدن پر تھی بچنے کی امید تھی۔ حیدرآباد میں جہاں کچھ بھی مقابلہ نہیں ہوا۔ دیوان مٹیا رام[1] کا بیان ہے کہ عورتوں

---

[1] دیوان مٹیا رام کی درخواست ملاحظہ کرو۔ ۱۲

سے کپڑا تک اُتار لیا گیا اور ایسی ہی میر رستم کے خاندان کی بھی حالت ہوئی ہوتی۔

اہل سندھ کی تباہی وبربادی

خیرپور کی غارت، امیر اور اُن کے خاندان والوں کا فرار، فتح محمد غوری کی گرفتاری وقید، امام گڑھ کی تباہی، میر رستم سے ایک جبریہ تحریر لئے جانے جس سے اُس نے دستار ریاست اور اُس کے متعلقہ اراضیات ودیگر مقبوضات سے دست برداری کی، محمد حسین اور میر رستم کی دیگر اولاد کے محروم الارث ہونے۔ اور بہت سے تخویف آمیز اشتہارات کے جاری کرنے کے بعد جس میں میر رستم پر دروغ گوئی وحیلہ سازی کا الزام عائد کیا گیا ہے، جرنیل نے تفریحاً مختلف امیروں کو طلب کیا کہ اُس کے قدموں پر سر رکھیں اور صلح نامے پر غور کریں۔ جس طرح ہم لوگ کتوں کو اُس وقت بلاتے ہیں جب کہ ہماری نیت اُن کو مار ڈالنے کی ہوتی ہے[۱]۔

---

[۱] اس عبارت کو سنئے جو جرنیل نے ایک ایسے رئیس کو لکھی تھی اور اپنے سن اور بے داغ زندگی کے لئے قابل اعزاز تھا۔ "امیر ایسا حیلہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے" "میں آپ کو ایسی غلط بیانیوں کی آڑ میں نہ چھپنے دوں گا" "میں ایسی دُہری چالوں کو نہیں سمجھتا۔ میں آپ کو آپ کے قول وفعل کا پابند مقرر کرتا ہوں۔ میں اب تم کو تالپوروں کا سردار نہیں سمجھتا نہ میں تم سے اس حیثیت سے معاہدہ کروں گا اور نہ اُن کے ساتھ گفتگو کروں گا جو تم کو رئیس مقرر کرتے ہیں" ہائے بدنصیب ملک جہاں اُس شخص کو رئیس تصور کرنا بھی جرم ناقابل معافی ہے جسے انگریز جرنیل کے آوردہ کے سدراہ ہونے کے لئے ستایا جاتا ہے۔ مذکورۂ بالا کو بطور نمونہ کے اُن تحریروں کا تصور کرنا چاہیے جو میر رستم کو لکھی گئی تھیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ذی ہوش شخص اپنے کو ایسے آدمی کے اختیار میں کر سکتا ہے جو ایسے الفاظ استعمال کرے۔ اس کے سوا جب جرنیل نے خیرپور کے امیروں کو صلح نامہ پر غور کرنے کے لئے پیام بھیجا تو اُن کے پاس جیسا کہ انھوں نے بہت صحیح بیان کیا، تھا ہی کیا جس کی گفتگو کرتے۔ انگریز نے اُن سے سب کچھ لے لیا تھا۔ ۱۲

امرائے حیدرآباد کی سفارت کی ناکامی

قبل اُن کی حاضری کی میعاد کے گذر جانے کے حیدرآباد کے امیروں کے ایلچی خیرپور میں آئے اور جو صوبہ دار اور حسین علی کی جانب سے آئے تھے اُن کو کامل اختیار شرائط طے کرنے کے تھے۔ اب یہ بخوبی واضح ہے کہ اگر ان ایلچیوں سے گفتگو کی گئی ہوتی تو انگریز جرنیل کے لیے اپنے مخالفانہ ارادہ کے پورا کرنے میں بڑی دقت ہوتی۔ ممکن ہے کہ کوئی شرط ایسی نہ تجویز کی گئی ہوتی۔ جس کو ان لوگوں نے منظور نہ کیا ہوتا۔ ایک ہی طریقہ صلح سے اجتناب کرنے کا یہ تھا کہ کوئی حیلہ سوچا جائے یا کوئی سازش میجر کلیبرن کو برباد کرنے والے بلوچیوں سے کی جائے مگر اُن کا وجود صرف کاغذات میں تھا اور علی مراد کی بھی مشفق ہوشیاری نے جعلی خطوط میں صرف ہو سکتی تھی۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ میر رستم نے آخرکار اطاعت قبول کی ہوئی تو اُس کا قید کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ مگر اصل سردار اور رئیس کے ملک میں چھوڑنا جس کو کل رعایا محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اُس نمک حرام کے لیے قباحت ہوتی جس نے اُس کی جگہ چھین لی تھی۔ یہ حالت تردد آمیز تھی۔

لیکن سندھ کے تعلقات میں جو ہمارے ساتھ تھے ہم کو قبل ایسی ایسی نادر باتیں نظر آتی ہیں کہ ہم کو ایک اور عمدہ خیال پر تعجب نہ ہوگا۔ میر رستم اور اُس کے برادرزادہ نصیر کو انگریز جرنیل نے حکم دیا کہ وہ حیدرآباد روانہ ہوں ورنہ دشمن تصور کیے جائیں گے۔[لہ] جنوبی سندھ کے سفیروں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے آقا کے پاس بیرنگ واپس جائیں۔ اور کرنیل اوٹرم سے جن کی نصیحت اور بیانات پر تمام موقعوں پر۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خیال نہیں کیا جاتا تھا مگر مخالف کارروائی کرنے کی ایک مفید فہرست تصور کی جاتی تھی۔

لہ شرح فتح سندھ صفحہ ۲۹۔ اُن کے پہلے برتاؤ کو دوستانہ تصور کر لیجئے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ برتاؤ مخالفانہ محض خیالی طور پر نہ کہ عملاً کیا ہوتا۔ ۱۲

جنرل نیپیر کی مخاصمانہ پالیسی یہ کہا گیا کہ اُن سے وہاں جاکر ملاقات کریں۔ اس طور پر تین غرضیں پوری ہوئیں۔

اولاً :- میر رستم کو بطور محتاج کے اپنی برادری کے حیدرآبادی رئیسوں کے ہاں جانا پڑا اور اس طور پر انھیں ہر ایک خیال آبرو سے جو انسان کے دل میں ہوتا ہے مجبوراً اس توہین اور بربادی سے بچانا پڑا اور اس ذریعہ سے اُن کو مقابلے پر آمادہ اور اُن کے بلوچی اعزا کو مشتعل کرنے کا موقع ملا۔

دوئم :- اس طریقہ سے مہلت مل گئی اور وہ صلح نامہ جو اُسی جگہ طے ہوگیا ہوتا صرف ملتوی نہیں رہا بلکہ میر رستم کو چالاکی سے جنوبی سندھ روانہ کردینے سے اُس کا طے پانا ناممکن ہوگیا۔

سوئم :- جس زمانے میں میجر اوٹرم حیدرآباد میں گفتگو کررہا تھا۔ انگریز جرنیل کو بے روک ٹوک اُس شہر پر چڑھائی کا موقع ملا۔ اور گفتگو سے جو دراصل محض تفریح تھی اُن لوگوں کو جو اصل اسرار سے واقف نہ تھے۔ یہ معلوم ہوا کہ فی الواقع امیروں کے اختیار میں یہ بات تھی کہ اپنی عمل داری کے زرخیز خطوں کو حوالے کرکے باقی کو اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔

جنگ میانی وڈبا کی وجہ اگر خیرپور کے مہاجرین سے پہلے کرنیل اوٹرم حیدرآباد پہنچ گئے ہوتے تو انھوں نے جنوبی سندھ کے امیروں کو جتا دیا ہوتا کہ میر رستم کا اُن کی دارالسلطنت میں آنا اُن کو موجب بربادی ہوگا۔ اس لئے اُن کی یہ سخت کوشش تھی کہ جرنیل سے اپنی روانگی کا حکم حاصل کرلیں اور انھوں نے آخرکار بڑی دقت سے اجازت حاصل کرلی۔ جس سے وہ اس قدر پیشتر روانہ ہوئے کہ حیدرآباد میں (گو بڑی محنت سے) عین موقع پر پہنچے۔ لیکن علی مراد نے بڑی احتیاط کی کہ یہ اجازت اپنے مقام مقصود تک نہ پہنچے۔ اُس نے مراسلہ کو روک لیا اور اس طور پر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے روانہ

کر دیا۔[۵]

فی الواقع امیروں نے باوجود فوج کی پیش قدمی کے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے اور اسے انگریز جرنیل کے پاس بھیج دیا مگر وہ زندہ ہاتھ سے نکل گیا۔ میر رستم کو اپنے درمیان بطور تارک الوطن کے اور اُس کی تمام تکلیفوں کا حال سن کر جس سے اجنبی کا خون بھی جوش کھانے لگتا ہے بہادر بلوچی باز نہ رکھے جا سکے۔ جنگ اور ہلاکت پر آمادہ ہوگئے۔ سندھ اُن کے خون سے تر ہوا ہے اُن کی ہڈیاں میانی اور دوبا کے میدانوں میں گل رہی ہیں۔ اور اُن کے مکانات ویران ہیں۔ مگر عادل خدا ایک دن ضرور اُن کی تکلیفوں کا انتقام لے گا۔ خود میانی کے فتح کرنے والے کے الفاظ سنیئے۔ ہم اُس کے فیصلے کو جو اُس نے اپنے خیال کے نسبت خود کیا ہے پڑھتے ہیں اور خود کوئی لفظ نہ کہیں گے۔

انگریز قوم پر بدنما داغ

انگریز ہندوستان میں زیادتی کرنے والے ہیں اور گو کہ بادشاہ[۶] کوئی ضرر پہنچا نہیں سکتا مگر اُس کے عمال پہنچا سکتے ہیں۔ کوئی شخص اُس سے زیادہ الزام نپولین پر عائد نہیں کر سکتا۔ جو اُن انگریز عاقلوں پر ہے جنھوں نے ہندوستان اور سندھ کو فتح کیا اور اُن لوگوں کا بچاؤ کیا جنھوں نے وہاں ویسی زیادتیاں کیں جیسی کہ ہمارے منصف نے یہاں کی ہیں۔ مگر ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ نپولین کو اسپین کے موجودہ بادشاہ کی حماقت سے ترغیب ہوئی۔ اور اُس کی غرض میں کوئی بات نکمی یا ظالمانہ نہ تھی۔ اس کے برعکس انگریزی گورنمنٹ کی غرض چند دوکان داروں کو مال دار بنانے کی تھی۔ یعنی فرقے دوکان داروں کے جیسا کہ اُن کا موزوں نام رکھا گیا ہے اور کسی قوم کی طاقت اس سے زیادہ نکمے اور ظالمانہ طور پر نہیں ہوئی ہے۔ ہماری غرض ہندوستان (سندھ) کو فتح کرتے ہیں اور ہمارے تمام

---

۵ شرح فتح سندھ صفحہ ۲۹۰ - ۱۲

ظلم وستم صرف زر حاصل کرنے کے لئے ہوئے ۔"

گذشتہ ساٹھ برس کے اندر دس پدم سے زائد روپیہ ہندوستان سے لیا جا چکا ہے ۔ اس کا ہر ایک جزو خون آلودہ اٹھایا گیا ہے اور قاتلوں کی جیب میں ڈالا گیا ہے مگر چاہے اس زر کو جس قدر صاف کرو اور دھو ڈالو مگر اس کا وہ داغ صاف نہ ہوگا جو ہمارے دامن پر لگا گیا ہے ۔ اور ہم لوگوں کو بھی اس جرم کی سزا خدا سے ملے گی ۔ جس کے یہاں قومی تجارتی مقاصد" کی کوئی جگہ نہیں ہے ۔ ورنہ بہشت جس پر ہمارا ایمان ہے اور جس کے حاصل کرنے کی ہم امید کرتے ہیں کوئی شئے نہیں ہے ۔ انصاف اور مذہب "ایک بڑے دست کار ملک" کی نگاہ میں کچھ نہیں ہیں کیونکہ ایسی قوم کا اصل معبود زر ہے۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم میرا بیان عجیب معلوم ہوگا لیکن میں ظالم نپولین کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظالموں پر ترجیح دیتا ہوں ۔ جو شخص اختیار و اقتدار کا طامع ہوتا ہے وہ بالعموم مفتوحہ قوموں کے فائدے کے لیے حکم کرتا ہے لیکن جو لوگ کل منفعت کی ہوس رکھتے ہیں وہ صرف اپنے کو مالدار بنانے اور لکھوکھا قوموں کی شادمانی کے تباہ کرنے کے لئے حکومت کرتے ہیں ۔ "ایک مملوک کہ مردود فرشتہ ہو مگر دوسرا ناری شیطان ہو"[1] کیا یہ الفاظ اس شخص کے ہیں جو خون میں قدم رکھتا ہوا حیدرآباد کے خزانے تک گیا اور یہی وہ ظالم ہیں جنھیں وہ ناری شیطان کہتا ہے جنھوں نے ہمیشہ صلح کی خواہش کی اور سندھ کی لڑائی کو بے ضرورت خلاف مصلحت اور نامنصفانہ قرار دیا افسوس صد افسوس!

ڈاکٹر بیرٹ کی میر رستم کے متعلق رپورٹ سندھ کے بدنصیب رئیسوں کی تاریخ کی اس عام کیفیت کے بعد اب صرف ہر ایک کا حال اُس وقت

---

[1] تالیف سر چارلس نیپیر موسومہ لائیس اینڈ شیدس آف لائف صفحات ۲۹۷ و ۲۹۸ ۔

سے لکھنا باقی رہ گیا ہے جب سے کہ اُن کا خاندان تباہ ہوا اور دارالسلطنت کو انگریزوں نے لوٹ لیا۔ میر رستم جو ۸۰ سال سے زائد کے سن سے گزرا ہوا تھا اور جس کی آخر زندگی اُن لوگوں کے ہاتھوں سے قید ہو کر تلخ ہو گئی تھی جن کی اس نے خدمت کی تھی بہت جلد اپنی مصیبتوں کے بوجھ سے دب گیا۔ قید میں جن انگریز افسروں نے اُسے دیکھا وہ اُس کے استقلال کی نہایت تعریف کرتے تھے کہ وہ غم ناک تقدیر پر صابر تھا۔ ڈاکٹر ہیرٹ جو پونا میں سول سرجن کی حیثیت سے امیروں پر تعینات تھے میر رستم کے شریفانہ طرز کی نسبت یوں لکھتے ہیں۔ "معزول امیر رستم خاں خیرپوری مع اپنے فرزند خورد علی بخش اور برادر نصیر خاں کے مارچ ۱۸۴۴ء سے میری سپردگی میں ہیں اور مجھے نہایت مسرت اس بات کی تصدیق کرنے میں ہوتی ہے کہ وہ اپنی مصیبت کو نہایت شرافت سے جھیل رہے ہیں۔ میں با اطمینان لکھ سکتا ہوں کہ جب سے مجھ سے اُن سے ملاقات ہوئی ہے میں نے کوئی بات ایسی نہیں دیکھی ہے کہ جس سے ذرا بھی شک اُن کی مے خواری یا عیاشی کا ہوا اور مجھے بہت موقع اس کی تحقیق کرنے کا ملا ہے۔ کیونکہ میں ہر شب جایا کرتا تھا۔

میر رستم جس کا سن اس وقت اسی سال سے زاید ہے اپنے تمام ہوش و حواس درست رکھتا ہے اُس کا حافظہ عمدہ ہے اور وہ اپنے مذہب کا نہایت پابند ہے کھانے پینے میں وہ نہایت پرہیزگار ہے گوشت دن میں ایک ہی مرتبہ کھاتا ہے اور بجز دودھ یا پانی کے اور کچھ نہیں پیتا[1]

امرائے سندھ کی پرہیزگاری

کرنیل اوٹرم نے بہت سی شہادت تمام پولیٹکل افسران شاہی کی جمع کی ہے۔ جن کو کچھ بھی تعلق امیروں سے تھا۔ وہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ" امیر اُن بدعنوانیوں سے بالکل پاک تھے جن کا الزام اُن پر کتاب فتح

[1] شرح فتح سندھ حصہ دوئیم صفحہ ۵۲۲۔ ۱۲

سندھ ہیں عاید کیا گیا ہے ؟ تردید اس قدر مکمل ہے کہ اُس میں کچھ اور شامل کرنا غیر ممکن ہے ۔ لیکن ہم ایک اور حملے کا حوالہ دیئے بغیر باز نہیں رہ سکتے ۔ یہ انتخاب کیپٹن کارڈن کے خط کا ہے جس کی سپردگی میں اُس وقت امیر لوگ حیدر آباد میں تھے ۔ "میں اس لئے بجواب تمھارے سوال کے لکھتا ہوں کہ امیر نہایت پرہیزگار لوگ ہیں جو ہر قسم کی شراب سے سخت پرہیز کرتے ہیں اور حقہ پینے سے بھی اُن کو نہایت نفرت ہے اور تمبا کو کی بو تک نہیں برداشت کر سکتے ۔ پس بہ لحاظ حقہ اور شراب پینے کے امیر ہم میں سے بہتیروں کے لئے قابل تقلید ہیں جو اُن سے اعلےٰ ترین شائستگی اور نفس کش اخلاق پر فخر کرتے ہیں "

میر رستم کی توقیر

اس سے کسی قدر تسلی اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو میر رستم کی عزت اور احترام کیا کرتے تھے کہ اُس کے نام کو اس طور پر اُن بدنامیوں سے محفوظ رکھا گیا ہے جو اُس سے منسوب کی جاتی تھیں ۔ آخر کار وہ بوڑھا سردار اطمینان سے میٹھی نیند سو رہا ہے اور اُسے وہ آرام میسر آیا ہے جس سے عیسائی لوگوں نے اسے محروم رکھا تھا ۔ بقیہ امیر جو اُس کے حین حیات اُس سے محبت رکھتے اور اُس کی قدر کرتے تھے اُس کی باتوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ افسوس سے یاد کرتے ہیں ۔ " وہ اپنے ستانے والوں سے کوئی صلہ اُن کی تکلیفوں کا یا اُس کی لی ہوئی چیزوں کا نہیں چاہتے ۔ یہ بات تو گذر گئی اور وہ صرف اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ اُن کے پیارے سردار کی ہڈیاں اُس کے پیدائش کے ملک میں بھیج دی جاتیں ۔ اُن کو امید ہے کہ اِس سے انکار نہ ہوگا اور اُن کو بھروسہ ہے کہ اُن کے دشمنوں کا حسد مُردے کے ساتھ نہ برتا جائے گا ۔ کیا عیسائی حکام بوڑھی بیوہ کو اس آخری تسلی سے محروم رکھیں گے کہ وہ اپنی خاک اپنے متوفی شوہر کی خاک میں ملا دے ۔ کیا دس سال کی جلا وطنی افلاس اور غربت اس آخری تسلی کو نہ حاصل کر سکیں گے ؟ "

وزیر فتح محمد غوری پر الزامات

میر رستم کے بعد وزیر فتح محمد غوری کا زمانہ تھا ۔ یہ ثابت

کیا گیا ہے کہ کس قدر ابتداہی سے اُس کے ساتھ بے انصافی اور حقارت کا برتاؤ ہمارے پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر راس بیل نے روا رکھا۔ چونکہ وہ ہمیشہ اُس نمک حرام علی مراد کا مخالف رہتا تھا اس لئے سندھ میں ہماری عمل داری کی ابتداہی سے اُس عیار سردار نے اُس کی غیبت اختیار کر رکھی تھی۔ کیپٹن براؤن کو علی مراد کے وزیر کی وجہ سے کافی طور پر اُس کی جانب سے بغض ہو گیا تھا اور اُس کی بدگمانیاں جنرل نیپئر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ وہ بدنصیب سردار کبھی ہمارے درباروں میں آنے نہ پاتا تھا۔ یہ علانیہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ ہم اُسے آئندہ میر رستم کا وزیر تصور کریں گے۔ یہ ایک رفیق رئیس کے معاملات میں عجیب اور ناجائز دست اندازی کرنی ہے۔ مگر یہ بھی کافی نہ خیال کیا گیا۔ وزیر پر الزام لگایا گیا کہ اُس نے ہمارے سابق حاکم کچھی محمد شریف کو جو اُس وقت قید تھا رہا کر دیا۔ یہ مظہرہ جرم فتح محمد کا میر رستم کی نسبت بطور ایک الزام کے عاید کیا گیا۔ جس سے اُس کے ملک کا غارت کرنا جائز تصور کیا گیا۔

شرمناک غلط بیانی

ہماری جانب ایک عجیب غلط بیانی سے یہ کہا گیا کہ میر رستم اپنے وزیر کے افعال کا ذمہ دار ہے۔ حالانکہ اُسی وزیر کو ہم نے امیروں کا افسر مطلق نہیں تسلیم کیا۔ چونکہ فتح محمد اپنے سردار کا وفادار تھا۔ اُس کے ساتھ بھاگ کر حیدرآباد گیا اور اُس کے ساتھ ہی قید ہوا۔ اُس کے بعد اُس کی تاریخ میں ایک عجیب معاملہ پیش آیا۔ علی مراد نے جو اُس کے خون کا پیاسا تھا جس نے اتنی مدت تک اُس کی مخالفت کی تھی اُسے انگریز جرنیل سے اس بنیاد پر طلب کیا کہ وہ علی حسین کا چھ ہزار روپیہ کا قرض دار ہے۔

یہ علی حسین چند سال قبل سندھ میں مفلس وارد ہوا تھا مگر اب برائے نام وزیر۔ لیکن دراصل ڈیجی کی ریاست کا حاکم ہو گیا تھا۔ انگریز جرنیل نے فتح محمد کو اُس کے دشمن جانی کے فوراً حوالے کیا جس نے اُسے قید خانے میں ڈال دیا۔ جہاں وہ بارہ مہینے تک

مثل عام مجرموں کے بیاسی سال کے سِن میں رہا مگر خدا نے اُس کے ستانے والوں سے اُس پر زیادہ رحم کرکے اُن کی رہائی کا حکم دیا۔

خان بھاولپور بھاول پور کے خان نے جس کے باپ کے دربار میں ایک زمانے میں فتح محمد وزیر رہ چکا تھا، سر چارلس نیپیر کو لکھا کر " وہ اُس کے باپ کے دوست اور مشیر کو اُس کے حوالے کرے۔ اور اُس انگریز نے علی مراد سے درخواست کرنے کے لئے کہا۔ علی مراد نے شاید ایک ایسے سردار کے خوش کرنے کے لئے جس کی انگریز نہایت عزت کرتے تھے۔ چھ ہزار روپیہ جس کے حیلے سے اُس نے ظالمانہ طور پر بوڑھے مظلوم کو قید کیا تھا لے لینے پر رضامندی ظاہر کی اور اسے رہا کیا۔ جوں ہی فتح محمد بھاول پور میں پہنچا خان بھاولپور نے اُسے بیس ہزار روپیہ نقد اور بارہ ہزار سالانہ کی ایک جاگیر دی اور اُسے وزیر کے عہدے پر ممتاز کیا۔ جس پر کوئی شخص اُس زمانے سے مقرر نہیں ہوا تھا جب سے فتح محمد چلا گیا تھا۔

سکھوں کی دوسری جنگ مگر اٹھانوے برس کے سن اور اُن سختیوں کے اٹھانے سے جو حال میں اُس پر گذری تھیں اور نیز اپنے بڑے اور پیارے بیٹے کے قضا کر جانے سے فتح محمد کی عقل، جو پہلے تیز تھی اب کند ہو گئی تھی۔ وہ خود ملازمت کا متلاشی نہ تھا جس کے لئے وہ اپنے کو انتہائی سن کے باعث ناقابل تصور کرتا تھا۔ اُس نے اپنی سکونت اُس جاگیر میں اختیار کی جو اُسے ملی تھی۔ اور اگر ملتان میں بلوہ ہوا ہوتا تو پھر ہم نے اس شخص کا نام بھی نہ سنا ہوتا جو کسی زمانے میں نہایت لائق شخص تھا اور جس نے بہت صدمے اٹھائے۔

مگر دوسری سکھ لڑائی کے ہونے پر خان بھاولپور کو لاہور کے ریذیڈنٹ[1] لفٹیننٹ ایڈورڈز کی فوج کی شرکت میں مولراج باغی کی فوج کے مقابل میں کارروائی کرنے کو کہا۔ بھاول خاں

---

[1] ایڈورڈز کی تصنیف " ایران دی پنجاب " جلد ۲ صفحہ ۳۲ - ۱۲

نے ادھر اُدھر دیکھا تو کسی کو ایسا نہ پایا جس پر اس قدر اعتبار کیا جا سکے جیسا کہ فتح محمد پر۔ باوجود اپنی زیادہ عمر کے وہ بھاول پور کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا اور اُس نے ستلج کو ۱۳ر مئی ۱۸۴۸ء کو عبور کیا۔ اُس کی امداد کی وقعت جو اُس نے ایڈورڈز کو دی خود اُس افسر کی تحریر سے سمجھی جا سکتی ہے[۱]۔ "فتح محمد خاں غوری کی حالت نازک ہے اور اُس پر میری کامیابی کا انحصار ہے"۔

۱۴ر جون[۲] کو فتح محمد نے پانچ سو آدمیوں اور گیارہ توپوں سے مقام گوائین میں شجاع آباد سے بارہ کوس پر لفٹننٹ ایڈورڈز کی ہدایت کے مطابق مورچہ تیار کیا گیا۔ اُس کی کمان میں جو فوج تھی وہ محض بے قاعدہ لوگوں کی تھی۔ جنھوں نے کبھی گولہ چلتے نہیں دیکھا تھا۔ مولراج کا برادر نسبتی رنگ راج جانب شمال پندرہ میل کے فاصلے پر نو ہزار قواعد دان سپاہیوں اور دس توپوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ جانب مغرب دریائے چناب کے پار اور قریب ہی داؤدپوتوں[۳] کی فوج کے لفٹننٹ ایڈورڈس اور جنرل کارٹلینڈ تین ہزار آدمیوں اور دس توپوں کے ساتھ تھے۔

جنگ کا آغاز

۱۷ر کی شب کو سکھ فوج روانہ ہوئی۔ تاکہ وہ فتح محمد اور لفٹننٹ ایڈورڈز کی فوج درمیان آجائے اور ساتھ ہی ساتھ وہ گھاٹ پر حاوی ہوتا کہ ایڈورڈز کی فوج عبور کرنے سے باز رہے۔ پیر ابراہیم کی تجویز سے داؤدپوتوں نے سکھوں کی چال اس طور پر مات کی کہ خود موضع کنیری میں آگئے جس میں ایڈورڈز کو گھاٹ سے اترنا پڑتا تو جانا پڑتا۔ ۱۸ر جون کو جب ایڈورڈز دریا عبور کر رہا تھا سکھوں نے جو لونار کی بلندیوں پر کنیری کے شمال میں جمے ہوئے تھے فتح محمد خاں کے داہنے بازو پر حملہ کیا اور ایک سخت معرکہ پیش آیا جو دن کے زیادہ

---

[۱] ایضاً صفحہ ۳۶۹۔

[۲] ایضاً صفحہ ۳۷۰۔

[۳] بھاول خاں کی فوج۔ ۱۲

صے تک قائم رہا اور گولیاں چھ گھنٹے تک برابر چلتی رہیں۔ اس کی وجہ کو نوآموز بے قاعدہ سپاہیوں نے اس قدر عرصے تک تجربہ کار باقاعدہ فوج کا مقابلہ کیا۔ صرف ان کی دلیری اور اُن کے کمانڈر کی مضبوطی معلوم ہوتی ہے۔ دو بجے فتح محمد کو مجبوراً اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا پڑا۔ جو اُس نے رفتہ رفتہ انجام دیا اور جانب راست سے ابتدا کرکے دریا کی طرف چلا آیا۔ لڑائی کی نوک جھونک جو اس وقت تک داؤد پوتوں نے برداشت کی تھی۔ اب لفٹننٹ ایڈورڈز کے پٹھان سپاہیوں پر آنے لگی۔ ان وحشی لڑنے والوں کی سرگرمی کو روکنا اور انھیں دشمن کی توپوں پر جا گرنے سے باز رکھنا ناممکن تھا جو عمدہ طور پر کام میں لائی جاتی ہیں اور چونکہ اب اُن کا مقابلہ داؤد پوتوں کی توپوں سے نہ تھا وہ ایڈورڈز کے پٹھانوں کو تباہ کرنے لگیں۔

انگریزی فوج کی کمک اُس وقت میں جب یہ معلوم ہوا کہ اُن کو حملہ کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے جس سے غالباً وہ بالکل نیست و نابود ہو گئے ہوتے۔ جنرل کارٹلینڈ نے جو کمک ایڈورڈز کو روانہ کی تھی۔ وہ نہایت عجلت کے ساتھ آئی۔ اس میں چھ توپیں اور دو پلٹن قواعد دان پیدلوں کی تھیں اور اُن کے آنے سے لڑائی کے انجام کی شکل بالکل بدل گئی۔

سکھ پیدلوں کی فوج کثیر پٹھانوں کے پرے کے قریب آگئی تھی اور اُس کو ایک باڑہ گراف کی نو رسیدہ توپوں سے ماری گئی جس کی آمد سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں پلٹنوں نے۔ جو کمک کے لئے آئی تھیں حملہ کیا اور پٹھان سواروں کی ایک مختصر جماعت سے دو توپیں سکھوں کی لے لیں۔ اب سکھ لوگ ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹنے لگے۔ اُن کا جرنیل رنگ رام پہلے ہی سے بھاگ گیا تھا۔ اور جب لفٹننٹ ایڈورڈز کی فوج ہر جانب سے بڑھی تو دشمن میدان سے سر کے بل بھاگ نکلے۔ اس درمیان میں داؤد پوتوں نے ایڈورڈز کی بائیں جانب اپنی صف درست کر لی تھی۔ اور شدید تعاقب کیا اور دو توپیں اور سکھوں کی چھین لیں۔

فتح محمد غوری کی اعلیٰ فوجی صلاحیت یہ کیفیت جنگ کنیری کی ہے جس میں فتح محمد خاں غوری نے اس فوج کے اول ڈویژن کی کمان کی تھی جس نے مولراج

ناگمہ پر پہلی اور نہایت پر وقعت فتح حاصل کی تھی - یہ وہی فتح محمد ہے جس نے ایک چھوٹے قرضے کے جرم میں انگریز جرنیل کے حکم سے پورے بارہ مہینے قید خانے میں مصائب اٹھائے۔ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ اس نے انگریزوں کے ایک قیدی کی رہائی پر چشم پوشی کی اور اس جرم پر اسے اپنے عہدے سے معزول کیا گیا اور اس کے ساتھ شمالی سندھ کا پولٹیکل ایجنٹ اور اس کا منظور نظر ماتحت سخت حقارت اور اہانت سے پیش آیا۔

لفٹننٹ ایڈورڈز دل سے فتح محمد کی دلیری کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ثابت کرتا ہے کہ وہ جرنیل صرف نام ہی کا نہ تھا کیونکہ اُسی کے حکم سے داؤد پوتے بآہستگی چھ گھنٹے کے معرکے کے بعد ہٹے اور متفقہ فوج کے داہنی جانب سے بائیں جانب کو جگہ منتقل کی۔ مگر وہ بوڑھے وزیر کو عقل کے سلب ہوجانے کا الزام دیتا ہے اور اس کا گرد وہ ایک درخت کے نیچے میلے کچیلے کپڑے پہنے اپنے گرد و پیش کے امور سے بالکل غافل بیٹھا ہوا تسبیح خوانی کر رہا تھا اور گولے جو درخت کی شاخوں سے اُس کے سر پر سے گذر رہے تھے اُن کی اُسے کچھ پروا نہ تھی - اُس کا بیان ہے کہ پریشانی نے اور بڑھاپے نے ذہنی طور پر معذور کر دیا تھا اور اُس نے ایک ہی نگاہ میں دیکھ لیا کہ وہ بوڑھا شخص جو اُس کے قریب گرتا پڑتا آرہا اور تعجب سے اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اُس کی باتوں کو سمجھ نہ سکتا تھا۔

فتح محمد کی فوجی صلاحیتوں کا اعتراف

غرض کہ یہ ایسے شخص کے لئے جس نے ویلنگٹن یا نیڈیئر کے سن کو ٹکے کر ڈالا تھا ایک جرم ٹھہرا کہ اُس میں شباب کا جوش نہ تھا - یہ گویا ایسے شخص کے لئے جرم تھا جس کا سن اسی برس سے زیادہ تھا لو حال ہی میں قید خانے سے چھوٹا تھا کہ وہ ذکاوت میں ہمارے ایک نہایت ہی لائق یورپین افسر کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ رہا یہ کہ وہ ایک درخت کے نیچے بے کار بیٹھا تھا - ہم دیکھتے ہیں کہ لفٹننٹ ایڈورڈ نے خود بھی ایسا ہی کیا " اور سات گھنٹہ جون کی دھوپ میں جہاں بجز ایک جھاڑی کے سایہ کے کچھ نہ تھا اور نہ ایک قطرہ پانی نہ ذرا سی ہوا اُس ناقابل برداشت گرمی کے کم کرنے کے

لئے نہ تھی"۔ بیٹھا رہا۔

رنگ رام سکھ جرنیل بھی ویسا ہی بیکار رہا اور متفقہ فوج کے کمانڈروں سے زیادہ ہوشیاری کی کیونکہ: وہ ایک ہاتھی پر سوار پہاڑیوں سے باطمینان جنگ کو دیکھ رہا تھا جو نونار کے گاؤں کے گرد ہو رہی تھی اور مخالف فوج کے بڑھنے پر نہایت عجلت کے ساتھ مقام جنگ سے جس قدر دور ہو سکا، ہٹ گیا۔ اندازہ کرنا چاہیے کہ اُن تکلیفوں کے بعد جو فتح محمد نے انگریزوں کے ہاتھوں سے اٹھائی تھیں۔ یہ بات محض ہندوستانی سرداروں کی عادت کے مطابق ہوئی ہوتی کہ انھوں نے اس سے کم تکلیف میں یا تو بالکل میدان سے کنارہ کیا ہوتا یا دشمن کے ساتھ شریک ہو گئے ہوتے۔

فتح محمد لڑائی میں برابر چھ گھنٹہ تک شریک رہا۔ اُس کے بعد داہنے جانب سے ہٹ کر بائیں جانب اپنی فوج درست کی۔ دشمن کی بربادی میں اعانت کی۔ اور اُس کے آدمیوں نے دو توپیں چھین لیں۔

فتح محمد غوری کا توپوں پر قبضہ

ایک شخص کا قول ہے جو اس معرکہ میں پیش پیش تھا کہ فتح محمد طعن و تشنیع کے قابل نہ تھا اور اُس نے جھگڑے کی جانب سے وہ لاپروائی ظاہر کی جس کے لئے وہ اپنی زندگی بھر مستعد تھا اور اگر اس نے ان توپوں کو جو جنگ میں پکڑی گئی تھیں۔ اپنے پاس رکھنے میں اصرار نہ کیا ہوتا تو اُس کے ضعف عقل وغیرہ کی روایت نہ سننے میں آتی۔ ان توپوں کا وہ دعوے دار اس وجہ سے تھا کہ اُس نے متفقہ فوج کے بڑے گروہ کی کمان کی تھی دشمن پر پہلے حملہ کیا تھا اپنی جگہ پر چھ گھنٹے تک اُن کے مقابلے میں قائم رہا تھا اور ان سواروں کو دیا تھا جنھوں نے دشمن کا تعاقب کیا۔

اُس کا قول تھا کہ وہ توپوں کو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اُس کی فوج نے انھیں حاصل کیا ہے اور اُن کے لئے یہ پست ہمتی کی بات ہوتی اگر اُن کی فتح کی یہ نشانیاں چھن جاتیں۔ یہ بھی اتفاق ہوا کہ پٹھانوں کے پاس بارکش بیل نہ تھے مگر فتح محمد کے پاس چھ سو بیل تھے۔ چنانچہ اُس نے انھیں توپوں میں جوت دیا اور میدان جنگ سے کھچوا کرے گیا۔ چلے چھٹی ہوئی۔

فتح محمد غوری کے ابتدائی حالات

لفٹننٹ ایڈورڈز کی کتاب کے صفحہ ۱۸۲ میں فتح محمد کا ایک قصہ نہایت غلط طور پر بیان کیا گیا ہے جس میں لفظ مفرور اُس کی نسبت استعمال کیا گیا ہے اور جس کا کل لب لباب صرف یہ ہے کہ اُسے اپنے ملک کا دغا باز نمک حرام ٹھہرائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر کسی قصہ کے بیان کرنے کے دو طریقے ہیں اور ناظرین لیفٹننٹ ایڈورڈز کے بیان سے ذیل کا مقابلہ کریں اور اس کے ساتھ اطمینان رکھیں کہ یہ ایک ایسے شخص کے بیان پر مبنی ہے جس کو سرکار انگریزی بہت مانتی ہے جسے دریائے سندھ کے گرد و نواح کے ملک سے نصف صدی تک اُس سے زیادہ سابقہ رہا۔ جو کسی انگریز کو کسی قسم کے معاملات کے باعث ہونا ممکن ہے۔ فتح محمد خاں غوری غور کے اُس شاہی خاندان سے ہے جس کے لوگ ہندوستان میں بادشاہ ہوئے۔ مگر جس شاخ سے اُس کی نسل ہے وہ اپنے اعلیٰ مقام سے گر گئے ہیں اور خود اس کا باپ بجز معلم ہونے کے اور کچھ نہ تھا۔

فتح محمد کا عہد وزارت

فتح محمد نے اپنی زندگی کی ابتدا ایک مشہور پیر کی رفاقت اور مریدی سے کی۔ جس کے پاس اُچ کا ضلع ہر دو جانب دریائے سندھ کے تھا۔ وہ پیر ایک بدمزاج شخص تھا یہاں تک کہ فتح محمد نے اُسے چھوڑ کر بھاول خاں کے ہاں ملازمت کی جو اُسی نام کے موجودہ خاں بہاول پور۔ کے دادا تھے اُس کو ۵۰ سال کا زمانہ گذرا جب فتح محمد پنیتیس سال سے لے کر چالیس سال تک کا تھا۔ پیر نے دوسری بار بھاول خاں کے ساتھ نزاع کی جس نے چڑھائی کر کے اُچ کو لے لیا اور پیر صاحب بھاگ کر میر سہراب خاں والی خیر پور کے پاس چلے گئے۔ اس سے ایک سخت مقابلہ بہاول خاں کی فوج اور سندھ کے امیروں کی فوج سے ہوا۔ جس میں فتح محمد بخشی یعنی بھاول خاں کی فوج کا سپہ سالار تھا اور بہت کچھ دلیری اور ہوشیاری دکھانے کے بعد اُس نے شکست پائی۔ امیروں کی اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے پیر کو اُچ پھر مل گیا مگر اُس کو صرف شہر دیا گیا۔ اور گرد و نواح کے ضلع کبھی نہیں حاصل ہوئے۔ اس کے بعد برسوں گذر گئے۔ بھاول خاں نے قضا کی اور اُن کا بیٹا سعادت خاں جانشین

ہوا جس کے وقت میں فتح محمد وزارت کے عہدہ پر بحال رہا۔

سعادت خاں پر حملہ

پھر ایسا اتفاق ہوا کہ سعادت خاں ایک روز فتح محمد کے ساتھ ایک ہی اونٹ پر سوار تھے یعنی خان آگے تھا اور فتح محمد پیچھے۔ اونٹ اُن لوگوں کے اُتارنے کے لئے بیٹھ گیا تھا کہ سعادت خاں کے ایک رشتہ دار سنجر خاں نے اُس پر سخت حملہ کیا اور تلوار چلائی اُس ضرب سے خاں کی ران میں زخم آیا اور اونٹ کو زخم لگا جو اُچھل پڑا اور فتح محمد زمین پر گر گیا۔ اس ہلچل میں سنجر نکل بھاگا۔ فتح محمد گر جانے سے اپنے آقا کی اعانت نہ کر سکا جس نے اس وجہ سے یہ خیال کیا کہ وہ اُس کے خلاف سازش میں شریک تھا۔

فتح محمد کا فرار

چنانچہ فتح محمد کو جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔ پہلے وہ ملتان گیا جہاں مظفر خاں حکمران تھا جو اُس شہر کو رنجیت سنگھ کے مقابلے میں محفوظ رکھنے میں مارا گیا۔ خان بھاول پور نے اُس کے نکال دینے پر اصرار کیا جس سے انکار کیا گیا۔ اس سے وہ معرکہ پیش آیا جسے میجر ایڈورڈز نے لکھا ہے کہ فتح محمد کی فریب آمیز اور بے جا کوشش ستلج سے شجاع آباد تک کے ملک کے لے لینے کی تھی۔ ملتانیوں نے شکست پائی اور فتح محمد بھاگ کر لاہور گیا۔ جہاں رنجیت سنگھ اُس کے ساتھ باخلاق پیش آیا۔ مگر اُس نے شاید بخیال اختلاف مذہب اُس بادشاہ کی ملازمت سے انکار کیا۔ اور ڈیرہ غازی خاں کے راستہ سے شمالی سندھ میں آگیا۔ جہاں وہ فوراً وزیر کے عہدہ پر ممتاز ہوا۔ جس طور پر خیرپور میں اُس کے ساتھ برتاؤ ہوا اور جو محبت میر مہراب اور میر رستم کو اُس کے ساتھ تھی وہ عجیب طور پر اُس کیفیت سے اختلاف رکھتی ہے جو میجر ایڈورڈز نے اُس کی بیان کی ہے۔ لیکن اُس سے بدتر خاتمہ ہے۔ جن غلط بدگمانیوں سے وہ بھاول پور سے نکالا گیا تھا وہ صاف ہوگئیں اور اُس کا بے قصور ہونا اس قدر کامل طور پر ثابت ہوگیا کہ موجودہ خاں نے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اُس کی رہائی کے لئے علی مراد کو روپیہ دیئے اور فوراً اُسے اپنی ریاست کا افسر اعلیٰ بنا دیا۔

برنس کے فتح محمد کے متعلق تاثرات

قبل اس بیان کے ختم کرنے کے یہ کہا جانا چاہیئے کہ یہ عجیب تقدیری امر تھا کہ شمالی سندھ میں اول شخص فتح محمد تھا جس نے انگریزی ایلچی کا خیر مقدم کیا۔ برنس کے سفرنامہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۵۲ میں ایک نہایت ہی قابل لحاظ کیفیت اُس ملاقات کی درج ہے جو اُس میں اور برنس میں ہوئی۔" دریائے سندھ کے کنارے پر ہماری ایک عجیب ملاقات خیرپور کے وزیر سے ہوئی۔ جسے میر رستم نے روانہ کیا تھا۔ اُس نے انگریزی گورنمنٹ سے صلح نامہ کرنے کی گفتگو پیش کی۔ پھر اُس نے اُن ریاستوں کے نام لئے جن کی ہمتی ہماری رفاقت سے قائم ہے۔ مثلاً داؤد پوتوں کا سردار و جیسلمیر کا راؤ و بیکانیر کا راجہ اور آخر میں کہا کہ یہ بات نجومیوں نے پہلے سے کہی ہے، اور کتابوں میں بھی لکھ لی ہے کہ انگریز ایک دن تمام ہندوستان پر قابض ہوں گے جس پیشین گوئی کی نسبت میر رستم اور مجھ کو اطمینان ہے کہ ضرور وقوع میں آئے گی اور اُس وقت انگریز پوچھیں گے کہ تم لوگ کیوں رفاقت کی درخواست لے کر نہ آئے۔ اُس نے کہا کہ ستارے اور آسمان انگلستان کی خوش قسمتی کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔"

فتح محمد کی خدمات

اب اس قدر کہنا باقی ہے کہ فتح محمد اُس جاگیر سے جو خان بھاول پور نے اُسے عطا کی ہے اپنی زندگی باعزاز و اکرام بسر کر رہا ہے۔ یہ امید کی جا سکتی ہے کہ کیزی کی عمدہ فتح سے جس کے باعث اُس کے شریکوں کو اس قدر عزت ملی اب بھی اُن لوگوں سے اُس کی خدمات کا کچھ صلہ دلوایا جائے۔ اس نے یہ جنگ انگلستان کے لئے لڑی تھی۔ اس طرح کچھ تلافی اس ظلم اور ناانصافی کی ہو جائے گی جو ہمارے ہاتھوں ہوئی۔

میر رستم کے خاندان کا حشر

میر رستم کے بعد خیرپور کے امیروں میں درجہ کے لحاظ سے میر رستم کا بڑا فرزند محمد حسین ہے۔ اس وقت وہ پنتالیس سال کا ہے۔ ہرچند کہ وہ اس وقت میں جب کہ جنرل نیپیر مخالفانہ طور پر شمالی سندھ پر چڑھائی کر رہے تھے کچھ فوج کی کمان رکھتا تھا مگر اُس نے کسی طور پر اُس جرنیل کی زیادتیوں کو نہ روکا

اُس نے اپنے باپ کو امیروں کے بال بچوں کے روانہ کرنے سے باز رکھا اور اُن کے ساتھ حیدرآباد بھاگ کر جانے سے انکار کیا۔ اُس کی ذات سے کبھی کوئی وجہ ناخوشی کی انگریز جرنیل کو نہیں پیدا ہوئی۔ اپنے باپ اور بھائیوں کے قید کے بعد وہ اپنی ماں یعنی میر رستم کی بیوی اور خاندان کی اور مستورات کے ساتھ گذر گیا اور کچھ دنوں تک مزاریوں اور مرلیوں کے ساتھ قیام کیا جنھوں نے اُس کی مصیبت میں ہمدردی کر کے اپنے ہاں پناہ دی۔ ایک سال کے گذرتے پر وہ ملتان کے صوبے میں چلا گیا۔ وہاں کے سکھ سردار نے شہر کے قریب آنے سے منع کر دیا مگر اُسے سرحد کے قریب ایک موضع میں رہنے کی اجازت دی۔ جہاں وہ اس وقت مقیم ہے۔

جس وقت علی مراد کے معاملہ کی کمیشن تحقیقات کر رہا تھا وہ خود بخود اس کے روبرو حاضر ہوا۔ جس سے خطرہ اُس کے گرفتار ہو جانے کا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ اس قدر پر درد اور فطری سادگی سے اپنی شہادت دی کہ جس سے سب لوگ مداح اور ثنا خواں ہوتے۔ گورنمنٹ نے اُس کے نقصانات کا یقین واثق کر کے پانچ سو روپیہ ماہوار مقرر کرنا چاہا مگر اُس نے اس بنیاد پر انکار کیا کہ یہ اُن بہت سے اشخاص کی پرورش کے لئے کافی نہ ہو گا جو اُس کی زیر کفالت ہیں۔ اور یہ کہ وہ کوئی شے لینا پسند نہ کرے گا جس کو یہ معنی پہنائے جائیں کہ اُس نے اپنے قصور کو تسلیم کیا۔ اس شخص کو ہم نے ملک سے بدر کر دیا ہے کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جابجا آوارہ وطن مبتلائے رنج و محن مارا مارا پھرے۔

میر رستم اور میر مبارک کے فرزند عزیز کو سر چارلس نپیئر نے علی مراد کے حوالہ کیا جس نے اُن پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا ہے جو حسد اور عداوت سے خیال میں آتا ہے۔ اُن کے حصے میں بھوک اور پیاس سردی اور عریانی پڑی ہے۔ سر چارلس نپیر کو جو درخواست اُن لوگوں نے کی ہے اُس میں لکھا ہے کہ ایسی حالت سے موت بہتر ہے اُن کے ستانے والے کا ادنٰے سے ادنٰے ملازم اگر اُن کی حالت کا مقابلہ اُن کے افلاس سے کیا جائے تو چین کرتا ہے۔ کئی شخص مر گئے۔ اور تا وقتیکہ انگریز

گورنمنٹ دست اندازی نہ کرے اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ سب یا تو فاقہ سے یا اُن ظلموں سے مرجائیں گے جو اُن پر کیا جاتا ہے۔

مقید امرائے سندھ کا انجام

"وہ لوگ بے شک عزیز تھے مگر اُن کے عزیزنے اُن کو آرام و سلطنت و قرابت و آزادی و زندگی سے محروم کردیا۔" حیدرآباد کے مقید امیروں کی کیفیت ہم کو کم معلوم ہے۔ میر نصیر خاں میر صوبہ دار خاں اور میر فتح علی صوبہ دار کا فرزند اکبر مر گیا۔ میرپور کا امیر شیر محمد لاہور میں ہے جہاں وہ سکھ لڑائی کے زمانے میں برابر رہا۔ وہاں اُس کو موقع ہمارے دشمنوں کو اپنی شمشیر سے مدد کرنے کا ملا۔ لیکن اُس کے تحمل سے ثابت ہے کہ وہ اُسی وقت لڑا جب اُسے اپنا گھر بچانے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ غلام علی کا بیٹا میر محمد خاں اور اُس کے برادر زادے نور محمد اور سفیر کے فرزند اب تک حیات ہیں۔ آٹھ برس کا زمانہ گذر گیا جب کہ یہ بدنصیب رئیس اپنے خاندان اور اپنے پیاروں سے الگ کئے گئے تھے۔ نور محمد فرزند اکبر میر شاہ داد بطور خونیوں کے سورت کے قلعہ میں قید کیا گیا تھا۔ کیونکہ اُس پر کیپٹن انیس کے قتل کی تہمت لگائی گئی تھی۔ آخر کار گورنر جنرل کی رائے ہوئی جس کے روبرو امیر کے مقدمات کی تحقیقات کی گئی اور اُس نے عزت و حرمت سے برأت حاصل کی۔ یہ تو انصاف ہے۔ یعنی ایک رئیس پانچ سال تک بطور خونیوں کے قید کیا گیا اور اُس سزا کے بعد باعزت بری ہوا۔ محض النسانیت یہ تھی کہ اُسے رہا کردیتے مگر نہیں وہ سورت کے قلعہ سے نکالا گیا۔ تاکہ بنگال کی ناقص آب و ہوا میں اپنے وطن سے اور زیادہ فاصلے پر قید کیا جائے۔ مگر النسان کا ظلم اب اُس کے لئے قریب الاختتام ہے کیونکہ وہ اپنی انتہا کر چکا کہتے ہیں کہ شاہ داد اب زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا۔

شاہ داد کے متعلق ایک انگریز کی رائے

اسی شاہ داد کے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کے شخص نے ملاقات کی تھی۔ جس کی کیفیت ذیل قابل ذکر ہے:۔

"میری گفتگو شاہ داد کے ساتھ ایسے معمولی الفاظ میں تھی جیسا کہ آپ تصور کرسکتے ہیں کہ

دو اجنبی شخصوں میں ہوتی ہے۔ چند وجوہات سے میں قریب دو گھنٹوں کے جہاز پر رہا اور ایک ہندوستانی ذی رتبہ شخص کو دیکھ کر میں نے معمولی صاحب سلامت کی جس کا جواب مشرق کے شرفا کے اخلاق کے ساتھ ملا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے گفتگو اُس کے بحری سفر کی بابت دریافت حالات کر کے شروع کی اور ہم لوگوں نے بھاپ کی قوت وغیرہ پر باتیں کیں۔ حتیٰ کہ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ سر ہنری پاٹنجر کب آئیں گے۔ اُس نے کہا کہ وہ اُس کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ کیونکہ وہ اُس کا اور اُس کے خاندان کا رفیق ہے۔

مجھے خیال ہے کہ اُس نے چند سوالات سندھ اور علی مراد کی نسبت کئے۔ چونکہ حال میں میں کلکتہ سے ہو کر آیا تھا میں نے کہا کہ میں نے امیروں کو بگھی پر سوار جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس سے کچھ گفتگو کلکتہ کی ہونے لگی۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھا کہ سر چارلس نیپر کیا کرتے ہیں اور اُس کی نسبت کہا کہ وہ ایک بہادر جرنیل ہے۔ اور یہ کہا کہ میرے خیال میں وہ نیک بخت شخص معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ مشرق کی زبان، طور وطریقے رسم و رواج سے ناواقف ہے اور کوئی واقفیت سندھ کے امیروں اور اُن کی رعایا کے حقوق کی نہیں رکھتا نہ یہ کہ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے[ل]۔ اور اگر اُسے وہ واقفیت حاصل ہوتی جو سر ہنری پاٹنجر اور دوسرے ذی رتبہ عہدہ داروں کو ہے جن کو باشندگان ملک سے ربط وضبط رکھنے کی عادت

[ل] اب شاہ داد خاں کی گفتگو کا مقابلہ جرنیل نیپر کی گفتگو سے کیجئے جو ذیل کے پرجوش الفاظ میں ہے: "اگر تم مجھے اور زیادہ تکلیف دروغ بیانیوں سے دوگے جیسا کہ تم نے اپنے دو خطوں میں کیا ہے تو میں تمھیں قید کر دوں گا جس کے تم لائق ہو۔ تم لوگ قیدی ہو اگرچہ میں تمھیں ہلاک نہ کروں گا جیسا کہ تم نے اپنے لوگوں کو انگریزوں کی نسبت حکم دیا تھا (اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے)، تاہم تم کو کسی جہاز پر پابزنجیر کر کے بھیج دوں گا۔ میں اب تمھارے خطوط کا جواب نہ دوں گا جن میں سخت دروغ بیانیوں کا محض اعادہ ہے جنھیں میں پسند نہیں کرتا۔" ۱۲

تھی۔ تو جس قدر مضرت اُس نے ہمارے خاندان کو پہنچائی ہے اُس سے اجتناب کیا ہوتا"۔

یہ جہاں تک کہ مجھے یاد ہے ہماری گفتگو کا خاکہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اُس صفائی اور لطف سے مجھے تعجب ہوا جس کے ساتھ ایک سندھی امیر ایسے جرنیل کی نسبت گفتگو کرتا تھا جس نے اُس کی ریاست کو فتح کر لیا تھا"۔ اور کوئی شخص شاہ داد کی گفتگو کا نیپیر کی گفتگو سے مقابلہ کرے تو اسے تعجب ہو گا۔ اور دیکھئے کہ دونوں میں سے کون سا شخص ہمارے مذہب کے اصول کے قریب تر ہے "اپنے دشمنوں سے محبت کرو اُن کو دعا دو جو تم کو بد دعا دیں اور اُن سے بھلائی کرو جو تم سے نفرت کریں"۔

نیپیر کا سفلہ پن

سر ولیم نیپیر کو غصہ اس بات سے آتا ہے[۱] کہ امیروں نے اپنی درخواست میں حضرت عیسیٰؑ کا واسطہ رحم کرنے کے لئے دلایا ہے۔ کیا وہ اس بات سے ناواقف ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو ایک بڑا نبی تصور کرتے اور انھیں روح اللہ کہتے ہیں۔ کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے اگر وہ عیسائیوں سے اُس نام سے التجا کریں جسے وہ لوگ تسلیماً زیادہ مانتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کون زیادہ حضرت عیسیٰؑ کے نام کی توہین کرتا ہے آیا وہ جو اُسے رحم کی التجا کرنے میں لیتا ہے۔ یا وہ جو ذرا رحم نہیں کرتا۔ ایسا شخص جو اُس

---

[۱] ہم یہاں ناظرین کو سر ولیم نیپیر کی علمیت کے ایک عمدہ نمونے کی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ صفحہ ۲۷۹ میں کتاب فتح سندھ میں لکھتا ہے کہ "یہ ہاخ محمد شیدی افریقہ کا غلام تھا جو غالباً کسی حبشی کا فرزند تھا جو مصر میں فرانسیسی فوج کے ساتھ رہا ہو بشرطیکہ اُس کا پہلا نام صحیح ہو"۔ اب ناظرین کو معلوم ہو گا کہ ہوش ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی فہم و طبیعت و روح کے ہیں اس لئے ہوش محمد کے معنی ہیں محمدؐ کا ہوش یا روح۔ کیا اسے کوئی اعتبار کر سکتا ہے۔ کہ سندھ کا مؤرخ اس نام کو فرانسیسی نام ہاخ کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ یہ ایک مثال اُس اغلاط و تحلیط کی ہے جو امیروں کے تمام امور کی ہوئی ہے۔ ایسے لوگوں کی رائے سے ساون اور بی برگ کے نام کے خطوط اصلی قرار دیئے گئے تھے۔ ۱۲

کے نام سے التجا کرنے والے کی درخواست نامنظور کرتا ہے گویا اُسے بُرا تصور کرتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک سیاسی غلطی

آخر میں چند الفاظ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے ضروری ہیں کہ سندھ کی فتح صرف ایک جرم ہی نہ تھا بلکہ فرانسیسیوں کی ظرافت کے لحاظ سے اُس سے بدتر تھا۔ یعنی ایک پولیٹکل غلطی تھی۔ اگر حیدرآباد کے قلعہ میں درحقیقت وہ دو کروڑ روپے ہوتے جنھیں سر الیگزینڈر برنس نے ناحق تصور کرلیا تھا۔ یا اگر لارڈ ایلنبرا کے ہونہار فرزند نے ہماری بمبئی کی ٹکسال چمکتی دیکھ کر چاندی اُنڈیل دی ہوتی تو تعجب نہیں ہے کہ ہر ایک شخص ایک بدنصیب قوم کے مصائب کی جانب سے بہرا ہو جاتا۔ ایک شخص اپنی ذات خاص سے بددیانتی کی حاصل کی ہوئی منفعت کو واپس کرسکتا ہے بلکہ بہت سے لوگ مثل اوٹرم کے ایسے ہیں جو حقارت سے پانچ لاکھ کے انعام سے منہ پھیرلیں گے جو اصل وجہ امیروں کی بربادی کی تھی۔ مگر کب کسی قوم نے کسی منفعت بخش شے کو واپس کیا ہے۔ ہرچند کہ وہ کیسے ہی ناجائز طور پر ملی ہو۔ اس وجہ سے سر ولیم نیپیر نے اپنی آخری درخواست اختتام پر کی ہے۔ یہ درخواست نسل انسانی کی سب سے زبردست اور بدترین خواہش کی نسبت ہے یعنی طمع۔ لیکن انصاف کے حق میں یہ مفید ہے کہ جو زر وہ دکھلاتا ہے وہ کھوٹا ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں جن کی طرف ہم ناظرین سے بخوبی متوجہ ہونے اور اُس صحیح نقشہ سے مقابلہ کرنے کے لئے درخواست کرتے ہیں جو ہم نے اُن کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اُن تمام لوگوں کی عام رائے جو سندھ کی آمدنی سے واقف ہیں یہ ہے کہ وہ بہت بڑھ جائے گی۔ سب سے لائق کلکٹر کا خیال ہے کہ ایک کروڑ سے زیادہ پانچ سال میں ہو جائے گی اور گورنمنٹ کا خرچ نہ پڑے گا۔

سندھ کا رقبہ اور مالیہ

قبل اس کے کہ ہم اصل کیفیت کو ان رایوں سے مقابلہ کریں یہ ضروری ہے کہ ایک مختصر خاکہ امیروں کے زرعی انتظام کا اور

تحصیل مال گذاری کے اُس طریقہ کا جو انگریز جرنیل نے قائم کیا ہے، پیش کیا جائے اور اس خاکہ کے تیار کرنے میں ہم شاید ناظرین کو فرعون کے خواب کی طرف متوجہ کریں گے کیونکہ واقعی جرنیل کے لالچ نے اپنے پہلے کی فربہ مرغی کو کھا لیا ہے اور پھر بھی ویسے ہی دبلے ہیں۔

سندھ کا رقبہ ۴۵ ہزار مربع میل شمار کیا جا سکتا ہے جس میں سے تقریباً پانچواں حصہ علی مراد کا ہے۔ آبادی مختلف طور پر تخمینہ کی گئی ہے اور حال میں اخبار کلکتہ ریویو[۱] کے ایک مضمون میں انگریزی حصہ کی آبادی پانچ لاکھ پچیس ہزار آدمی تخمینہ ہوئی ہے جس میں اگر آٹھواں حصہ بقدر علی مراد کی رعایا کے شامل کر دیا جائے جس کے ضلع بہت آباد نہیں ہیں تو کل آبادی سندھ کے موٹے حساب سے صرف چھ لاکھ لونے ہزار ہوتی ہے۔ اس حساب سے پندرہ باشندے فی مربع میل میں آتے ہیں جس سے اور بھی زیادہ ناقص خیال بہ نسبت اُس کے ہوتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

خوش قسمتی سے ہم پہلے پہل اپنے ناظرین کے روبرو ایک صحیح نقشہ سندھ کے باشندوں کا مع تقسیم جنس ذات کے پیش کرتے ہیں۔

---

[۱] کلکتہ ریویو نمبر ۲ صفحہ ۱۱۔

نقشہ کل آبادی ملک سندھ بتاریخ یکم فروری ۱۸۵۱ء

کلکٹری	تعداد قصبات دمواضع	مسلمان			ہندو			دیگر اقوام			میزان		
		مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان
کراچی	۱۱۴۴	۸۱۰۹۹	۵۸۳۶۱	۱۳۹۴۶۰	۲۳۷۴۵	۱۸۰۱۲	۴۱۳۱۲	۲۵۵۸	۱۹۵۵	۲۵۱۳	۱۰۷۴۲۲	۶۸۱۲۸	۱۸۵۵۵۰
شکارپور	۱۴۱۰	۱۴۴۶۰۴	۱۱۴۴۲۴	۲۵۹۰۲۸	۴۲۱۵۸	۳۸۳۶۳	۸۰۵۳۱	۷۰۵۶	۵۷۸۶	۱۲۸۴۲	۱۹۳۸۱۸	۱۵۸۵۸۳	۳۵۲۴۰۱
حیدرآباد	۴۹۷۷	۲۲۰۴۵۱	۱۸۲۴۴۳	۴۱۰۱۹۴	۶۱۵۹۴	۴۸۱۴۳	۱۰۹۶۳۶	۱۸۲۵۴	۱۴۶۲۶	۳۲۸۸۱	۳۰۶۵۹۸	۲۴۴۲۱۳	۵۵۱۸۱۱
میزان	۷۵۳۱	۴۵۱۲۵۴	۳۵۵۲۲۸	۸۰۶۴۶۸	۱۲۰۵۱۶	۱۰۳۳۲۸	۲۳۳۸۴۴	۲۸۶۸	۲۲۳۶۸	۵۰۲۳۶	۶۰۶۴۳۸	۴۸۰۹۲۴	۱۰۸۶۶۶۲

(نوٹ، مرد و عورتوں کی تعداد میں جو زیادہ غیر مناسبت اس نقشہ میں نظر آتی ہے اُس کی وجہ کسی قدر یہ ہے کہ مشرق کے باشندے خاص کر مسلمان اپنی عورتوں کا حال بتانا پسند نہیں کرتے۔ گمان غالب ہے کہ اس طور پر کتنی بیبیاں اور خادمائیں چھوٹ گئی ہیں۔

سندھ کی آبادی امیروں کی حکومت ایک ایسے ملک پر ہے جس کا رقبہ ۴۸ ہزار مربع میل تھا اور آبادی تقریباً گیارہ لاکھ یعنی فی مربع میل ۲۴ اشخاص کے حساب سے تھی۔ ایسے کم آباد ملک سے یہ واقعی تعجب کی بات ہوتی اگر اُنھوں نے ساٹھ لاکھ سے زیادہ مال گذاری وصول کی ہوتی جو معمولی طور پر اُس کو ملتا تھا۔ سندھ جو آبادی میں ہندوستان کی انگریزی عمل داری کے چوراسوے حصے کا ایک حصہ ہے اور وسعت میں اُس کا دسواں حصہ ہے۔ در اصل سندھ پر حملہ نہ ہوتا اگر سر ولیم نیپیر کا خیال صحیح نکلتا۔ ہم کو یہی فرض کرنا ہے کہ مال گذاری کے اس قدر جلد بڑھ جانے کے لئے ہندوستانی طریقہ تحصیل میں ہم لوگوں نے بہت کچھ اصلاح کی ہوگی۔ اب دیکھئے کہ وہ کیا اصلاحیں کی گئیں۔

سندھ کی علاقائی تقسیم امیروں کے وقت میں سندھ پرگنوں یا صوبوں میں منقسم تھا اور ہر صوبے، ہر پرگنہ میں ایک سزاول مع ایک خزانچی آٹھ یا دس سوار اور کچھ ہرکاروں کے رہتا تھا۔ ہر شہر میں ایک کاردار اس سے کم عملے کے ساتھ سزاول کا ماتحت ہوتا تھا۔ ان لوگوں کو تنخواہ معقول دی جاتی تھی اور خاص کر سزاول ذی لیاقت اور عالی خاندان لوگ ہوتے تھے جن کو چار یا پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور اس تنخواہ پر وہ ایسے ملک میں امارت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

سندھ کی زراعتی پیداوار سال میں دو بار ربیع اور خریف کی فصلوں میں ہر ایک امیر ایک گرد آور وزیر کو اپنے ملک میں بھیجتا تھا جو سزاولوں سے حساب کتاب لیتا و نقائص کو درست کرتا اور شکایتوں کی جانچ کرتا تھا۔ یہ گرد اور بالعموم امیروں کا کوئی رشتہ دار ہوتا تھا۔ اور یہ اُس کا فائدہ تھا کہ اس بات کی احتیاط کرے کہ کاشتکاروں پر ظلم نہ ہو کیونکہ جہاں وہ ایک حاکم کے ملک میں ستائے جاتے تھے تو اپنا علاج آپ کرتے تھے اور دوسرے امیر کے ملک میں چلے جاتے ہیں۔ یہ افسر اور نیز سزاول اور کاردار ایک لاثانی وصف رکھتے تھے وہ یہ تھا کہ رعایا کی حالت اور عادات و خصائل سے واقف تھے۔ چونکہ وہ اپنی

زندگی بھر اُسی ملک میں رہتے آئے تھے اور اُس کی زبان وطور طریقہ سے واقف تھے جو صرف باشندوں ہی کو ہوسکتی ہے یہ بات رعایا کے لئے ناممکن تھی کہ وہ اپنی اصلی حالت کو اُن سے چھپائیں یا چھوٹے چھوٹے عہدہ دار وہ فریب کریں جس سے اجنبی وغیر ملک والے اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ جو کچھ ہمارا زعم وگھمنڈ ہمارے اپنے عمدہ ترین انتظام کی نسبت سے یہ بات یقینی ہے کہ امیروں کے ان افسران مال کے وقت میں سندھی آسودہ اور فارغ البال تھے۔

لگان اراضی ایک بڑا فائدہ کاشتکار کے لئے یہ تھا کہ تمام فصلوں کی مال گزاری جنس میں دی جاتی تھی بجز تمباکو وشکر وسبزی کے جنھیں صرف مال دار کاشتکار پیدا کرتے تھے۔ چونکہ یہ چیزیں بہت فروخت ہوتی ہیں اُن کے مالک نقد مال گزاری دیتے تھے۔

اور اراضیات میں سرکار کا حصہ پیداوار میں جنس میں لیا جاتا تھا جو زیادہ تر بٹائی کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ یہ ایک نہایت ہی منصفانہ انتظام تھا جس کے ذریعہ سے مال گزاری فصل کی پیداوار کے مطابق لے لی جاتی تھی اور زمین کے حق دار سے کوئی تعلق نہ رہتا تھا۔ اوسط حصہ گورنمنٹ کا پیداوار میں پانچ حصوں میں سے دو حصہ سے لے کر نصف تک تھا جو بالکل ممالک مغربی وشمالی کے لگان کے برابر ہے۔ اب اُس طریقے کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ جو نیپئر نے اس قاعدے کو ازسرنو درست کرنے کے لئے تجویز کیا تھا۔ بہت سے انتظام کے بعد جن سے نیا فائدہ جاری ہوا۔ ہم کو ایسی اصلاحوں کی امید کرنی چاہیے جس کی جانب کیسا ہی نہ توجہ کرنے والا اور متعصب شخص ہو رجوع ہوجائے۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اصلاحیں کہاں نظر آتی ہیں۔

اولاً۔ سرداول جن کے تجربے اور تربیت کے باعث اُن کے یوروپین آقا جہالت کے دریا میں غرقاب ہونے سے بچتے تھے کارداروں کے عہدے پر تنزل کردیے گئے۔ اور اُن کی تنخواہ پہلے جس قدر امیروں کے وقت میں تھی۔ اُس کا پانچواں حصہ اور دسواں حصہ کردی گئی۔ اُن کے عہدوں پر بطور سرداولوں کے بہت یوروپین مقرر ہوئے جن کو پہلے سے کچھ تربیت نہ تھی۔ اور ہر ایک بات کو سیکھتا تھا۔ حتیٰ کہ فصل ربیع خریف کا فرق نہیں جانتے

تھے۔ اگلے کارداروں کی تنخواہ نصف دی گئی اور اُن کے سزاولوں کے ساتھ بلا استثنا ایسا برتاؤ ہوتا تھا جیسا بے ایمانوں کے ساتھ۔

فوجی قانون اور غیر معمولی سزائیں

تھوڑے زمانے میں تمام سمجھ دار لوگ ان کارروائیوں سے بالکل چھٹ گئے۔ اُن کی جگہ پر حاجت مند لوگوں نے جن کے پاس کوئی شے ہاتھ سے نکل جانے کی نہ تھی ملازمت اس امید پر قبول کی کہ رعایا کو بلا وقت کے لوٹ لیا جائے۔ اُس وقت ایک طریقہ عام دغابازی اور بے ایمانی کا جاری ہوا بہت جلد سڑکوں پر بدمعاشوں کے گروہ نظر آنے لگے جو چند روز تحصیلداروں کے عہدے پر رہ کر اب قیدیوں کے لباس میں تھے تاکہ رعایا کو سرکاری ملازمت کی عبرت ہو۔ یہ نہ تھا کہ وہ لوگ ہمیشہ مجرم ہی ہوتے تھے بلکہ فوجی قانون حادی تھا۔

ملزم ہونا مجرم ہونے کے برابر تھا اور سزائیں انتہا سے زیادہ دی جاتی تھیں۔ معمولی سزائیں دس پندرہ یا بیس ہزار روپیہ جرمانہ بشمول قید سخت سات یا دس سال یا اس سے زائد کی تھیں۔ جہاں سزا کوئی جزو ہوتی تھی تو اُسی وقت دی جاتی تھی۔ گو کہ اپیل کرنے کی اجازت تھی اور ممکن تھا کہ مجرم تکلیف و بدنامی سہنے کے بعد بری ہو جائے۔ امیروں کے وقت میں مال گزاری کا حساب ہمیشہ کسی مہینے میں ختم ہو جاتا تھا مگر موسم پر موسم گزرتے جاتے تھے اور کوئی تفرقہ نہ ہوتا تھا۔ باوجود سزاؤں کی لاانتہا سختی کے کارداروں کو اور اُن کے ماتحتوں اپنے یورپین آقاؤں کی لاعلمی اور ناتجربہ کاری سے ہر قسم کے فریب اور زیادہ لینے کی ہمت ہوتی تھی۔ اس کے سوا شرح مال گزاری تمام سندھ میں یکساں تھی اور کوئی تفریق بہ لحاظ زمین یا سہولت آب پاشی یا زمین کے کسی مدت تک زیر کاشت رہنے کے نہ تھی سب کو یکساں دینا پڑتا تھا چاہے وہ بنجر زمین کا کاشتکار ہو یا دریا کے دہانے کے زرخیز سیراب کھیتوں کا ہو شکایت اور فہمائش کچھ بھی نہیں سنی جاتی تھی۔

کیا اب اس بیان میں کچھ اور بھی لکھنا ضرور ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں

کہ نہیں ہے۔

اس قدر دیکھ کر کہ سندھ نے اپنی نئی حکومت سے کیا ثمرہ پایا اب ہم خود اپنے حساب کتاب کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ اُس سے ہم کو سر ولیم نیپئر کی اس پیشین گوئی کی صداقت معلوم ہوگی کہ سندھ کی آمدنی پانچ سال میں ایک کروڑ ہو جائے گی۔

ذیل کے نقشہ سے ناظرین رائے قائم کر سکیں گے کہ اُس کے مالی حساب پر کہاں تک استدلال کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اُس کے بیانات بخوبی غلط ثابت ہو سکتے ہیں اور اس سے اور معاملوں میں بھی جس میں ریاضی جیسے علم کی صحت ناممکن ہے اور کسی کے اوپر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

سندھ کا میزانیہ

سندھ کی آمدنی و خرچ اُس کے زمانۂ الحاق یعنی ۱۸۴۳ء سے

	آمدنی	خرچ	فاضل خرچ
	روپیہ	روپیہ	روپیہ
۱۸۴۲ء و ۱۸۴۳ء	۹۳۶۹۳۷	۷۲۶۲۹۷۹	۲۲۳۵۰۸۲
۱۸۴۳ء و ۱۸۴۵ء	۲۸۴۰۵۲۲	۵۹۵۴۴۰۶	۳۱۱۳۸۸۴
۱۸۴۵ء و ۱۸۴۶ء	۲۶۰۰۸۱۸	۶۶۳۰۹۸۴	۴۰۳۰۱۶۶
۱۸۴۶ء و ۱۸۴۷ء	۲۶۹۱۸۰	۶۵۸۶۶۸۴	۳۸۵۵۴۰۲
۱۸۴۷ء و ۱۸۴۸ء	۳۰۷۰۲۳۰	۵۸۸۳۵۵۹	۲۸۱۳۳۲۹
۱۸۴۸ء و ۱۸۴۹ء	۲۹۲۳۵۱۹	۴۸۳۰۵۰۸	۱۹۰۶۹۸۹
۱۸۴۹ء و ۱۸۵۰ء	تخمینہ ۲۹۴۳۷۵۰	تخمینہ ۴۳۹۴۴۸	تخمینہ ۱۸۰۸۶۷۰

۲۳۸۵۳۰۸۳

یعنی ۲۳۸۵۳۰۸ پونڈ [1]

[1] یہ اُس باقاعدہ فوج کی تنخواہ و بھتہ چھوڑ کرہے جو سندھ میں ہے۔ یہ رقم معمولی فوجی خرچ میں شامل ہوجاتی ہے ۱۲

(محکمہ نقشہ جات ۱۱ اگست ۱۸۵۱ء)

خود غرضانہ اصول و مقاصد سندھ پر قبضہ کرنے سے ہم نے سات برس کے اندر ڈھائی کروڑ کا اضافہ اُس کے قرضہ میں کر دیا ہے۔ پس کیا بے انصافی کا لطف اٹھانے کے لئے اس قدر صرف کرنا گراں نہیں ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ آئندہ گورنمنٹ ہند یعنی کورٹ آف ڈائرکٹرز۔ اپنی پالیسی کے لحاظ سے جانچی جائے گی۔ مگر یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اُن پر ایک نامنصفانہ جنگ سے جسے اُن لوگوں نے ناپسند کیا تقریباً دو تین کروڑ کا بار پڑ گیا ہے اور اُن کے خزانے سے برابر اپسے ملک کے الحاق سے صرف ہوتا جائے گا جس سے امیروں کے ساتھ اتحاد کرنے کے زمانے میں تمام فوائد سرحد کے حاصل تھے اور موجودہ خرچ نہ تھا۔ ان ڈھائی کروڑ روپیہ سے جو بے جا دست درازی میں صرف ہوگئے ہیں ہندوستان کی اندرونی ترقی کے لئے کیا کچھ نہ ہو سکتا تھا کیسی کیسی نہریں اور ریل کی سڑکیں جاری ہو سکتی تھیں۔ ذرا مانچسٹر اور لورپول کے سوداگر جنھیں سر چارلس ووڈ دو کانداراُمت کہتے ہیں اس کا خیال کریں اور سوچیں کہ ہندوستان کی کیا حالت ہوگی اگر اختیار حکومت کلیۃً کورٹ آف ڈائرکٹرس کے ہاتھوں سے نکال لئے جائیں۔ جیسا کہ وہ جبراً نکال لئے گئے ہیں اور ایک غیر ذمہ دار جماعت وزرا کے سپرد کی جاتے جو آئے دن بدلتی رہتی ہے اور ہر ایک کارروائی کو چاہے وہ کیسی ہی تو ی کیوں نہ ہو اپنے نکے خود غرضانہ دبے اصولانہ مقاصد کے لئے جائز قرار دینے پر آمادہ رہتی ہے۔

لہ ۷ر مارچ ۱۸۴۴ء کو کورٹ آف پروپرائٹرس کے ایک جلسہ میں جب رزولیوشن ذیل تجویز ہوا کہ "یہ کورٹ نہایت سرگرمی سے کورٹ آف ڈائرکٹرس کو ہدایت کرتی ہے کہ فوراً ایسی کارروائی ملکہ معظمہ کے وزراء سے ذکر کرکے یا اور طور پر عمل میں لائے کہ جملہ ممکنہ معاوضہ اُس بے انصافی کا ہو جو سندھ میں کی گئی ہے اور ایسی حکمت عملی سے دست برداری کراتے جو نیک نیتی کے مغائر اور ہندوستان میں انگریزی حکومت کے منشا کے خلاف ہے" تو مسٹر ٹکر وارکٹر نے بیان کیا کہ یہ رزولیشن فضول ہے کیونکہ چھ مہینے پہلے سے یہ سوچ لیا گیا ہے۔ ۱۲۔

ضمیمہ نمبر (۱)

مقیاس الحرارت کی بلندی میجر ڈوننگ کے مکان میں (کھلا ہوا میدان) کوہ ابو پر ماہ اپریل ۱۸۴۷ء میں۔

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۱۶	۷۲	۷۶	۷۹	۷۷	آسمان صاف ۔ ہوا خفیف
۱۷	″	″	″	″	″ کسی قدر ہوا تیز۔
۱۸	۷۶	۸۰	۸۳	۸۱	″
۱۹	۷۸	۷۲	۸۵	۸۲	″ ہوا تیز
۲۰	۸۰	۸۵	۸۸	۸۶	″ . سرد ہلکی ہوا
۲۱	۸۲	۸۶	۹۰	۸۸	″ ″
۲۲	۸۲	۸۸	۹۰	۸۷	″ ″
۲۳	۸۲	″	″	″	″ ″
۲۴	۸۰	۸۶	۸۸	۸۶	″ ″
۲۵	۸۱	۸۷	۹۱	۸۸	″ معتدل ہوا
۲۶	۸۰	۸۸	۹۱	۸۸	″ رکا ہوا
۲۷	۷۹	۸۷	۸۹	۸۴½	″ ہوا شب کو باد تند
۲۸	۷۸	۸۳	۸۶	۸۲	″ تیز ہوا
۲۹	۷۳	۸۲	۸۳	۷۹	″ ہوا سرد و ٹھہری ہوئی
۳۰	۷۳	۸۱	۸۴	۸۱	″ ہلکی ہوا۔

(نوٹ) ان نقشوں اور آبو کے نقشہ کے لئے میر رستم سابق اسسٹنٹ اجنٹ گورنر جنرل متعینہ راجپوتانہ کا مشکور ہوں۔

مقیاس الحرارت کی بلندی میجر ڈوننگ کے مکان میں دکھلاہوا میدان ، کوہ ابو پر ماہ مئی سنہ ۱۸۴۰ء میں .

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۱	۷۶	۸۳	۸۴½	۸۵	سخت ہوا آسمان صاف
۲	۸۳	۸۸½	۹۱	۸۷	تیز وگرم ہوا.
۳	۷۹	۷۹	۹۲½	۷۹½	بغیر قمر گرم ہوا .
۴	۷۹	۸۶	۷۹	۸۶	ہوائے سرد و مفرح مشرق سے
۵	۷۶	۸۳	۸۴½	۸۲	ہوا نم ہوگی.
۶	۷۲	۸۳	۸۶	۸۴	سرد و تیز ہوا مشرق و جنوب سے.
۷	۷۵	۸۲	۸۶	۸۳	سرد ہوا ۔
۸	۷۳	۸۰	۸۲	۸۰	سرد ہوا مشرق و جنوب سے مع کسی قدر بارش کے
۹	۷۲	۸۱	۸۴	۸۳	تیز ہوا شب کو بجلی کی کڑک .
۱۰	۷۵	۸۵	۸۶	۸۲	تیز بارش پانچ بجے .
۱۱	۷۴	۸۷	۷۹	۸۶	صبح کو سناٹا ۱۰ بجے ہلکی ہوا.
۱۲	۷۷	۸۹	۸۹	۸۷	صبح کو حبس سہ پہر کو ہلکی ہوا
۱۳	۸۰	۹۰	۹۱	۸۸	مغربی ہوا رُکی ہوئی .
۱۴	۸۱	۸۹	۹۰½	۸۷	〃 〃
۱۵	۸۹	۸۶	〃	۷۸	ہوا سرد
۱۶	۷۵	۸۴	۸۵	۸۲	
۱۷	۷۳	۸۴	۸۶	۸۲	ہوا خوش آئند ہوا.
۱۸	۷۳	۸۲	۸۵	۸۲	خنک و خوش آیند ہوا.
۱۹	۷۱	۸۱	۸۴	۸۱	سرد و تیز جنوب و مغرب کی ہوا.

مقیاس الحرارت کی بلندی میجر ڈوننگ کے مکان میں (کھلا ہوا میدان) کوہ الوپر ماہ مئی سنہ ۱۸۴۰ء میں

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۲۰	۱۷	۸۰	۸۴	۸۱	” ” ”
۲۱	۷۹	۸۰	۸۳	۸۱	افق بادل سے گھرا ہوا جانب جنوب و مغرب
۲۲	۷۸	۸۱ ¼	۸۴ ½	۸۲	تیز مغرب و جنوب و مغرب کی ہوا۔
۲۳	۷۹	۸۰	۸۴	۸۱	مغرب و جنوب مغرب کی ہوا رو کی ہوئی مگر تیز۔
۲۴	۷۹	۸۰	۸۵	۸۱	” مگر کسی قدر کم۔
۲۵	۷۳	۸۲	۸۵ ½	۸۲	صبح کو سناٹا دوپہر کو مغرب جنوب مغرب کی ہوا۔
۲۶	۷۴	۸۴	۸۶	۸۲	خفیف زلزلہ وقت شب۔
۲۷	۷۳	۸۲	۸۶	۸۲	زیادہ ہوا نہیں۔
۲۸	۷۲	۸۲	۸۶	۸۳	خوش آیند جنوب و مغرب کی ہوا۔
۲۹	۷۸	۸۲ ¼	۸۳ ½	۸۲	....
۳۰	۷۵	۷۸	۸۲ ½	۸۰	سرد جنوبی ہوا۔
۳۱	۷۲	۷۹	۸۲ ½	۸۰ ½	....

بلندی مقیاس الحرارت مقام ابو واقع جون سنہ ۱۸۴۲ء

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۱	۷۳	۷۹	۸۲ ½	۰	سرد جنوبی ہوا ابر
۲	″	″	۸۳	۰	″ کم ہوا قریب شام
۳	″	۸۴	۸۶ ½	۰	کسی قدر جنوبی ہوا سناٹا اور مغربی ہوا۔
۴	۷۹	۸۲	۸۴	۰	حبس بوقت صبح کرک بوقت دوپہر شام زیادہ خنک
۵	۷۸	۸۵	۸۶	۰	دن بھر حبس گرد بوقت دوپہر
۶	″	۸۶ ½	۹۰	۰	″
۷	۸۰	۸۹	۹۴	۰	خفیف مغربی ہوا چند گھنٹہ تک ابر۔
۸	۸۳	۸۹	۹۴ ½	۰	....
۹	۸۱	″	۹۰	۰	مغرب و جنوب مغرب سے تیز و تازہ ہوا۔
۱۰	۸۰	۸۶	۸۸	۰	جھونکا و تیز بارش جس کے بعد
۱۱	۷۵	۸۲	۸۳ ½	۰	دن بھر سناٹا مگر خنکی ۹ بجے شب کو ہوا کا جھونکا اور شب بھر بارش۔
۱۲	۷۴	۷۷	″	۰	ابر صبح کو۔ خنکی دن بھر
۱۳	۷۴	۷۷	۷۹	۰	پانچ سے
۱۴	۰	۸۴	۹۶	۰	....

یادداشت۔ بالعموم ۶ درجہ فرق ہینٹ کے تھرمامیٹر کا دوپہر کو خیمہ میں اور کھلے ہوئے میدان میں نظر آتا ہے ۵.۹ دن تک ابو پر سنہ ۱۸۴۲ء میں جیسا کہ اس نقشہ سے ظاہر ہے کم سے کم درجہ تھرمامیٹر کا ۷۶ ½ تھا اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ یعنی کمی بیشی ۹ ½ تھی۔ یہ موسم معمول سے زیادہ گرم تھا اس لئے عمدہ پیمانہ آب و ہوا کا نہیں تصور ہو سکتا مگر بہر حال وہاں نشیبی ملک کی آب و ہوا کے ۱۵ درجہ زیادہ خنکی ہے۔

نقشہ ہذیامیٹر دفارن ہائیٹ ، جونکی تالاب مقام آبومن ۱۱ ۵ ۱۸۴۱ء میں تھا

یادداشت ضروری ۔ سہ پہر کو آلہ ۳ یا ۴ بجے دیکھا جاتا تھا اور بالعموم دن کے زیادہ سے زیادہ حرارت ظاہر کرتا ہے اور شب کو ۹ بجے دیکھا جاتا تھا ۔

اپریل ۱۸۴۱ء

تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت	تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت
۱					۹	۷۲	۸۱ر۵	۷۶	کہر
۲					۱۰	۷۵	۹۲ر۵	۷۸	"
۳					۱۱	۷۱ر۵	۷۸ر۵	۷۵ر۵	مغربی ہوا ۔
۴					۱۲	۷۱ر۴	۷۷ر۳	۷۲ر۳	مشرقی ہوا بادل ۱۱ بجے بارش
۵					۱۳	۶۹ر۵	۸۲ر۰	۸۰ر۱	بادل
۶					۱۴	۶۸ر۵	۷۵	۷۲ر۵	"
۷					۱۵	۶۷ر۶	۷۴ر۲	۷۲ر۵	۔
۸	۰	۷۹ر۲	۷۶ر۵		۱۶	۷۲ر۵	۷۹	۷۶	مشرقی ہوا بادل

اپریل ۱۸۴۱ء

تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت
۱۷	٫۱	٫۰۱۵	٫۰۱۲	مغربی ہوا۔
۱۸	۰	٫۰۱۵	٫۰۱۲	مغربی ہوا
۱۹	٫۲	٫۰۱۵	٫۰۱۲	بہت کم ہوا
۲۰	٫۶۹	٫۰۱۵	٫۰۱	،،
۲۱	ڈیڑھ بجے ٫۰۷	٫۰۱۵	٫۰۲	ابر بغیر گرج و کسی قدر بارش
۲۲	۰	٫۰۱۵	٫۰۲۲	مشرق سے جھونکا
۲۳	٫۰۱۵	٫۰	٫۰۴۴۲	لو بھال و گرج

تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت
۲۴	۸ بجے صبح ٫۲۲۵	۰	٫۰۱۵	
۲۵	٫۰۱۵	٫۰۲	٫۰۱۲	
۲۶	٫۰۱	۰	٫۰۵	مغربی تیز ہوا
۲۷	٫۰۱۵	٫۰۲۵	٫۰۵	،،
۲۸	۰	٫۰۱۲۱	٫۰۱۲۱	،،
۲۹	٫۰۱	٫۰۲۲	٫۰۱	گرد وغبار مغرب سے دو بجے دکن
۳۰	٫۰۲	٫۰	٫۰۲۲	ابر مشرقی ہوا۔

(ماہ مئی)

تاریخ	صبح	سہ پہر	شب	کیفیت	تاریخ	صبح	سہ پہر	شب	کیفیت
۱۷	۰	۰٫۲	۰	مغربی ہوا کہر دو بجے بارش	۲۵	۰	۰	۰	۰
۱۸	۰٫۲	۰٫۶	۰	ہوا ندارد۔	۲۶	۰	۰	۰	۰
۱۹	۰	۰	۰	۰	۲۷	۱٫۱۵	۰٫۸	۰	نہایت نم مشرق و جنوب کی ہوا۔
۲۰	۰٫۵	۰٫۲۵	۰	مغربی ہوا۔	۲۸	۰	۰	۰	۰
۲۱	۰٫۲	۰٫۲	۰	۰	۲۹	۰	۰	۰	۰
۲۲	۰٫۶	۰٫۳	۰	مشرقی ہوا۔	۳۰	۰	۰	۰	۰
۲۳	۰٫۳	۰٫۱	۰	جنوب و مشرق کی نم ہوا۔	۳۱	۰٫۲	۰٫۳	۰	۰
۲۴	۰٫۳	۰	۰						

ماہ جون سنہ ۱۸۸۱ء

تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت	تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت
۱	۰	۰	۰	۰	۹	۰	۰	۰	۰
۲	۷۵	۹۳٫۵	۰	۰	۱۰	۰	۰	۰	۰
۳	۷۳٫۵	۸۳	۰	۰	۱۱	۰	۷۸٫۵	۰	۰
۴	۷۷٫۵	۸۳٫۵	۰	۰	۱۲	۷۸	۹۰	۰	۰
۵	۰	۰	۰	۰	۱۳	۰	۰	۰	۰
۶	۰	۰	۰	۰	۱۴	۰	۰	۰	۰
۷	۰	۰	۰	۰	۱۵	۷۲	۹۲	۰	۰
۸	۰	۰	۰	۰	۱۶	۷۷	۹۰٫۵	۰	۰

ماہ جون

تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت	تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت
۱۷	۰	۰	۰	۰	۲۴	٫۲	۱٫۰	۰	۰
۱۸	٫۱	٫۹	۰	۰	۲۵	٫۴	۱٫۱۵	۰	ہوا و پانی
۱۹	۰	۰	۰	۰	۲۶	۰	۰	۰	لگاتار بارش اور تیز ہوا۔
۲۰	٫۰	٫۹	۰	۰	۲۷	۰	٫۶۹	۰	ایضاً
۲۱	٫۰	٫۹	۰	۰	۲۸	۰	٫۴	۰	تیز ہوا
۲۲	۱٫۱۵	۰	۰	۰	۲۹	۰	۰	۰	ابر
۲۳	۰	۰	۰	۰	۳۰	۰	۰	۰	ایضاً

جولائی سنہ ۱۸۴۱ء

تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت	تاریخ	صبح	سہ پہر	رات	کیفیت
۱	۹۰	۹۵	۰	ابر	۶	۲۱	۳۶	۰	۰
۲	۹۶	۹۵	۰	مغربی ہوا آسمان صاف	۷	۳۲	۳۲	۰	۰
۳	۱۰۱.۵	۹۶	۰	ایضاً	۸	۳۲	۰	۰	۰
۴	۱۰۱	۹۵	۰	مقام گوری سکر پر جو سب سے اونچی بلند جگہ ہوگی	۹	۰	۰	۰	۰
۵	۰	۹۵.۵	۰	۰	۱۰	۰	۰	۰	آج سرنگا میں جو نشیبی ملک میں تھرمامیٹر مکان میں ۹۳ درجہ کو پہنچا جو ابو پر ۱۰ درجہ کا فرق رکھتا ہے۔

نوٹ:- تھرمامیٹر وقت طلوع آفتاب بالعموم کھلے میدان میں مکان سے ۷ درجہ نیچے رہتا تھا۔ تر تھرمامیٹر بالعموم خشک سے جون کے شروع تک ۱۰ درجہ نیچا رہا۔ پھر اُس وقت سے ۱۰ جولائی تک مشکل سے اُس کا نصف فرق نظر آتا تھا۔

بیرومیٹر نیچے اور ابو کے اوپر حسب ذیل تھا:۔

	بیرومیٹر	تھرمامیٹر مع فارن ہائیٹ کے پیمانے	تھرمامیٹر بغیر فارن ہائیٹ کے پیمانے
۸ر اپریل موضع انادورہ زیریں پہاڑ چار بار کا اوسط۔	۲۰٫۹۶۰	۹۰٫۱	۹۰٫۹
۹ر اپریل نکی نالاد۔	۲۶٫۳۳۷	۷۸	۷۸
۵ر جولائی ۔گوری سکر سب سے بلند چوٹی۔	۲۴٫۸۰۰	۷۵٫۵	۷۵٫۵
۴ر جولائی ۔مقام نکی نالاد۔ تین بار کا اوسط۔	۲۶٫۴۴۲	۷۵٫۵	۷۵٫۵

بیرومیٹر کی اونچائی سمندر کی سطح سے حسب ذیل فرض کی گئی ہے:۔

بیرومیٹر ۔۲۹٫۹۰۸ (تھرمامیٹر مع پیمانہ فارن ہائیٹ ۴۸ درجہ) تھرمامیٹر بلا پیمانہ فارن ہائیٹ ۴۸ درجہ۔

مختلف مقامات کی بلندی سطح سمندر سے اس قدر ہوگی۔ انادورہ ۹۰۸۰۵ فٹ۔ نکی نالاد ۳۸۳۶ فٹ یعنی ۲۸۷۸ فٹ انادورہ سے اوپر۔ گوری سکر ۵۶۲۱ فٹ یعنی نکی نالاد سے ۱۷۸۵ فٹ نکی نالاد سے اوپر۔

نکی نالاد انادورہ سے ۱۵ درجہ زیادہ خنک پایا گیا جس سے حرارت کی کمی فی ۱۹۱ فٹ چڑھائی کے لئے یک درجہ کی نظر آتی ہے۔ گوری سکر نکی نالاد سے دس درجہ زیادہ سرد ہے۔ جس سے ہر ۱۷۸ فٹ چڑھائی کے لئے یک درجہ کی کمی ہے۔ اوریا اور اچل گڈھ بلندی اور حرارت میں نکی نالاد اور گوری سکر کے نیچے نظر آتے ہیں۔ ان دونوں جگہ کے درمیان سات میل کا فاصلہ ہے۔

باب ۱۶

امرائے سندھ کا خیر مقدم

ضمیمہ نمبر ۲

امرائے سندھ کے وکلاء کی خط و کتابت

کوئی شخص جو ذیل کی خط و کتابت پڑھنے کی تکلیف گوارا کرے ہم کو مطلع کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے رؤسا جن کو کوئی شکایت ہو، یا وہ ایسا سمجھتے ہوں تو وہ کیا کارروائی کر سکتے ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں (اور اس قدر تو واقعی لوگ تسلیم کریں گے) کہ یہ ممکن ہے کہ یہ جھوٹی شہادت یا تعصب یا اُن بے شمار باتوں میں سے جو انسان کی رائے کو خراب کر دیتی ہیں کسی کی وجہ سے ہندوستان کا اعلیٰ ترین حاکم کسی ہندوستانی رئیس کی نسبت کوئی سخت فیصلہ کر سکتا ہے یہ بھی فرض کر لو کہ جو لوگ کہ ہندوستانی معاملات کے عمدہ سمجھنے والے مسلمہ طور پر ہیں۔ یعنی کورٹ آف ڈائریکٹرز اُس ہندوستانی رئیس کی نسبت "نہایت افسوس سے ظاہر کریں کہ وہ اپنے فرض کے لحاظ سے کارروائیوں کے عام طریقے کو نہیں پسند کرتے" اور فرض کرو کہ جو افسر پہلے اُس رئیس کے دربار میں تعینات کئے گئے ہوں اور عرصے تک وہاں رہے

ہوں وہ بالاتفاق اُس کے موافق ہوں۔ تو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی عدالت اپیل نہ ہونی چاہیئے جس میں ایسے معاملے پر از سر نو غور کیا جائے یا وہ معاملہ پارلیمنٹ کی کمیٹیوں کے سر پٹکا جائے۔ جن کا کام پہلے ہی سے بڑھ رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کورٹ آف ڈائریکٹرز خود ہی عدالت اپیل ہیں اور جس قدر کم اُن پر نگرانی کی جائے اُتنا ہی بہتر ہے۔

خط بنام ایڈیٹر ٹائمز

بنام ایڈیٹر صاحب اخبار ٹائمز

جناب من۔ ہم آپ کی اور پبلک کی اطلاع کے لئے اس ذریعہ سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ یہاں معزول امیران سندھ کی جانب سے ہم لوگ اُن بدنصیب رئیسوں کی تکالیف کا دفعیہ کرانے کو موجود تھے جنھوں نے ہندوستان میں کئی بار ناحق اپنے مقدمہ کو پیش کرنے اور انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور آخر کار انھیں مجبور ہوکر ہم لوگوں کو یہاں بھیجنا پڑا۔ ہم لوگوں نے یہاں کراس رابرٹ پیل اور معاملات ہند کے بورڈ آف کنٹرول اور کورٹ آف ڈائرکٹرز سے خط وکتابت کی اور سب نے صاف جواب ہمارے مقدمے کی تحقیقات کے بغیر دیا۔ پس ہم لوگوں کو مجبوراً اس قدر سرمایہ نہ ہونے سے کہ یہاں رہ سکیں ہندوستان واپس جانا پڑا مگر ہماری خواہش ہے کہ قبل روانگی تمھارے پرچہ کے ذریعہ سے بالعموم پبلک پر وہ خط وکتابت ظاہر کریں جو ہم میں اور حکام میں ہوئی ہے بلکہ ہندوستان میں ہوئی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم ہمارے مقدمے کے حسن و قبح کا ایمان داری اور غیر جانب داری سے انصاف کرو گے:۔

درخواست بنام گورنر جنرل ہند

نقل خط من جانب میران سندھ بنام گورنر جنرل ہند

(ترجمہ فارسی)

گلستانِ شوکت و نا متناہی عالی مرتبت ، امنِ حشمت و اجلال ہمائے دوراں نواب معلی القاب سرہنری ہارڈنگ بہادر گورنر جنرل صوبہ جات ہند سلمہ اللہ تعالےٰ ازبارانِ رحمتِ الہٰی تر و تازہ باد۔

بعد سلام و نیاز مافوق کے حضور کے ضمیر پُر تنویر پر آئینہ ہو کہ بوجہ حضور کی آمد مبارک کے ہم لوگوں کو امید تھی کہ حضور کی زیارت نصیب ہوگی۔ لیکن چونکہ کچھ زمانہ گذر چکا اور ہم لوگوں کو وہ نعمت نصیب نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہم لوگ اُس عنایت کے امیدوار ہیں جس سے ہم لوگوں کو کمال مسرت ہوگی۔ جو کچھ ظلم ہم لوگوں پر جو سرکار انگریزی کے دوست تھے۔ ایلنبرا اور سر چارلس نیپیئر نے کیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حضور کو خوب معلوم ہے۔ جس عرصہ دراز سے ہم لوگ مقید ہیں اُس سے ہماری طبیعتیں بہت پست ہو گئی ہیں مگر ہم کو بہت کچھ امید انگریز گورنمنٹ کی عنایت سے ہے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔

معروضہ ۲۵ ماہ شعبان ۱۲۵۸ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۸۴۲ء

مُہر میر صوبہ دار خاں	مُہر میر میر محمد خاں	مُہر میر محمد نصیر خاں

معتمد گورنر جنرل کا خط بنام کیپٹن گارڈن

ترجمہ مکرر ترجمہ فارسی خط مرسلہ آف کری صاحب سکرٹری گورنر جنرل ہند بنام کیپٹن ایم۔ایف گارڈن سپرنٹنڈنٹ انچارج امیران سندھ۔

بجواب آپ کے خط کے ہم کو یہ تحریر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ گورنر جنرل کوئی ضرورت امیروں سے بارکوں میں ملاقات کرنے کی نہیں دیکھتے۔اس کی غرض یہ ہے کہ آپ صاف صاف امیروں کو فہمائش کر دیں کہ گورنر جنرل کوئی لفظ اُن امیروں سے کہنا نہیں چاہتے جس کے ذریعہ سے اُن کی رہائی ہو یا اُن کی حالت میں تبدیلی آئے. لیکن اگر امیر اس فہمائش کے بعد بھی ملاقات کے طالب ہوں تو گورنر جنرل ایک دن اُس کے لئے معین کریں گے۔

امرائے سندھ کی درخواست بنام گورنر جنرل ہند

خط من جانب امیران بنام گورنر جنرل

گلستانِ شوکت و نامتناہی عالی مرتبت نامی حشمت و اجلال ہمائے دوراں نواب معلی القاب ہر ہنری رحمتِ الٰہی تر و تازہ باد۔ پس از تسلیم و نیاز حضور کے ضمیر محبت آمیز پر منقش ہو کر نسبت اُس عریضہ کے جو ہم لوگوں نے حضور کی خدمت میں معرفت کیپٹن گارڈن کے روانہ کیا ہے اور جس کا جواب مسٹر کری نے بھی اور ہم کو کیپٹن گارڈن کے منشی نے ترجمہ کرکے سنایا۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ حضور کوئی لفظ ایسا نہیں ارشاد فرما سکتے جس سے ہم کو فائدہ پہنچے۔ یا ہماری حالت بدلے۔ ہر چند کہ ہم لوگ واقف ہیں کہ حضور اس ظلم وستم کے حالات سے بخوبی

آگاہ ہیں جو ہم میں سے ہر ایک پر گویا بطور معاوضہ اُس اتحاد کے کیا گیا ہے جو ہم کو سرکار انگریزی کے ساتھ تھا مگر چونکہ حضور کو کوئی اختیار ہمارے معاملہ میں دست اندازی کا نہیں ہے پس ہم لوگ کیوں حضور کو اپنے مصائب کے حالات سُنا کر تکلیف دیں جن سے اس قدر خلاف معمول ظلم کے افعال پائے جاتے ہیں۔

اب ہماری تکالیف کے دفعیہ کا ایک ہی علاج ہے۔ یعنی ہم میں سے دو یا تین شخص لنڈن جا کر اپنے کل حالات حضور ملکہ معظمہ و وزرا و بقیہ اراکین سلطنت کے رو برو پیش کریں۔ ہم کو امید ہے کہ حضور اس درخواست سے واقف ہو کر اُسے منظور فرمائیں گے۔ اگر حضور کو ہمارے معاملے میں دست اندازی کا اختیار ہوتا تو حضور نے ہمارے دلوں کو ہمارے حقوق عطا فرما کر خوش کیا ہوتا جس سے انگلستان جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ چونکہ حضور ہمارے مقدمے سے بخوبی واقف ہو گئے ہیں ہم کو یقین ہے کہ حضور نے حتی الوسع ہمارا ہر طرح انصاف کیا ہوتا۔ اب چونکہ ہماری جان و مال و آبرو سب کچھ انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم کو دلی امید ہے کہ حضور ہمارے انگلستان جانے کی ممانعت نہ کریں گے۔

ہم اُن لوگوں سے جو ہمارے پیارے تھے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ جو حالت ہماری ہو گئی ہے وہ معاوضہ اُن خدمات کا ہے جو ہم نے انگریز گورنمنٹ کی کی ہیں اور جس کے ہم مستحق نہ تھے۔ ہم یہاں اس امر کو درج کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزی قانون کے مطابق چاہے کوئی بے قصور ہو یا سنگین جرم کا مجرم ہو۔ بغیر سماعت عذر کے سزایاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُسے ہمیشہ اپنے مقدمے کی کیفیت علانیہ عدالت میں بیان کرنے کا حق حاصل رہتا ہے اور جب اہل عدالت یعنی جیوری بخوبی مقدمے پر غور کر لیتے ہیں اُس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بے قصور یا تقصیروار ہے۔

جب تک ہم لوگوں کے مقدمے کا فیصلہ لندن میں سننے میں نہ آئے ہم لوگ

تصور کریں گے ۔ کہ ہم برسرحق ہیں ۔ لہٰذا ہم لوگ مستدعی ہیں کہ حضور ہماری درخواست منظور فرمائیں اور جب اجازت ہوجائے گی تو ہم لوگ ایک فرد حضور کی خدمت میں پیش کریں گے جس میں ہم میں سے دو یا تین شخصوں کے نام درج ہوں گے ۔ جو لندن جائیں گے ۔ خدا حضور کو شاداں و فرحاں رکھے ۔

معروضہ ۲۶ رمضان ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۴۲ء

مہر میر صوبہ دار خاں	مہر میر محمد خاں	مہر میر محمد نصیر خاں

معتمد گورنر جنرل کا خط بنام گارڈن محافظ امیران سندھ

ترجمہ مکرر ترجمہ فارسی خط من جانب آف کری صاحب سکرٹری گورنر جنرل ہند بنام کیپٹن ایم ۔ ایف گارڈن محافظ امیران سندھ ۔

آپ کا خط مورخہ ۱۵ ماہ رواں مع ملفوفات (خطوط) من جانب امیران بنام گورنر جنرل بہ استدعا اس امر کے کہ اُن میں سے دو شخصوں کو انگلستان اس غرض سے جانے کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنی شکایات بحضور ملکہ معظمہ بہ اجلاس کاؤنسل پیش کریں ، موصول ہوا ۔

مجھے اُس کے جواب میں اس امر کے کہنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ گورنر جنرل اُس درخواست کو منظور نہیں کر سکتے ۔

آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ اس معاملے سے جو حال میں ظہور پذیر ہوا ہے امیران سندھ کو مطلع کردیں ۔ شہنشاہ دہلی نے ایک شخص کو روانہ کیا تھا کہ وہ اُن کے چند معاملات سے انگریز گورنمنٹ کو مطلع کرے مگر چونکہ شخص مذکور

بہ اجازت یا رخصت معینہ حکام کے نہیں بھیجا گیا تھا کورٹ آف ڈائریکٹرز نے نہ تو اُس سے ملاقات کی اور نہ اُس کی سماعت ہوئی ۔

سر رابرٹ بیل کا اطلاعی خط بنام وکلا امیران سندھ

نقل خط من جانب سر رابرٹ بیل بجواب ایک خط مرسلہ سفیران امیران سندھ

سر رابرٹ بیل اخوند حبیب اللہ و دیوان میٹھا رام و دیوان دیارام کو تسلیم کہتے ہیں اور اُن کے خط مورخہ ۳ ماہ رواں کی رسید دیتے ہیں ۔

مطابق قاعدہ سررشتہ کے سر رابرٹ بیل نے وہ مراسلہ وزیر ارل کے پاس بھیج دیا ہے، جو معاملات ہند کے محکمہ کے پریذیڈنٹ ہیں ۔

اسناد وکلائے امیران سندھ کی واپسی

نقل خط من جانب پریذیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول متعلقہ معاملات ہند بجواب ایک خط مرسلہ امیران سندھ و نیز یک خط مرسلہ سفیران امیران سندھ ۔

انڈیا بورڈ اپریل ۱۷ ۱۸۳۵ء

صاحبان ۔ مجھے کمشنران معاملات ہند نے ہدایت کی ہے کہ آپ کے خط مورخہ ۳ ماہ رواں کی رسید دوں ۔ جو آپ لوگوں نے بنام اس بورڈ کے پریذیڈنٹ کے روانہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ بحیثیت وکلاء میر نصیر خاں و میر میر محمد خاں و میر صوبہ دار خاں امیران سندھ کے ہم لوگ اپنے اسناد بھیجتے ہیں اور اس بات کی استدعا کی تھی کہ جلد موقع اس ملک میں آنے کی غرض پریذیڈنٹ کے روبرو

پیش کرنے کا دیا جائے۔

مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ اُس پیکیٹ کو جس میں تمھارے اسناد ہیں جوں کا توں واپس کردوں اور آپ کو اطلاع دوں کہ کوئی عرض داشت گورنمنٹ ہند کی نسبت جس کا حکام انگلستان کے روبرو پیش کرنا مناسب سمجھا جائے۔ حسب قاعدہ معرفت کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی آنی چاہیئے۔

آپ کا تابعدار

جے ایمرسن ٹینٹ

خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز

نقل خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز من جانب امیران سندھ

بخدمت آنربل چیرمین وڈپٹی چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی۔

آنریبل صاحبان۔ ہم لوگ اشخاص مندرجۂ ذیل وکلاء میر میر محمد نصیر خاں و میر میر محمد خان و میر صوبہ دار خاں امیران سندھ بہ توسط آپ صاحبان کے بحضور آنریبل کورٹ آف ڈائریکٹرس ایسٹ انڈیا کمپنی نقل خط موصول شب گذشتہ مرسلہ مسٹر جے ایمرسن ٹینٹ من جانب ارل اورین وکمشنران معاملات ہند مع اسناد محولہ خط مذکور پیش کرتے اور عاجزانہ استدعا کرتے ہیں کہ آنریبل کورٹ اُنھیں روانہ کردے اور امیران سندھ کے مقدمے کی کیفیت مکمل طور پر حضور ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ سے ظاہر کرے۔

آپ کے تابعداران

اخوند حبیب اللہ و دیوان مٹھا رام و دیوان دیا رام

کورٹ آف ڈائریکٹرز کا جواب

نقل خط مرسلہ کورٹ آف ڈائریکٹرز بجواب مذکورہ بالا

ایسٹ انڈیا ہاؤس ۱۸ اراپریل ۱۸۴۵ء

صاحبان! آپ کا خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی بہ غرض پیشی استاد وکالت من جانب معزول امیران سندھ د استدعائے حصول اجازت بغرض عرض حال مشارٌالیہ موصول ہوکر کورٹ آف ڈائریکٹرز کے حضور میں پیش کیا گیا۔

بجواب اُس کے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو مطلع کردوں کہ کورٹ مذکور کوئی عرض حال من جانب معزول امیران سندھ تاوقتیکہ بہ توسط گورنمنٹ ہند نہ ہو سننے سے معذور ہے۔ لہٰذا میں آپ کو آپ کے استاد واپس کرتا ہوں۔

آپ کا تابعدار

جیمس میلول

بخدمت

اخوند حبیب اللہ

دیوان ہیٹارام

دیوان دیارام

خط بنام چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز

نقل خط مرسلہ سفیران بنام چیرمین کورٹ آف ڈائرکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی

اخوند حبیب اللہ دیوان مٹھا رام و دیوان دیارام آنریبل کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیرمین صاحب کی خدمت میں تسلیم عرض کرتے ہیں اور اس امر کو ایک عنایت خاص تصور کریں گے اگر ان کو مطلع کیا جائے گا کہ کس وقت وہ ممدوح الیہ کی ملازمت حاصل کرسکتے ہیں۔

چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز کی معذوری

جواب مذکورہ بالا مع خط مرسلہ کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی۔

صاحب چیرمین ایسٹ انڈیا کمپنی اخوند حبیب اللہ دیوان مٹھا رام و دیوان دیارام کو تسلیم عرض کرتے ہیں۔ انھیں اپنے بارے میں خط کے جواب سے جو بنام ڈائرکٹران تھا۔ معلوم ہوا ہوگا کہ چیرمین اُن سے ملاقات کرنے سے معذور ہے جیسا کہ انھوں نے اپنے خط میں درخواست کی ہے۔

ایسٹ انڈیا ہاؤس ۱۸ اپریل ۱۸۴۵ء

درخواست وکلاء بنام ارل اوربن

نقل خط بنام ارل اوربن مرسلہ سفیران امیران سندھ۔

اخوند حبیب اللہ دیوان یمٹارام و دیوان دیارام وکلا امیران سندھ ارل اوربن کی حضور میں نقل خط جو انھوں نے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو حسب ہدایت ارل موصوف مطابق تحریر مسٹر ایمرسن ٹینٹ بھیجا تھا اور دوسرا جو اُنھوں نے بحضور چیرمین کورٹ مذکور بھیجا تھا مع اُس کے جواب دستخطی مسٹر میلول صاحب روانہ کرتے ہیں۔

وکلا اس امید کو بہ سرگرمی تمام ظاہر کرتے ہیں کہ حضور ان خفیف رسمی امور کو جن سے وہ لوگ بوجہ ایجنٹ کے ناواقف ہیں اُن کے مقدمے پر غور کامل کیے جانے میں حارج نہ ہونے دیں گے جس کے مصائب کے لحاظ سے وہ بخوبی مستحق اُس امر کے ہیں کہ غور کیا جائے۔

۱۹۔ ہاربی اسٹریٹ ۲۰ اپریل ۱۸۴۵ء

انڈیا بورڈ کا جواب

نقل جواب مذکورہ بالا

انڈیا بورڈ ۲۰ اپریل ۱۸۴۵ء

صاحبان! کمشنران معاملات ہند کی خواہش سے میں اُس خط کی رسید دیتا ہوں جو آپ لوگوں نے بنام پریذیڈنٹ بورڈ روانہ کیا ہے اور ایک نقل اُس خط و کتابت کی جو آپ سے اور کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہوئی ، ملفوف

کیا ہے۔

بورڈ مجھ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کو مطلع کروں کہ جو خط آپ کے پاس ۱۸ ار ماہ رواں کو بحکم کورٹ آف ڈائریکٹرز روانہ کیا گیا تھا وہ اس بورڈ سے پہلے سے منظور ہو چکا تھا۔

آپ کا تابعدار

(جے ایمرسن ٹینٹ)

وکلاء کی دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) سے اپیل

نقل عرضی من جانب سفیران امیران سندھ بنام ہاؤس آف کامنز بخدمت آنریبل کامنز برطانیہ کلاں و آئرلینڈ باجلاس پارلیمنٹ

فدویان اخوند حبیب اللہ و دیوان ٹیٹا رام و دیوان دیارام من جانب امیران سندھ حسب ذیل عرض رساں ہیں۔

فدویان ایک ملک دور و دراز سے جسے قادر مطلق نے زیر حکومت سرکار انگریزی کیا ہے آئے ہیں اور امیران سندھ کی شکایات کے پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ اُن کو امید کامل ہے کہ آپ کا آنریبل ہاؤس حضور ملکہ معظمہ سے سفارش کرے گا کہ وہ امیران سندھ کا انصاف کریں اور کچھ خیال ایک قدیم قوم کے سرداروں کا فرمائیں جو آسودگی اور سرسبزی کی چوٹی سے مصیبت اور تکلیف کے قعر عمیق میں گر گئے ہیں۔ خالق نے بعض قوموں کو قوت عطا کی ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کے فائدے کے کام کریں۔ اگر یہ طاقت بے جا طور پر کام میں لائی جاتی ہے اور غربا اور مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد میں لاپروائی سے

سنی جاتی ہیں. تو خدا اپنے مصیبت زدہ بندوں کی امداد کرتا ہے اور اُن کو مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

فدویان باادب عرض کرتے ہیں کہ بنگال کی آب و ہوا امیروں کی تندرستی کے موافق نہیں ہے جنھوں نے پونا اور بمبئی سے لائے جانے کے وقت سخت اعتراض کیا تھا مگر پھر بھی وہ جبراً کلکتہ بھیج دیئے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ امیر نصیر خاں نے بوجہ قید و رنج کے جاں بحق تسلیم کی اور بقیہ امیر ہمیشہ بیمار رہتے ہیں اور اگر مجبوراً وہاں رکھے جائیں گے تو مرجائیں گے اس لئے وہ آپ سے ملتجی ہیں کہ اُنھیں کلکتہ سے پھر بمبئی یا پونا بھیج دیا جائے جہاں اُن لوگوں نے آب و ہوا کا تجربہ کیا ہے اور اُسے اپنی تندرستی کے موافق پایا ہے۔ اس کے سوا اُن کی بیویاں و بال بچے اُن کے شریک حال ہونے کی اجازت پائیں اور اُن کے اطمینان کے لئے میر عباس میر محمد علی یا نوجوان امیروں میں کوئی اُن کی محافظت کرنے کے لئے بھیجا جائے اور چونکہ اُنھوں نے کبھی سمندر کے مصائب نہیں سہے ہیں۔ ایک جہاز اُن کے اختیار میں کیا جائے اور اگر اُن کو خشکی کی راہ پسند ہو تو اُن کی پردہ داری اور حفاظت کا سامان رہے جو اُن کے رتبۂ عالی اور حالت بے کسی کے شایاں ہے اُن مغموم بیویوں کی مصیبت ذیل کے عرض سے ظاہر ہے جو انھوں نے ہم کو دی ہے اور جسے ہم کو امید ہے کوئی رفیق اُن بد نصیبوں کا ملکہ وکٹوریہ تک پہنچائے گا۔

بیگمات امیران سندھ کا خط بنام ملکہ وکٹوریہ

الہٰی ملکہ وکٹوریہ کا سایہ دولت. جو مثل بلقیس کے پاک دامن اور با حشمت ہیں بروئے ترقی ہو۔

دو برس کا زمانہ گزرا کہ سر چارلس نیپئر حیدرآباد سندھ میں فوج و توپ خانہ لے کر آئے اور ہمارے مکانات سے تمام زر نقد و جواہرات و زیورات اور جملہ اشیائے قیمتی لوٹ کر لے گئے اور اس کے ساتھ وہ ہمارے شوہروں یعنی امیروں اور بچوں کو ہندوستان بطور قیدی کے لے گئے۔ اب نسبت ہم عورتوں کے جن کو کوئی اختیارات نہیں ہیں اور جس وقت سر چارلس نیپئر آئے اپنے مکانات میں بیٹھے ہوئے تھے یہ کیا رسم ہے کہ وہ ہمارے مکانات میں داخل ہوں اور ہمارے زیورات لوٹ لیں اور ہماری پرورش کے لئے کچھ نہ چھوڑیں۔

دو برس ہوئے جب سے انھوں نے ہم کو اپنے مکانات اور وطن سے جدا کیا اور ہم کو جھونپڑوں میں مثل فقیروں کے رہنے پر مجبور کیا اور ہماری پرورش کے لئے کافی سامان نہیں دیا چنانچہ جو کچھ وہ دیتے ہیں اسے ہم ایک ہفتہ میں کھا ڈالتے ہیں۔ خدا ہی اُس مصیبت کو جانتا ہے جو ہم کو کھانے اور کپڑے کی جانب سے ہے اور امیروں کی جدائی سے ہم کو وہ تکلیف اور مایوسی ہے کہ زندگی وبال ہو رہی ہے۔ اگر کوئی خدا کی مرضی سے قضا کر جائے تو کوئی پرُسان نہیں ہے۔

ہم کو ہر روز ایک نئی موت کی تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔ اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ بوجہ اس کے کہ آپ خود بھی ملکہ ہیں جس طرح کسی زمانے میں ہم لوگ

مجھے آپ ہم سے ہمدردی کرنے کے قابل ہیں اور اس لئے ہم پر رحم کریں گی اور اُن چیزوں کو واپس کرادیں گی جو ہم سے سر چارلس نیپیئر لے گئے ہیں اور چونکہ ہمارے دل امیروں اور اپنے فرزندوں کی جدائی کے رنج سے مجروح ہو رہے ہیں اور جس سے ہم لوگ مایوسی کے درجے کو پہنچ گئے ہیں آپ ہماری اس تکلیف کو رفع کریں ورنہ ہم اپنا ہلاک ہونا بہت بڑی نعمت تصور کریں گے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔

معروضہ ۱۳ ماہ شوال ۱۲۶۰ھ مقام حیدر آباد سندھ

دستخط میر کرم علی خاں

〃 میر محمد نصیر خاں

〃 میر نور محمد خاں

〃 میر میر محمد خاں

〃 میر صوبہ دار خاں

ہم لوگ یہ بھی استدعا کرتے ہیں کہ۔

چونکہ امیروں کی تنخواہ اُن کی پرورش اور نیز اُن کے رفیق ملازمین کی پرورش کے لئے جو اُن کے ہمراہ جلا وطن ہوئے ہیں ناکافی ہے وہ اُن کے رتبہ اور عہدے کے مطابق بڑھا دی جائے اور مناسب مکانات امیروں اور اُن کے عیال واطفال کے لئے حسب رواج اُن کے ملک کے دیئے جائیں۔ جواہرات کا اسباب جو امیروں اور اُن کی بیویوں سے چھین لیا گیا ہے۔ اُن کو واپس ملے اور سر چارلس نیپیر کو حکم دیا جائے کہ وہ گنج کے کاغذات و فہرست اشیاء واپس کردیں۔ تاکہ امیر اپنے اسباب اُن کاغذات کے مطابق واپس لیں۔ جملہ امیر جو پونا سورت ہزاری باغ اور کلکتہ میں ہیں۔ ایک ساتھ رہنے چاہئیں اور

اس قدر سخت حراست میں نہ رکھے جائیں۔

میر کرم علی خاں کی بیگمات کے پاس کچھ جاگیر تھی جسے سر چارلس نیپیئر نے لے لیا ہے اور چونکہ بہت سے بلوچی سرداروں کو اُن کی جاگیریں واپس ملی ہیں ان معزز بیگمات کو بھی جو تالپور خاندان کی سرتاج ہیں۔ اُن کے پُرانے مقبوضات مع اُن کے زیورات اور رنج کی جائداد کے واپس دیئے جائیں۔ اور معقول مکانات ان بدنصیب بیوگان کے لئے مہیا کئے جائیں۔ (کیونکہ اُن کے قدیم مکانات سر چارلس نیپیئر کے ہاتھوں میں ہیں) اور اُن کو سندھ میں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔ نہ یہ کہ اُن کو ایک اجنبی ملک میں اپنے وطن مالوف سے دور بقیہ عمر بسر کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اور ہم لوگ ہمیشہ آپ کے دعاگو رہیں گے۔

وکلا امیران سندھ کا خط بنام ملکہ وکٹوریہ

نقل عرضی

بحضور بندگان علیا حضرت جناب وکٹوریہ ملکہ معظمہ برطانیہ اعظم و آئرلینڈ

علیا حضرت۔ فدویان اخوند حبیب اللہ دیوان مٹھارام و دیوان دیارام مقررہ سفیران معزول امیران سندھ بندگان علیا حضرت کی خدمت میں عرض پرداز ہیں کہ قادر مطلق نے بادشاہوں کو اپنی مخلوقات میں برتر بنایا ہے۔ اور اُن کو دنیا کی بادشاہت عطا فرما کر اُن کے ہاتھوں میں زمام حکومت دی ہے اور اُنھیں انسانوں کے کاروبار کا ہادی اس غرض سے بنایا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق کی حفاظت کریں اور ایک شخص کو دوسرے پر ظلم نہ کرنے دیں۔

چونکہ ہم پر ایسا ظلم و بیداد انگریز گورنمنٹ کے ملازمان کی جانب سے ہوا ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ ہم لوگ ایک دور دراز ملک سے اس شہر میں اُن ایذاؤں کی داد پانے کے لئے آئے ہیں جو ہم پر ہوتی ہیں۔

ہم بغرض اطلاع وہی روشن دل بادشاہ کے عرض کرتے ہیں کہ ۱۸۰۹ء سے لے کر ۱۸۳۹ء تک جس قدر صلح نامے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین نے دربار سندھ سے کئے سب کی خلاف ورزی کی گئی اور برابر سخت ترین شرائط امیران سندھ سے کئے گئے۔ جن کو اُن لوگوں نے بوجہ ضرورت کے جبراً وقہراً منظور کیا اور کسی حالت میں یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ہمارے آقا امیروں نے اپنے معاہدوں کی سخت پابندی سے انحراف کیا۔

سر چارلس نیپیر نے سندھ میں پہنچ کر ایک نیا صلح نامہ ہمارے امیروں کے پاس بھیجا جو ہمارے قبضہ میں ہے۔ ہم باادب ملتجی ہیں کہ حضور عالیہ بہ اجلاس کونسل براہ الطاف خسروانہ ایک نگاہ صلح نامہ جات مذکورہ کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ معلوم ہو کہ فریقین میں سے کس نے اُن معاہدوں سے خلاف ورزی کی ہے۔

اس کی نسبت جو کچھ سر چارلس نیپیر نے بیان کیا ہے کہ اُن کو چند خطوط مہری میر محمد نصیر خاں کے دستیاب ہوئے ہیں جو انھوں نے ایک بگتی سردار بی برگ اور دیوان ساون مل حاکم ملتان کو لکھے تھے اور جس کی وجہ سے سر نیپیر نے اُن زیادتیوں کے کرنے کا اپنے کو مجاز سمجھا جو اُن سے ہوئیں۔ ہم مودبانہ عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص دیوان میٹھا رام وہ شخص ہے جسے محمد نصیر خاں نے سر چارلس نیپیر کے پاس مقام روہڑی میں ان مفروضہ گرفتار شدہ خطوط کی حقیقت حال کی دریافت کے

لے بھیجا تھا جن سے سر چارلس نیپیر نے قطعاً فرمایا کہ "میں کچھ بھی خطوط کی نسبت نہیں جانتا شاید گورنر جنرل لارڈ ایلنبرا اُن سے کچھ واقف ہوں مثل تمہارے میں بھی گورنر جنرل کا وکیل ہوں اور جو کچھ احکام وہ بھیجتے ہیں مجھے تعمیل ضروری ہے۔" اس کے بعد جب ہمارے آقا رئیسوں نے میجر اوٹرم پولٹیکل ایجنٹ حیدر آباد سے ملاقات کی اُنھوں نے اُن خطوط اور مُہروں کو دیکھنے کے لئے مانگا جن کا پانا سر چارلس نیپیر بیان کرتے تھے۔ میجر اوٹرم نے جواب دیا کہ ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے آپ سر چارلس نیپیر سے دریافت کریں۔ اس کے چند روز بعد جب وہ مقام سالور میں قید تھے تو اُنھوں نے ان خطوط اور مہروں کا ذکر کپتان گارڈن سے کیا۔ جنھوں نے بیان کیا کہ مجھ کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ گورنر جنرل کے پاس ہیں۔

کلکتہ پہنچ کر اُنھوں نے پھر خطوط اور مہروں کی بابت کپتان گارڈن سے پوچھا جنھیں اُنھوں نے گورنر جنرل کے پاس بیان کیا اور اُن لوگوں نے کپتان گارڈن سے اپنی خواہش بہ اصرار ظاہر کی کہ جن فرضیہ خطوط کے باعث سے وہ اس قدر معتوب ہوئے ان کا سچا یا جھوٹا ثابت ہونا چاہئے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں اُس ضروری تحقیقات کو کروں گا اور اُس سے آپ لوگوں کو مطلع کروں گا دو روز کے بعد اُنھوں نے آکر بیان کیا کہ لارڈ ایلنبرا نے اُن کو انگلستان کے حکام کے پاس روانہ کردیا۔ اُس کے چند ہی روز کے بعد لارڈ ایلنبرا بُلا لئے گئے اور اُن کے جانشین سر ہنری ہارڈنگ کلکتہ میں آئے۔

اُن کے نام امیر نے ایک خط روانہ کیا اور اپنے مقدمے کی تحقیقات کرانے کی نسبت استدعا کی جس کا مختصر جواب یہ ملا کہ اُن کی نسبت گورنر جنرل کو کچھ بھی کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اس طور پر ہندوستان میں داد رسی سے

ہر طور پر محروم ہو کر ہمارے امیروں کو مجبوراً ہمیں اس ملک کو روانہ کرنا پڑا۔ اب چونکہ لارڈ ایلنبرا اس وقت انگلستان میں ہیں ہم اس بات کی امید کر سکتے ہیں کہ اُن سے مظہرہ خطوط اور مہروں کی صداقت کے ثبوت کی نسبت استفسار کیا جائے گا۔ تاکہ ہمارے امیروں کی وفاداری کا امتحان ہو اور سر چارلس نیپیر نے جو کچھ خلاف معمول ظلم ہم پر کیا ہے وہ ظاہر ہو۔

ہم لوگ بورڈ کنٹرول کے پریذیڈنٹ ارل اورین اور کورٹ آف ڈائریکٹرز کو لکھ چکے لیکن وہ ہماری سماعت کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ پس ہمارا چارہ تخت کے رحم میں ہے اور ہم نہایت عجز سے استدعا کرتے ہیں کہ حضور عالیہ براہ الطاف خسروانہ ہماری استدعا قبول فرمائیں اور حکم صادر کریں کہ ایک تحقیقات ہمارے مقدمے میں بغرض ہماری دادرسی کے کی جائے۔

حضور عالیہ کی درازی عمر کی دعا کے ساتھ ہم لوگ حضور کے فرماں بردار تابع دار ہیں۔

اخوند حبیب اللہ

دیوان مٹھا رام

دیوان دیارام

لندن ۱۹ ہاربی اسٹریٹ۔

۱۳ مارچ ۱۸۴۵ء

امیران سندھ کے وکلا کا حلف نامہ

ضمیمہ ۳

ہم لوگ اخوند حبیب اللہ دیوان مٹیا رام و دیوان دیا رام سند یافتہ سفیران امیران سندھ بہ حلف اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے کبھی کسی موقع پر اُن الزامات کی صداقت کو تسلیم نہیں کیا ہے جو ہمارے آقا امیروں پر قائم کیے گئے ہیں۔ ہم یقین کرتے اور ہم اُس کا اقرار حلفی کرتے ہیں کہ جو خط بی برگ بگتی کو من جانب میر محمد نصیر خاں لکھا گیا بیان ہوا ہے وہ جعلی تھا۔ ہم لوگ خدا کے روبرو اپنا یقین ظاہر کرتے ہیں کہ امیر بالکل اُن الزامات سے بے قصور ہیں جو اُن پر عائد کیے گئے ہیں۔

دستخط اخوند حبیب اللہ

〃 دیوان مٹیا رام

〃 دیوان دیا رام

۱۹۔ ہاربی اسٹریٹ

۱۵ / اگست ۱۸۴۵ء

امیران سندھ کا مقدمہ

ضمیمہ نمبر ۴

ترجمہ حالات مقدمہ امیران سندھ مرتبہ دیوان میٹارام حسب الحکم صریح وہدایت خاص امیران سندھ۔

صلح نامہ ۱۸۰۹ء

اولاً لارڈ منٹو نے ماہ اگست ۱۸۰۹ء میں ایک صلح نامہ گورنمنٹ سندھ سے کیا اور اُن کے بعد لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنگ نے دو صلح نامے کئے۔ ایک ۱۸۳۲ء میں اور دوسرا ۱۸۳۴ء میں دونوں معرفت سرہنری پانٹجر کے۔ ان میں یہ درج تھا کہ انگریز گورنمنٹ کے خیالات دوستانہ سندھ کی جانب نسلاً بعد نسلٍ تاروز قیامت یکساں رہیں گے اور انگریز گورنمنٹ امیران سندھ کی مملوکہ عمل داری کے ایک اینچ کی تحریص بھی نہ کرے گی۔

تجارتی جہازوں کی آمدورفت کی منظوری

اس کے بعد سرہنری پاٹنجر سندھ میں بطور سفیر گورنر جنرل کے آئے اور درخواست کی کہ تاجر اور تجارتی جہاز سندھ میں دریائے سندھ کے نشیب وفراز میں بے روک ٹوک آنے جانے پائیں۔ حاکمان سندھ نے اس خواہش سے کہ انگریز گورنمنٹ سے اتحاد زیادہ بڑھے۔ جس کا اُن سے ہمیشہ کے لئے وعدہ ہوچکا تھا درخواست مذکور کو منظور کیا۔ اور انگریزی عمل داری کے رہنے والے تاجروں کو سندھ میں بلا روک ٹوک تجارت کرنے کی اجازت دی۔

انگریز فوج کے گذرنے کی اجازت

ایک مرتبہ پھر سرہنری پاٹنجر سندھ میں آئے اور امیران سندھ سے کہا کہ انگریز فوج سندھ

سے ہوکر کابل اور افغانستان جائے گی۔ امیروں نے اس بات کو منظور کیا کہ انگریز گورنمنٹ کی فوج مع اپنے کل سامان کے سندھ میں اترے۔ اُس پر اُن سے کہا گیا کہ اپنے لوگوں کو کشتی اونٹ لکڑی اور دوسری ضروری اشیاء انگریز فوج کے لئے مہیا کرنے کا حکم دیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعاون

ہر چند کہ اس قسم کے مطالبات کا کوئی ذکر صلح نامہ جات میں نہیں ہے تاہم امیروں نے اُس اتحاد کے بڑھانے اور مضبوط کرنے کے لئے جو دوامی طور پر انگریز گورنمنٹ نے وعدہ کیا تھا کشتیاں، اونٹ اناج لکڑی اور دوسری اشیا جس کی انگریزی فوج کو خراسان کی عزیمت کے لئے ضرورت تھی، مہیا کیا۔ مگر بلوچی قبیلے کسی طرح امیروں کی اس حرکت سے کہ انگریز فوج کو ضروری چیزیں دی گئیں خوش نہ ہوئے۔ اور اس کے سوا امیروں نے اسی وجہ سے افغان قوم کی عداوت اور مخالفت مول لی تاہم دائمی اتحاد مذکورہ بالا کی غرض سے امیروں نے بلوچی فرقوں کے نام احکام جاری کئے کہ وہ انگریزی فوج کی مخالفت سے اجتناب کریں اور اُن سب کو سزا دینے کے لئے کہا جو کسی طرح انگریز گورنمنٹ کے سدراہ ہوں گے اس حکم کے مطابق بلوچی قبیلے بالکل خاموش رہے اور انگریز فوج کو کچھ تکلیف نہ دی۔

انگریز فوج کے اخراجات کا مطالبہ

جب سرجان کین جھارک میں پہنچے جو حیدرآباد سے بارہ کوس ہے انھوں نے برخلاف صلح نامہ کے کیپٹن ایسٹوک کے پاس ایک یادداشت شکایات کی لکھ بھیجی جس میں یہ بیان تھا کہ تین امیر اُس وقت سے تین لاکھ روپیہ سالانہ انگریز گورنمنٹ کو انگریز فوج کے اخراجات ادا کرنے کے لئے دیا کریں جو سندھ میں

تعینات کی جائے گی اور وہ لوگ اکیس لاکھ روپیہ انگریز گورنمنٹ کے خرچ کے لئے فوراً دیں ورنہ انگریز گورنمنٹ اُن سے جنگ کرے گی۔ ہرچند کہ یہ مطالبے امیروں کے باعث تکلیف اور بالکل نامنصفانہ اور اُس اتحاد مذکورہ بالا کے خلاف تھے۔ جس کا انگریز سرکار نے وعدہ کیا تھا مگر چونکہ کوئی چارہ نہ تھا امیروں نے انھیں منظور کیا اور لارڈ آکلینڈ نے بے جا طور پر جو رقم طلب کی انھوں نے دی۔

کابل کی مہم میں امداد

ان رقموں کو امیروں نے اپنے نجی کے خزانے سے ادا کیا۔ اس کے علاوہ جب سرجان کین کابل سے روانہ ہوئے تو امیروں نے جیسا کہ لفٹیننٹ پوسٹنس اور دوسرے حکام بخوبی تصدیق کر سکتے ہیں رسد کی آمدورفت کے لئے سڑکیں جاری کیں اور انگریزی دخانی کشتیوں کو بے روک ٹوک دریائے سندھ کے اُتار چڑھاؤ میں مع فوج وسامان حرب آنے جانے دیا۔

اگر امیروں نے اس طور پر انگریز گورنمنٹ کی امداد نہ کی ہوتی تو اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ کابل کی عزیمت بہت جلد رک جاتی اور اُس کی کامیابی نہایت مشکوک رہتی۔ امیروں نے یہ خدمات اس امید سے انجام دیں کہ انگریز گورنمنٹ اُن کا معقول صلہ دے گی اور اُن کو یہ خیال نہ تھا کہ وہ ایسے مصائب میں مبتلا کئے جائیں گے جن میں وہ ہوئے ہیں۔

صلح نامہ ۱۸۳۱ء

بہرحال بعد روانگی سرجان کین سرہنری پاٹنجر ایک اور صلح نامہ ۱۱ مارچ ۱۸۳۱ء کو لارڈ آکلینڈ کا مہری اور دستخطی لے کر آئے۔ اس میں مثل سابق کے نقلوں کے یہ درج تھا کہ یہ صلح نامہ مثل "سدسکندری" کے مضبوط ہوگا اور وہ نسلاً بعد نسلٍ دوام تک نافذ رہے گا۔ اس

درمیان میں سرہنری پانٹنجر کو سدھارے اور میجر اوٹرم سندھ کے ریذیڈنٹ ہوئے۔ امیروں نے ہر ایک امر میں نئے ریذیڈنٹ کی ہدایت سے کام کیا۔ بعد کچھ عرصے کے میجر اوٹرم بلوچستان گئے۔ اور مسٹر بیکی اُن کے قائم مقام دربار حیدرآباد میں ہوئے۔ اس افسر کو میر محمد نصیر خاں نے اطلاع دی کہ وہ ایک سفیر دربار لندن میں چند شکایتوں کے پیش کرنے کی غرض سے روانہ کرنے والے ہیں۔ مسٹر بیکی نے منشی مادھو کی معرفت جو انگریزی گورنمنٹ کا ایک ملازم تھا کہلا بھیجا کہ شاید امیر کا سفیر کمپنی کے خلاف شکایت پیش کرنے والا ہے۔ جس حالت میں کمپنی امیر کی مخالف ہو جائے گی۔ اس طور پر امیر نے مجبور ہو کر اپنا ارادہ لندن کو سفیر بھیجنے کا فسخ کر دیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد مسٹر بیکی بیمار ہو کر کراچی چلے گئے۔ اور مسٹر میں اُن کی جگہ حیدرآباد میں آئے۔

سر چارلس نیپیر کا استقبال

اس کے بعد سر چارلس نیپیر پہلے پہل ۱۸۴۲ء میں کراچی میں داخل ہوئے اور وہاں کچھ عرصے تک بوجہ علالت کے رہ کر بعد کو حیدرآباد آئے۔ امیروں نے جملہ سامان اُن کے اعزاز کا کیا۔ اُنھوں نے ایک پالکی طلائی کام کی اُن کی سواری کے لئے روانہ کی اور اُن کے ہمراہی افسروں کے لئے سانڈنی نقرئی و طلائی سازوسامان سے بھیجی اور عباس علی خاں و دیگر امراء اُن کے استقبال کو روانہ کئے۔ اس شان و شوکت کے ساتھ سر چارلس نیپیر نے امیروں سے ملاقات کی اور قیام گاہ کو گئے۔ اور دوسرے دن ایک دخانی جہاز پر سوار ہو کر سکھر کو روانہ ہوئے۔

من مانی شرائط

کچھ عرصے بعد کیپٹن اسٹانلی حیدرآباد میں سکھر سے ایک اور صلح نامہ اور خط سر چارلس نیپیر کا لے کر آئے۔ امیر نے صلح نامہ اور سر چارلس نیپیر کے خط کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئے اور دو بار وکلاء

سرچارلس نیپیر کے پاس دریافت حال کے لیے روانہ کیے کہ اس نئے صلح نامہ سے کیا غرض ہے۔ جس میں اس قدر شرائط امیروں اور اُن کے محکومہ ملک کی ضرر سے بھرے ہوئے ہیں۔ سرچارلس نیپیر نے جواب دیا کہ ہم کو اس سے کچھ واقفیت نہیں ہے اور ہم صرف لارڈ ایلنبرا کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ "میں مثل تمھارے محض وکیل اور دوسروں کے حکم کا محتاج ہوں"۔

نیپیر کا خیرپور پر حملہ

اس کے بعد سرچارلس نیپیر نے فوج اور توپوں کے ساتھ خیرپور پر چڑھائی کی۔ اور امن کی حالت میں میر رستم کو بے عزتی سے اُن کی موروثی عملداری سے بدر کیا۔ یہاں تک کہ انھیں بارش اور طوفان میں اپنی بیویوں اور بچوں سمیت ریگستان میں نکل جانا پڑا۔ اسی درمیان میں میجر اوٹرم بمبئی سے سکھر میں آئے اور سرچارلس نیپیر کے قلعہ دیجی میں شریک ہوئے۔ اس وقت سرچارلس نیپیر نے قلعہ امام گڈھ پر حملہ کیا۔ جو میر رستم کے بھتیجے میر محمد خاں کے رہنے کا مقام تھا۔ اور اُسے گرادیا۔ اور اُس کا غلہ وغیرہ لوٹ لیا۔ یہاں سے سرچارلس منزل بہ منزل حیدرآباد پر بڑھے۔ امیروں نے اُن کی آمد کی خبر سُن کر اُن کے پاس کہلا بھیجا کہ اُن لوگوں نے خلاف اپنی خواہش کے اُن کی دھمکیوں میں آکر نئے صلح نامہ کو منظور کرلیا ہے۔ پس وہ اب کیوں حیدرآباد پر فوج اور توپ لے کر آرہے ہیں۔

امرا کی مہروں کی حوالگی

جن وکلا کو امیروں نے اُن پیغامات کے ساتھ روانہ کیا وہ مرزا خسرو بیگ اور یوسف خدمت گار تھے اور وہ سرچارلس نیپیر کے قیام گاہ مقام نوشہرہ میں گئے۔ جو درمیان خیرپور اور حیدرآباد کے ہے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے سرچارلس کو امیروں کی مُہریں حوالے کردیں جو وہ نئے صلح نامے کی تصدیق کے لیے لائے تھے۔ سرچارلس

نے بعوض مہر لگانے کے ایک خط وکیلوں کو دیا اور اُن کو امیروں کے پاس واپس لے جانے اور اُس کے احکامات کی تعمیل کرنے کے لئے کہا۔ خط کا یہ مضمون تھا کہ امیر میر رستم کو حیدرآباد میں بلوالیں، اور میجر اوٹرم حیدرآباد جاکر رستم خاں کے معاملات کا تکملہ کریں گے۔ اور جدید صلح نامہ پر امیروں کی مہر لگائیں گے۔

میجر رستم کو میجر اوٹرم سے ملنے کا حکم

خط میں یہ بھی ذکر تھا کہ ہر چند سر چارلس نیپیئر کا پختہ ارادہ بزودی تمام حیدرآباد پر بڑھنے کا تھا۔ مگر بالفعل وہ روانگی ملتوی رکھیں گے۔ اور اگر حسب ہدایت میر رستم میجر اوٹرم سے نہ ملیں گے تو وہ بطور دشمن کے تصور کئے جائیں گے۔ چنانچہ میر رستم دونوں وکلاء اور میجر اوٹرم حیدرآباد میں ۸ر فروری ۱۸۴۲ء کو اکٹھا ہوتے۔ جوں ہی میجر اوٹرم پہنچے۔ انھوں نے امیروں سے کہلا بھیجا کہ وہ صلح نامہ کی تصدیق کریں جس کو اُن لوگوں نے بوجہ کوئی چارہ نہ ہونے کے باوجود اُس کی بے انصافی کے منظور کیا اور اپنی مہریں روانہ کر دیں۔

میجر اوٹرم کی امراء سے ملاقات

دوسرے دن ۹ر فروری کو میجر اوٹرم نے امیروں سے ملاقات کی۔ جنھوں نے انھیں مطلع کیا کہ سر چارلس نیپیئر کے برابر بڑھتے چلے آنے کی خبر سُن کر بلوچی نہایت برافروختہ ہو رہے ہیں اور اُن کی یاددہانی کی کہ اگلے دن اُن لوگوں نے اپنی مہریں تصدیق صلح نامہ کے لئے بھیج دیئے ہیں۔ امیروں نے یہ بھی درخواست کی کہ میجر اوٹرم کسی افسر کو سر چارلس نیپیئر کے پاس فوراً بھیجے اور ان سے کہے کہ وہ حیدرآباد کی طرف پیش قدمی روک دے۔ اس درخواست کو میجر اوٹرم نے منظور کیا اور اسی دن آٹھ بجے شب کو ایک افسر میر نصیر خاں کے پاس روانہ کیا۔

. . . . جسے امیروں نے فوراً ایک تیز سانڈنی پر سر چارلس

نیپیئر کے پاس روانہ کیا۔ یہ افسر انگریزی فوج میں پہنچا اور ۱۲ رکو ساربان جو اُسے لے گیا تھا ایک خط امیروں کے پاس منشی میلا رام کے پاس سے لایا جو اُن کے حکم سے سر چارلس کی فوج کے ساتھ موجود تھا اس میں لکھا تھا کہ جونہی انگریز افسر سر چارلس تک پہنچا انھوں نے خیمہ اُکھاڑا اور حیدر آباد کی جانب روانہ ہوئے۔

جبری صلح نامہ امیروں نے یہ خبر میجر اوٹرم تک پہنچادی۔ وہ اُسی روز یعنی ۱۲ ار ماہ مذکور کو دو بجے امیروں کے پاس آئے اور اُن سے صلح نامہ پر مہر کرنے کے لئے کہا اور بیان کیا کہ اگر وہ تعمیل کریں گے تو میجر اوٹرم ایک خط اپنا اُن کو دیں گے جسے وہ اپنے ایک افسر سے سر چارلس نیپیر کے پاس روانہ کر سکتے ہیں اور اُسے پاکر سر چارلس شمالی سندھ کی جانب واپس چلے جائیں گے۔ امیروں کو جبراً اس امر نے منظور کیا اور انھوں نے صلح نامہ پر دستخط و مہر کر دیا۔ اُس وقت میر نصیر خاں نے میجر اوٹرم سے کہا کہ میر رستم کو بڑھاپے میں نکال دینا اچھا نہ تھا اور سر چارلس نیپیر نے میر رستم کی عمدہ جائداد روہڑی سے سبزل کوٹ تک لے لی ہے۔ پس اُنھیں لازم ہے کہ بقیہ اُن کو دے دیں۔

حیات خاں کی گرفتاری سر چارلس نے لکھا تھا کہ جب میجر اوٹرم حیدر آباد جائیں گے۔ تو میر رستم کے معاملات کا تصفیہ ہوگا۔ اس سے میجر اوٹرم نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میر رستم سے کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا اُسی وقت ایک ملازم حیات خاں مری کا حیدر آباد کے قلعہ پر پہنچا اور اُس نے بیان کیا کہ جس وقت حیات خان حیدر آباد کو آرہا تھا۔ سر چارلس نیپیر نے اُس کو گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ بلوچیوں نے میر رستم کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ

اور حیات خاں کی گرفتاری کا حال سُن کر اور یہ دیکھ کر کہ سرچارلس نیپیئر سے صلح کرنے کی بالکل امید جاتی رہی میجر اوٹرم پر قلعہ سے باہر جانے پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

میجر اوٹرم کی حفاظت

امیروں نے میجر اوٹرم پر مجوزہ حملہ کی خبر سُن کر بلوچیوں کو اپنے ارادے سے باز آنے کا حکم دیا اور اپنے کئی سرداروں کی حفاظت میں میجر اوٹرم کو ان کی قیام گاہ تک پہنچا دیا۔ اُس وقت انھوں نے امیروں کے پاس خط جس کا وعدہ کیا تھا بھیج دیا جس سے جرنیل کو آگے بڑھنے سے روکنے کا مقصود تھا۔ وہ خط فوراً امیروں نے جرنیل کے پاس بھیج دیا اور جو قاصد اُسے لے کر گیا وہ یہ خبر لے کر واپس آیا کہ جوں ہی سرچارلس نیپیئر نے اُسے پایا۔ اُنھوں نے فوراً خیمہ اُکھاڑا اور حیدرآباد پر بہ عجلت بڑھنے لگے۔

چارلس نیپیئر کی بدنیتی

امیروں نے اس خبر کو پاکر ایک خط اپنا جرنیل کے پاس یہ امر معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا کہ وہ کیوں حیدرآباد پر بڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ اُنھوں نے تمام تکلیف دہ مطالبوں کو جو اُن سے کئے گئے منظور کرلیا ہے۔ امیروں نے یہ بھی دریافت کیا کہ آیا ارادہ زبردستی کرنے کا ہے تو اُس حالت میں ہم شہر چھوڑ دیں۔ اور ریگستان میں جاکر بودو باش اختیار کریں اور وہاں سے ایک وکیل دادرسی کے لئے لندن روانہ کریں۔ ان کا کچھ جواب سرچارلس نیپیئر نے نہ دیا۔

اہل حیدرآباد کا عزمِ مدافعت

اس درمیان میں بلوچیوں کی ایک جماعت جس کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ نہ تھی اس امر کو۔ انگریز جرنیل کے تیز بڑھتے آئے اور حیات خاں کو گرفتار کر لینے سے باور کر کے کہ باوجود اس کے کہ امیروں نے اُس مضرت بخش صلح نامہ کو منظور کرلیا ہے جو

اُن سے جبراً کرایا گیا سرچارلس نیپیئر واپس نہ جائیں گے۔ بلکہ امیروں اور اُن کے بلوچی سرداروں کی تخریب کا قصد رکھتے ہیں۔ حیدرآباد کے شہر کے باہر جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ "سرچارلس نیپیئر ہم کو ہلاک کرڈالیں اور اس کے بعد ہمارے گھروں کو لوٹ لیں جس میں وہ ہماری لاشوں پر سے داخل ہونے پائیں گے" اس پر نصیر خاں نے اس امر کو یقین کرکے کہ بلوچیوں کی سرکشی اُن کی تخریب کا باعث ہوگی میجر اوٹرم کے پاس ایک پیغام منشی مادھو کے ہاتھ روانہ کیا کہ وہ یعنی امیر بلوچیوں کو تسلی دینے جاتے ہیں اور آپ ایجنسی کو چھوڑ کر دخانی جہاز پر سوار ہو جائیں تاکہ شاید جس وقت امیر بلوچیوں سے گفتگو کرتے ہوں جو سرچارلس نیپیئر پر حملہ کرنے پر آمادہ ہیں کوئی دوسرا گروہ ایجنسی پر حملہ کردے جس سے امیروں کی بدنامی ہو۔

اسی زبانی مضمون کا ایک خط بھی منشی نے میجر اوٹرم کے پاس روانہ کردیا۔ چنانچہ ۱۵ر کی صبح کو نصیر خاں نے بلوچیوں کو سرچارلس نیپیئر کے مقابلے کے لئے روانہ ہونے سے باز آنے پر آمادہ کیا اور دوسرے دن ایک اور وکیل اُن کے پاس روانہ کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ حتی الوسع جو کچھ مطالبہ کیا جائے سب کو منظور کرکے حملہ نہ ہونے دیں۔

میجر اوٹرم کے خیمہ پر حملہ

مگر ۱۵ر کی دوپہر کو بلوچیوں کی ایک جماعت نے میجر اوٹرم کے خیمہ پر حملہ کیا اور میر محمد خاں کو جو حیدرآباد کے قلعہ میں تھے اس کی اطلاع ہوئی۔ انھوں نے دلاور خدمت گار بلوچیوں کے بلا لینے کے لئے روانہ کیا۔ دلاور فوراً روانہ ہوا تاکہ ایجنسی اور بلوچیوں کی بڑھتی ہوئی جماعت کے درمیان میں جا رہے اور جب وہ ایجنٹ کے پاس سے گذرا تو سپاہیوں کے گارد نے جو میجر اوٹرم کے ہمراہ تھے۔ ایک باڑھ اُس کی جماعت کو

دائی اور ان میں سے ایک کو مار ڈالا۔ دلاور نے فوراً اپنے کو ایجنسی اور بلوچیوں کے بیچ میں حائل کیا اور اُن کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ دونوں جانب سے گولیاں چلنے لگیں۔ اور دو بلوچی اور ایک سپاہی ریذیڈنٹ کے گارد کے کام آئے۔

دو انگریز سپاہیوں کی گرفتاری و رہائی

ایک مختصر معرکے کے بعد ہیجر اوٹرم اور جو لوگ اُن کے ہمراہ تھے ایجنسی سے نکل گئے اور دخانی جہاز پر سوار ہو گئے اور بلوچیوں نے دو یورپین سپاہی قید کئے جن میں سے ایک کو وہ میر نصیر خاں کے پاس لے گئے اور دوسرے کو میر محمد خاں کے پاس جنھوں نے قیدیوں کو گوشت اور شراب دی اور رہا کر دیا۔ میر محمد خاں نے اپنے قیدی کو ایک تیز اونٹ پر جھارک بھیج دیا جہاں وہ ایک کشتی میں دریا کے پار جھارک میں اتار کے رہا کیا گیا۔

چارلس نیپیر کا بلوچیوں پر حملہ

اس کے بعد میر نصیر خاں ایک اور وکیل انگریز فوج میں بھیجنے والے تھے کہ اس درمیان میں سر چارلس نیپیر نے بلوچیوں پر حملہ کیا اور توپوں کی آوازیں سب کے کانوں میں پہنچیں لڑائی کچھ دیر تک رہی حتیٰ کہ بہت سے بلوچی مارے گئے اور بقیہ بھاگ گئے۔ میر نصیر خاں اس مصیبت انگیز واقع سے سخت رنجیدہ ہو کر جو اُن کی مرضی کے خلاف ہوا حیدرآباد کے قلعہ میں داخل ہوئے اور وہاں ایک فوج بارہ ہزار بلوچیوں کی خاص کر حیدرآباد کے قرب و جوار سے جمع ہوئی۔ میر نصیر خاں نے اُن کو لڑنے سے منع کیا۔ اور انھیں روانہ کر دیا۔

میر نصیر خاں اور نیپیر

۱۸ر کو میر نصیر خاں خود سر چارلس نیپیر کے خیمہ میں گئے اور وہاں اپنی تلوار کمر سے کھول کر جرنیل کے حوالہ کی۔ جرنیل نے اپنے

ہاتھ سے اُن کی تلوار واپس کی۔ اور امیر کے باندھ دی اور کچھ الفاظ تسلی آمیز امیر سے اس مضمون کے کہے کہ پچیس دن کے اندر امیروں کے معاملات اُن کے حسب دل خواہ تصفیہ پا جائیں گے۔ اور اُن کا ملک مثل سابق اُن کے قبضہ میں رہے گا۔ یہ ملاقات بمقابلہ میجر اوٹرم ہوئی اور اُنھیں کے مقابلے میں یہ الفاظ کہے گئے۔ دوسرے دن سر چارلس نیپیر نے آگے بڑھ کر ریذیڈنسی کے پاس قیام کیا اور ایک گارد امیر پر تعینات کر دیا۔ دو دن کے بعد میجر اوٹرم بمبئی سدھارے اُن کی روانگی کے دوسرے دن منشی علی اکبر ایک پیام امیروں کے پاس جرنیل کا لائے کہ وہ قلعہ دیکھنا چاہتے ہیں اور امیر اپنے کچھ آدمیوں کو اُن کے ساتھ کردے۔

مرزا خسرو بیگ کی اہانت چنانچہ میر نصیر خاں نے اخوند بچل و دیوان بٹھارام بہادر خدمت گار کو جرنیل کے ہمراہ بھجوا دیا۔۔۔۔۔ اُس وقت سر چارلس نیپیر بہ ہمراہی کرنیل پیٹن و دیگر افسران قلعہ میں مع دو پلٹن پیدل و سوار و دو توپوں کے داخل ہوئے۔ اس کے بعد صاحب بہ ہمراہی دیگر افسران و سپاہیوں کے میر کرم علی خاں مرحوم کے زنان خانے میں گئے اور مرزا خسرو بیگ کی گردن میں ہاتھ دے کر اور بد سلوکی سے پیش آئے اور اُس سے جس قدر اشیائے قیمتی میر کرم علی خاں کے زنان خانے میں قریب پندرہ لاکھ روپیہ کی قیمت کی تھیں لے لیں۔

چارلس نیپیر کا زنان خانے میں بزدستی داخلہ میر کرم علی کی عورتوں نے یہ کیفیت دیکھکر صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اُن کے لئے پالکی منگوا دیں کہ وہ تین جوڑے کپڑوں کے لے کر شہر سے نکل جائیں صاحب نے انکار کیا اور منشی علی اکبر کے ساتھ زنان خانے میں زبردستی داخل ہوئے اور وہاں جو کچھ زیورات و کپڑے و ظروف سونے و چاندی کے تھے،

لوٹ لئے اور عورتوں کے ہاتھ پاؤں سے زیورات اُتار لئے ۔ بدنصیب عورتیں شرم اور خوف سے شہر سے نکل کر بھاگیں اور حیدرآباد سے پانچ کوس پیدل گئیں ۔ اور صاحب فلاں و صاحب فلاں و صاحب فلاں امیر میر نور محمد خان کے زنان خانے میں گئے اور اُسے بھی اسی طرح لوٹا ۔ چنانچہ عورتوں کو اُسی طرح اپنے گھر سے بھاگ کر کہتر میں پیدل جانا پڑا ۔

بیگمات کی اہانت و بے حرمتی

۲۲ر فروری ۱۸۴۳ء کو امیر میر محمد خاں قلعہ سے لائے گئے اور انگریزی خیمہ میں بطور قیدی کے رکھے گئے اور ایک زنان خانہ اُن کی عورتوں کا اسی طرح لوٹا گیا ۔ اس کے بعد میر صوبہ دار کی عورتوں سے جو کچھ اُن کے پاس تھا لے لیا گیا ۔ اور وہ پیادہ پا نکل بھاگیں ۔ صاحب نے میر صوبہ دار کے بیٹے میر فتح علی سے دو قیمتی کپڑے مانگے جو اُنھوں نے حوالے کئے ۔ میر صوبہ دار کے گھر کی ایک عورت نے کچھ روپیہ اپنی کمر میں باندھ لیا تھا ۔ بھاگتے وقت کچھ روپے گر پڑے جس پر وہ فوراً گرفتار کر لی گئی اُس کا کمربند کاٹ ڈالا گیا اور روپے لے لئے گئے ۔ اُس کے بعد ہر ایک عورت کو علیحدہ لے جاکر اُس کے ہاتھ پاؤں کان ناک سے زیورات اُتار لئے جاتے تھے ۔

زیورات کی بالجبر وصولی

اب قلعہ میں جانے کی ممانعت ہو گئی اور میر نور محمد خاں مرحوم و میر نصیر خاں کی عورتیں جو اب تک قلعہ میں تھیں دو روز تک بے آب رہیں ۔ میر نصیر خاں کے بیٹے میر حسین علی خاں و میر عباس علی خاں نے جو قلعہ میں اسیر تھے ایک شخص کو صاحب کے پاس پانی کے لئے روانہ کیا ۔ مگر جواب یہ ملا کہ سر چارلس نیپیر کا حکم ہے کہ جس شخص کو پانی کی خواہش ہو وہ گارڈ کے کمانڈنگ افسر کے بنگلہ میں آکر پی لے ۔ آخرکار بعد خرابی بسیار ایک مشک پانی تو شخصوں کے لئے ملا جن میں امیران مذکور کے زنان خانے کے

لوگ بھی تھے ۔ اتنے تھوڑے پانی سے ہر شخص صرف اپنا حلق تر کر سکتا تھا مگر پیاس نہ رفع ہو سکتی تھی ۔ تھوڑے دنوں کے بعد صاحب فلاں و صاحب فلاں سپاہیوں کے ایک گروہ کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں امیروں کی بیگمات نے پناہ لی تھی ۔ اور دروازے کلہاڑوں سے توڑ کر اُن سے زیورات طلب کیے ۔ چنانچہ مجبوراً ان لوگوں نے تمام زیورات اُتار کر حوالے کیے ۔

خواتین کی جامہ تلاشی

دوسرے دن صاحب فلاں کمرے میں آکر بقیہ اسباب اٹھالے گئے ایک عورت جس نے بھاگنا چاہا ۔ ریشمی پاجامہ پہنے ہوئے تھی اُسے سپاہیوں نے دروازے پر روکا اور کپڑے اُتروا لیے ۔ میر نور محمد خاں مرحوم کی بیوہ نے کچھ کپڑے ایک خادمہ کو دیئے تھے کہ اُنھیں بیچ کر اُس کے لیے کھانے کو کچھ لائے ۔ محمد حسین نے جو فلاں صاحب کے منشی تھے اُسے گرفتار کر لیا ۔ مارا اور کپڑے لے لیے ۔ اس کے بعد دو عورتیں دروازے پر لا کر تعینات کی گئیں جو ہر ایک باہر جانے والی عورت کی تلاشی لیتی تھیں ۔ خلاصہ یہ کہ امیروں کی جائداد میں جو کچھ چیزیں تھیں سب لے لی گئیں ۔ یعنی وہ بالکل لٹ گئے ۔

میر صوبہ دار خاں اور مرزا خسرو بیگ کی گرفتاری

اُس وقت میر صوبہ دار خاں کو انگریز فوج میں لا کر قید کیا اور وہ تلواریں جو پہلے دن میر نصیر خاں کے فرزندوں کو دے دی گئیں تھیں اب اُن سے لے لی گئیں ۔ اُس کے بعد مرزا خسرو بیگ کا مکان لوٹا گیا اور وہ خود قید کر کے خیمہ میں لایا گیا جہاں سے اُسے قلعہ میں لے گئے ۔ اور وہاں اُسے اس قدر مارا کہ وہ عرصے تک بے ہوش رہا ۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اُس کی مشکیں کس لیں اور خیمے میں لے جا کر قید کر دیا ۔

لارڈ ایمن برا کی برہمی

تھوڑے دنوں کے بعد امیروں کو بھی لے گئے۔ اور وہاں سے سالور، جہاں وہ دس ماہ تک قید رہے۔ اس کے بعد وہ کلکتہ لائے گئے۔ اس وقت لارڈ ایلنبرا نے اُن کو ہزاری باغ میں مقید کرنا چاہا جو غیر آباد ہے۔ امیروں نے لارڈ ایلنبرا کو لکھا اور اس کی شکایت کی جس پر وہ نہایت غصہ ہوا اور میر نصیر کے بیٹے اور میر لاڑ محمد کے بیٹے حسین علی اور میر نصیر اور شاہ محمد کے دونوں بھائیوں اور میر شاہ محمد کے بیٹے کو دوسرے امیروں سے جدا کر کے ہزاری باغ میں رکھا اور بڑے امیروں کو دوسری ویران جگہ میں ٹھونسنا چاہا۔ اس درمیان میں وہ ہندوستان کی گورنری سے خارج ہوا اور لندن روانہ ہوا۔

گورنر جنرل ہارڈنگ

اس کے بعد وہ بدنصیب امیر میر نصیر خاں رنج سے شکستہ دل اور اس نئی مصیبت سے مغلوب ہو کر یعنی اس کا پیارا بیٹا اس سے جدا کیا گیا دن رات رویا کرتا تھا حتیٰ کہ موت نے اس کو اس کی تکالیف سے نجات دی۔ لارڈ ایلنبرا کی معزولی کے بعد سر ہنری ہارڈنگ گورنر جنرل ہوئے اُن کو امیروں نے ایک عرضی اپنی دادرسی اور ملاقات کی غرض سے لکھی۔ اُس کے جواب میں سکرٹری مسٹر کری نے کیپٹن گارڈن کو جو امیروں کا محافظ تھا لکھا کہ گورنر جنرل کوئی لفظ تسلی کا امیروں کی نسبت نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر اس بات کو سمجھ لینے کے بعد بھی امیر ملاقات کے خواہاں ہوں تو گورنر جنرل ایک دن اُس کے لئے معین کریں گے۔

ہارڈنگ کا نیپیر کے مظالم کا اعتراف

چنانچہ ملاقات ۷ ستمبر ۱۸۴۴ء کو مقام بارکپور میں ہوئی۔ جس میں سر ہنری ہارڈنگ نے علانیہ فرمایا کہ امیروں کے ساتھ بے شک ظلم ہوا لیکن کہا کہ مجھ کو کوئی اختیار نہیں

ہے۔ اس کے بعد امیروں نے دوبارہ سر ہنری ہارڈنگ کو لکھا کہ اگر وہ اُن کا انصاف نہیں کر سکتے تو وہ انھیں اپنی جماعت میں سے کسی شخص کو ملکہ معظمہ تک جانے کی اجازت دیں۔ اس کے جواب میں گورنر جنرل کے مسٹر سکرٹیری کری نے انکار کیا جس پہ امیروں نے اورکوئی چارہ کار نہ دیکھکر قرضہ لیا اور انگلستان کو اپنے وکلا روانہ کئے۔

ان وکیلوں نے لارڈ رپن وزیر ہندوستان و کورٹ آف ڈائریکٹرز و ملکہ معظمہ کی حضوری کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ اور اب انھیں بوجہ کمی خرچ کے ہندوستان واپس آنا پڑا۔ جہاں وہ خدا سے ہمیشہ انصاف کی دعا مانگا کریں گے اس امید میں کہ جس شے سے انسان انکار کرتا ہے خدا عطا کرتا ہے۔

(محررہ ۲۰ اگست یوم شنبہ بقلم ڈیوک ٹیارام)

ضمیمہ نمبر ۵

جنگ میانی کے نقشہ کی اشاعت

تھارنٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۴۸۴ میں یہ الفاظ درج ہیں۔ "لڑائی کے حالات مفصل کم معلوم ہوئے ہیں۔" اس کمی واقفیت کے پورا کرنے کے لئے ذیل کے حالات جنگ میانی[1] کے مع نقشہ کے ایک افسر کے مرتب کئے ہوئے جو وقت لڑائی کے موجود تھا شائع کئے جاتے ہیں۔

۱۶ فروری ۱۸۴۳ء کے سہ پہر کو مقام ہالہ سے اکیس میل کی مسافت بعید طے کرکے انگریزی فوج جس کی تعداد تقریباً تین ہزار وزیر کمان میجر جنرل سر سی جے نیپیئر کے سی۔ بی ہے۔ متھارا کے موضع میں حیدرآباد سے سترہ میل شمال کو خیمہ زن ہوئے۔[2]

میجر اوٹرم کی امراء سے ناکام گفتگو

متھارا قیام دریائے سندھ سے ایک یا دو میل کے فاصلہ پر ہوگا اور میجر اوٹرم جو سندھ کے امیروں سے ناکام گفتگوئے صلح کر رہے تھے۔ یہاں پینیٹ نامی دخانی جہاز سے بہ ہمراہی اپنے گارد[3]

---

[1] دریائے سندھ اور پھلیلی ندی کے درمیان کے ضلع کا نام "میانی" ہے۔ ۱۲

[2] یہ فوج تقریباً تین ہزار تھی جس میں گیارہ سو سوار اور بارہ توپیں تھیں۔ یعنی ۹ رجمنٹ ہندوستانی رسالہ ایک دستہ پونا کے بے قاعدہ سواروں کا۔ سندھ کے بے قاعدہ رسالہ بمبئی کا اونٹ کا توپ خانہ نو پونڈ کا توپوں کا بمبئی کا گھوڑوں اور خچروں کا توپ خانہ چھ پونڈ والی توپوں کا۔ ایک دستہ مدراس کا سفرمینا پلٹن کا۔ ۲۲ رجمنٹ گوروں کی پلٹن اول رجمنٹ بمبئی کی ہندوستانی پلٹن ۱۲ و ۲۵ نمبر بمبئی کی ہندوستانی پلٹن۔ ۱۲

[3] زیر کمان کپتان کانوے۔ ۱۲

یعنی حضور ملکہ معظمہ کی ۲۲ رجمنٹ کی لائٹ کمپنی کے ساتھ اُترے۔ اُنھوں نے اس خبر کی تصدیق کی جو جرنیل کو مقام ہنہ میں ملی تھی کہ اُن پر اگلے دن صبح کو حیدرآباد میں حملہ ہوا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ریذیڈنسی کو جو دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر شہر سے جنوب دمغرب تین میل واقع ہے۔ سواروں اور پیدلوں کے ایک بڑے گروہ نے گھیر لیا تھا۔ اور اُن کا سرغنہ امیروں میں سے ایک شخص شاہ داد خاں تھا۔ میجر اوٹرم کے گارد نے چار گھنٹے تک بہادرانہ مقابلہ کیا اور اُس وقت گولہ بارود کے کم ہوجانے سے وہ دریا کی جانب ہٹ آئے۔ وہاں وہ پلینٹ اور سٹیلائیٹ نامی دخانی جہازوں پر سوار ہوئے، جو اُنھیں ٹھٹھہ سے لائے، جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

بلوچیوں کا اجتماع

میجر اوٹرم اس خبر کو لے کر آئے کہ بلوچی کثرت سے جمع ہیں اور اُنھوں نے شکار گاہوں[1] میں قیام کیا ہے جو ٹھٹھہ اور حیدرآباد کے درمیان ہیں۔ یہ خیال کیا گیا تھا کہ ان جنگلات میں آگ لگا دینے سے دشمن میدان میں آئیں گے اور ایک جماعت دو سو سپاہیوں کی اُسی شب کو میجر اوٹرم اور دیگر افسران کے ہمراہ دونوں جہازوں پر سوار ہوئی۔ تاکہ جہازیوں کے ساتھ اس تجویز کی انجام دہی میں شرکت کرے۔ مگر ارادہ ناکام رہا۔ کیونکہ جنگلات کا ایک حصہ جلا دیا گیا مگر جہاں ہارکو معرکہ آرائی ہوئی وہ اس قدر وہاں سے دور تھا کہ اس کارروائی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ بلوچیوں نے شب کے وقت اپنی جگہ بدل دی تھی مگر یہ زیادہ اغلب ہے کہ ہم لوگوں نے اُن کے قیام گاہ کی

---

[1] شکار گاہیں اصل میں گھرے ہوئے جنگلات شکار کی حفاظت کے لئے ہیں۔ ۱۲

نسبت جو شکار گاہ میں تھے غلطی کی۔

کیپٹن جیکب کے رسالہ کی روانگی

"۱۰ فروری کو چار بجے صبح کے وقت فوج پھر روانہ ہوئی اور سندھی رسالہ زیر کمان جیکب آگے تھا۔ اُن کے عقب میں سفر مینا کے لوگ زیر کمان کپتان ہنڈرسن تھے اور اُن کے ساتھ سو سپاہیوں کا ایک گروہ توپوں کے لئے راستہ بنانے کے لئے تھا۔ اس ملک میں جو نہریں افراط سے ہیں اُن کے باعث سے اُن کے عبور کرنے کے انتظام میں شب کو سخت محنت صرف ہوئی تھی اور توپوں کی روانگی میں نہایت روک ہوتی تھی۔ ہم لوگ بالعموم نہروں کے بند کاٹ کر مٹی اندر ڈال دیتے تھے۔ لیکن چونکہ اونٹ چڑھائی پر چل نہیں سکتے ڈھالوں کو بہت سلامی کرنا ہوتا تھا۔ اس صبح کو ایک گھنٹہ سے زیادہ کی دیر دو بڑی نہروں پر راہ بنانے میں جو متھارا سے بہت دور بنی تھیں ہوئی اُن کے آگے معلوم ہوا کہ امیروں نے ہماری محنت کو بچا دیا تھا اور راستہ پہلے ہی سے اُن کی توپوں کے لئے تیار تھا۔

پھلیلی کا مورچہ

سات میل چل کر ہراول فوج پھلیلی تک پہنچی جو ایک چھوٹی سی شاخ دریائے سندھ کی ہے اور اُس دریا کے کنارے تک جاتی ہے مگر اس وقت خشک تھی اُس کے مشرقی کنارے کی جانب دو میل تک راستہ چلا گیا تھا اور متواتر کئی چھوٹے چھوٹے مواضعات سے جن میں باغات تھے گذرا تھا۔ ان مواضعات میں سے دوسرے کے قرب سفر کا سناٹا پہلے پہل ایک دور کی توپ کی آواز سے ٹوٹا . . . سر چارلس نیپیر نے فوراً اپنی ہراول فوج کے پیدلوں کو ایک چھوٹی سی نہر کے عقب میں درست کیا۔ سندھی رسالے کو پھلیلی کے اندر روانہ کر دیا اور دو نو پونڈ مصالح والی توپوں کو جو اُس کے ساتھ تھیں کھولا۔ اس کے تھوڑے عرصے کے بعد سندھی رسالے کا ایک دستہ پھلیلی کے

پار ایک شکارگاہ کے گرد گھوم کر جانے کے لئے بھیجا گیا جو مقابل کے کنارے پر تھی اور بقیہ آگے دیکھنے بھالنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ دشمن آخرا لذکر سمت میں ہے۔ چنانچہ جرنیل پھر آگے بڑھے حتیٰ کہ وہ ایک موضع میں پہنچے جہاں سے حیدرآباد کا راستہ دریا کے کنارے سے علیحدہ ہو گیا ہے[1]۔

بلوچی کا کوٹ

اس وقت جرنیل کے داہنی جانب کو پھلیلی ندی کا خشک پیٹا تھا جس کا رخ تقریباً جنوبی تھا اور جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی اُس کا دوسرا کنارہ ایک مٹی کی دیوار سے محدود تھا جو ایک گھنے شکارگاہ کی سرحد تھی اُن کے سامنے سلسلہ چھوٹے چھوٹے مواضعات مذکورۂ بالا کا تھا جن کا نام ظاہر بلوچی کا کوٹ تھا۔ اس سے نصف میل اور آگے ایک اور وسیع محدود شکارگاہ پھلیلی کے قریبی کنارے سے زاویہ قائمہ کی شکل میں ایک میل تک تھی اور اُس کے بائیں کنارے پر چھائی ہوئی تھی۔

کیپٹن جیکب و لفٹنٹ لیل کے دستوں کی پیش قدمی

اس درمیان میں سندھی رسالہ کے دو دستے زیر کمان کیپٹن جیکب و لفٹنٹ لیل آگے بڑھتے اور بائیں جانب کو مڑتے گئے حتیٰ کہ وہ دشمن کی توپوں کے نصف میل یا کم دوری تک پہنچ گئے۔ یہاں وہ صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بعد کو اُن سے وہ دستہ آ کر شریک ہوا جو پھلیلی کے دوسرے کنارے پر شکارگاہ کے تجسس کے لئے بھیجا گیا تھا اس حالت میں یہ بہادر پلٹن کھڑی ہوئی دشمن کی نقل و حرکت کو دیکھتی رہی۔ اور اُس کے نشانے کی زد میں رہی حتیٰ کہ انگریز فوج آخرکار آگے بڑھی۔

جرنیل پھر ایک ہزار گز یا اس کے قریب ایک پگڈنڈی راستہ سے آگے بڑھے

---

[1] یہ راہیں محض پگڈنڈی راستے ہیں اور دریا کے پیٹے کو بھی مثل اور راستوں کے استعمال کرتے ہیں۔ ۱۲

جو ظاہرا اُن کے سامنے کی شکارگاہ کے بائیں جانب گذرا تھا۔ یہاں اپنے کو دشمن کے سامنے اور اُس کے توپوں کی زد سے دور پاکر اُنھوں نے اپنی فوج کے اصل حصے کی آمد کا انتظار کیا۔ یہ حصہ بہت پیچھے تھا کیونکہ توپوں کے آگے بڑھنے میں بہت دقت اتفاقات کے باعث پیش آئی جو راستہ کی خرابی سے پیدا ہوئی تھی[1]۔ یہ دیر بہت تھی۔ اور اس سے دشمن کے مورچوں کی بخوبی جانچ کرنے کا موقع ملا۔

ہراول فوج پر حملہ

فوراً ہمارے روبرو شکارگاہ کی دیوار توڑے دار بندوقچیوں سے بھر گئی خاص کر اُس کے مشرقی یعنی بٹے ہوئے سمت میں۔ یہاں سے لے کر دشمن کے داہنے جانب تک ایک ہجوم غفیر پیدلوں کا تھا۔ جو دو نمایاں جھنڈوں کے گرد تھے اور اُن کی مدد کے لئے سوار عقب میں تھے اور سامنے کئی توپیں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض جو بقیہ سے زیادہ آگے تھیں سندھی رسالہ پر باڑھ مار رہی تھیں اور اب اپنا وار جرنیل اور اُس کے ہراول فوج پر کرنا شروع کیا گو کہ فاصلہ بہت تھا[2]۔ دشمن کے داہنی طرف باغ تھا جو ایک گاؤں کو پوشیدہ کئے ہوئے تھے۔

دشمن کا زبردست مورچہ

ایسا زبردست مورچہ ہمارے دشمن کا تھا جس کی اب تک آزمایش نہیں ہوئی تھی اور جس کو انگریزی فوج کے آہستہ بڑھنے سے دیکھنے اور بحث کرنے کا بہت وقت ملا۔ یہ بالعموم خیال کیا گیا تھا کہ تقریباً آٹھ ہزار پیدل اور تین ہزار سوار اس وقت جرنیل کے مقام سے نظر آرہے تھے۔ یعنی اب تک اصل معرکے کی جگہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے۔ مگر اس مقام

---

[1] دونوں توپ خانوں کی گولہ بارود کی گاڑیوں کے دُھرے ٹوٹ گئے اور اونٹ کے توپ خانے کی ایک گاڑی اُلٹ گئی ۱۲۔

[2] یہ گولے پھٹے ہوئے لوہے کے تھے اور پانچ یا چھ پونڈ وزن میں ہوتے تھے میر کا توپ خانہ ایک انگریز کی ماتحتی میں تھا ۱۲۔

سے بلوچیوں کی پوری قوت ظاہر ہوتی تھی۔ کیونکہ وہاں سے نہ تو یہ نظر آتا تھا کہ اُس کے داہنے جانب ایک موضع درختوں اور نہروں اور احاطوں سے مستحکم اُس کے قبضے میں ہے نہ یہ معلوم ہوتا کہ اُس کے کل مورچے کے برابر اور اُس کے عقب میں پھلیلی ندی کا پیٹا اپنے اولین پیٹے کے ساتھ زاویہ قائمہ بنایا ہوا واقع ہے۔

آخر کار اصل فوج کے آنے سے جرنیل آگے بڑھنے کے قابل ہوئے۔ روانگی کی وہی ترتیب قایم رہی اور پگڈنڈی راستہ کی سمت کو اختیار کر کے جو بائیں جانب کو مڑ گیا تھا۔ فوج اُس وقت تک نہ رکی گئی جب تک کہ شکارگاہ کی دیوار سے تین میل کے فاصلہ پر نہ پہنچی۔ یہ دیوار جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے بلوچیوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر ہمارے پہنچنے پر وہ لوگ دور سے چند فیر کر کے ہٹ گئے۔ اور چونکہ وہ آٹھ فٹ اونچی بغیر روزنوں کے ہے اُس سے دشمن کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ گو کہ ہماری زد سے محفوظ رہا۔

انگریز فوج کی مورچہ بندی

فوج کا آگے کا حصہ جو سامنے بائیں جانب کو آیا دور کے پہلے درخت فوج کی جانب جو اُس سمت میں تقریباً راستہ کے ساتھ زاویہ قائمہ کی شکل میں تھا بھیج دیا گیا اور جب اُس نے کافی زمین لے لی تو اُسے پھر روک کر داہنے جانب کو موڑا۔ کل توپیں میجر لائیڈ کی ماتحت ہیں یعنی چار نو اور دو چھ پونڈ والی۔ چوبیس اور دو بارہ پونڈ کی بڑے دہانے والی مع سفر مینا کی پلٹن کے پیدلوں کی دہنی جانب شکارگاہ کے جانب لگا دی گئیں۔ داہنے بازو کے عقب تو ہندوستانی رسالہ جس میں ساڑھے تین سو سوار تھے۔ بچت کے طور پر تھا۔ سندھی رسالہ جس میں پانچ سو سوار تھے۔ اُسی مقام پر تھا۔ جہاں وہ پہلے تھا۔ . . . یعنی پیدلوں کی بائیں قطار کے تین سو گز آگے۔ اب ڈ کالم کی شکل میں ایک خشک نالے کے اُتھلے سبز پیٹے کے قریب ہو گئے۔ جس کے

گرد متفرق درخت تھے اور جو براہ راست موضع سید سلطان شاہ کے واسطے یا کرٹے[1] تک گیا تھا اور دشمن کے داہنی جانب کو چھپائے ہوئے تھا۔

داہنے جانب سے بائیں جانب تک پیدل پلٹنوں کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

اولاً ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن اس کے بعد ۲۵۔ اور ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹنیں اور آخر میں اول نمبر ہندوستانی پلٹن جن کی کل تعداد مع اُن کے گوروں کے جو فوج ہراول میں تھی۔ ساڑھے تیرہ سو تھی۔ پونا کا رسالہ کپتان ٹیٹ کی ماتحتی میں مع دو سو سپاہیوں اور دو چھ پونڈ والی توپوں کے بطور عقب کی فوج کی چھوڑ دیا گیا تھا اور شریک لڑائی نہیں ہوا۔

میدان جنگ کا نقشہ انگریزی صف کے سامنے اس وقت ایک تنگ میدان تھا جس میں نیچے ریت کے اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں اور سامنے پھلیلی تک پھیلا ہوا تھا۔ جانب مشرق مذکور کا بالا اُتھلا سبزنالا اشجار اور گاؤں کا تھا اور اُن کے آگے ایک دشوار گذار نہر تھی[2]۔ اور جانب مغرب شکار گاہ کی دیوار چلی گئی تھی جو شمال و مشرق سے یکایک گھوم کر وہاں سے چھ سو گز پھلیلی تک جنوب و مشرق کی سمت گئی تھی .... اس محدود جگہ کا سامنا خط مستقیم میں شکارگاہ کی دیوار سے گاؤں تک سات سَو گز تھا اور بہت بڑا میدان جنگ تھا۔ دشمن نے اُسے دیکھ کر تعجب کیا تھا۔ کیونکہ جہاں پھلیلی کے کناروں سے اُسے ایک زبردست مورچے کا فائدہ حاصل تھا وہاں انگریزی توپ خانہ اور سواروں کو جگہ کی تنگی سے بہت کچھ دشوار گذارا تھا جو

---

[1] وہ اصل کرٹے اُس ضلع کا نام ہے۔ ۱۲

[2] یہ نہر خشک تھی مگر اُس کے کنارے سے حال میں شاید صاف کرنے کے وقت کاٹی گئی تھی۔ ۱۲

اس بیان کے آخر میں معلوم ہوگا۔

انگریز سپاہ کی بم باری

جوں ہی ہماری صفیں بہ احتیاط آراستہ ہو چکیں اور گل چلے آگے بڑھا دیئے گئے۔ توپیں دو سو گز اور آگے بڑھائی گئیں۔ اور ہماری پہلی باڑھ گولوں کی دشمن کی توپوں پر گیارہ بجے کے کچھ پہلے شروع ہوئی۔ ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن بائیں جانب توپ خانے کے تھی۔ اور بقیہ پلٹن عقب میں بیس قدم کے فاصلے پر تھی۔ چونکہ ہماری توپیں بہت دور تھیں اور دشمن کی توپوں کو روک نہ سکتی تھیں۔ اس لئے وہ ڈھائی سو گز اور آگے بڑھائی گئی اور دشمن کی فائرنگ جو برابر جاری تھی مگر نقصان نہ کر سکتی تھی۔ اب ظاہرا انگریزی توپوں کے تیز اور عمدہ نشانے کی زدوں کے سامنے کم ہونے لگی۔ اس وقت شکارگاہ کی دیوار میں ہمارے داہنے بازو کے قریب ایک روزن نظر آیا اور ۲۲ رجمنٹ کی گرینڈ پر کمپنی کو کپتان ٹیو کی ماتحتی میں دیوار کے صاف کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ بات شکارگاہ میں داخل ہونے سے حاصل ہوئی۔ کیونکہ جنگل دیوار سے کچھ دور تک کھلا ہوا اور گھنا نہ تھا۔ کیپٹن ٹیو فوراً مارا گیا اور کمپنی نے بھی نقصان اٹھایا۔ مگر اس وقت ان بہادروں نے شکارگاہ کے کنارے کو صاف کیا۔

بلوچوں کا حملہ

تیسری بار پھلیلی سے تین کوس پر فوج رُکی اور جس وقت بعض انگریزی توپیں شکارگاہ کی دیوار کو گراف کے گولوں سے صاف کر رہی تھیں اور دوسری دشمن کی توپوں کو روکے ہوئے تھیں اور آخرکار اُن کو خاموش کر دیا۔ پیدلوں کی صف جو گھٹتے ہوئے تیار ہو رہی تھی آخری بار بڑھنے کے لئے آمادہ تھی۔ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حضور ملکہ منظمہ کی ۲۲ نمبر کے گوروں کی پلٹن جو تنہا یوروپین پلٹن تھی۔ آگے بڑھی اور جس وقت بگل سنائی

دیئے۔ بہایت ترتیب سے چل رہی تھی۔ ایک سخت باڑھ بے شمار توڑے دار بندوقوں کی صبر کے ساتھ برداشت کی گئی۔ اور کچھ دیر بعد ۔۔۔۔۔ اُس کا جواب دیا گیا۔ پھلیلی کے ڈھلوان کنارے کی پناہ میں بلوچی اپنی بندوقوں کو زمین پر ٹیک کر بہ اطمینان نشانہ کرتے تھے۔ اپنے باری سے ۲۵ نمبر ہندوستانی پلٹن سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اور اُس کے بعد ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن اور گرینڈیرس سے بھی مقابلے کی نوبت آئی۔

اس جانب دشمن کا پایہ بہ نسبت داہنے جانب کے اور بھی قوی تھا کیونکہ نالوں اور گاؤں کی دیواروں سے اُس کی حفاظت ہوتی تھی۔ اس درمیان میں اُس نے انگریزی فوج کے بڑھنے پر توپیں چھوڑ دی تھیں اور اُن میں سے بہت سی ہمارے قبضہ میں آگئی تھیں۔ مگر جوں جوں فاصلہ کم ہوتا گیا۔ بلوچیوں میں جو زیادہ دلیر اور نئے لڑائی کے لئے بے صبر ہو رہے تھے۔ انھوں نے بندوقیں علیحدہ رکھیں۔ تلوار اور ڈھال ہاتھ میں لے کر وہ اپنی مخفی جگہوں سے نکلے اور ایک سے زیادہ زبردست حملوں میں انگریزی فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔[1]

میجر جیکس کا خاتمہ

دو یا تین بار ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کو پسپا ہونا پڑا اور اُتنے ہی بار دلیرانہ طور پر اُن کے افسروں نے اُن کو مستعد کیا۔ اُس پلٹن کے میجر جیکس نے گھوڑے پر سے اُتر کر لڑائی میں اپنی جان دی۔ یہ افسر جس کی نسبت افسوس ہوا۔ صرف دو حولداروں کے ساتھ آگے بڑھا اور آخر کار دشمن کی تلواروں سے مارا گیا۔ اول[2] نمبر کی ہندوستانی پلٹن ۱۲ نمبر کی پلٹن کے ساتھ

---

[1] اُس کی کمان میجر ریڈ کے تعلق تھی۔ ۱۲۔

[2] اول نمبر کی ہندوستانی پلٹن میں مع نشان کے دو سو آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ ۱۲

پسپا ہونے پر کچھ بے ترتیب ہوگئی اور اُس نے لڑائی میں کم شرکت کی۔ میجر ٹیسڈیل ۲۵ رجمنٹ کا کمانیر جس وقت اپنے سپاہیوں کو دلاسا دے رہا تھا۔ جو اپنے خونخوار دشمنوں کے مقابلے میں بے طرح ہٹتی جاتی تھی۔ لفٹننٹ[1] کرنیل پنیفادر جو ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن کا کمانیر تھا۔ گولی کھاکر گرا اور میجر پول اُن کی جگہ کمانیر ہوا۔ اُس کے قوی دل یوروپین بھی بلوچیوں کے خونخوار مقابلے میں اپنی جگہ جمے نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ بہ نسبت سپاہیوں کے اپنی حفاظت زیادہ ہوشیاری کے ساتھ سنگینوں سے کرتے تھے تاہم اُن کو اپنے خوش قسمت دشمنوں کی تیز تلواروں سے منہ پھیرنا پڑتا تھا۔ جن میں سے بہتیرے بھنگ[2] یا افیون سے جوش میں ہورہے تھے۔

بلوچیوں کی دلیری

لفٹننٹ ا مردول ٹننٹ کوارٹر ماسٹر جنرل کا گھوڑا جب اُن کی ران کے نیچے مارا گیا تو انھوں نے ایک بلوچی سردار کو مقابلہ کرکے مارا اور اُس کے طلائی قبضہ کی تلوار پر قبضہ کیا۔ پھر بھی ہمارے بہادر سپاہی اور افسر پسپا[3] ہوتے گئے اور اب سرچارلس نیپیر نے جنگ کی ردو قدح دیکھکر اور اُس کے انجام کی نسبت مشکوک ہوکر اپنے گھوڑے کو ۲۲ نمبر کے گوروں کی پلٹن کی صف سے نکالا اور اپنی ٹوپی ہلاکر اُس بہادر پلٹن

۱؎ ۲۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کے میجر جیکسن کے بھائی کپتان جیکسن میجر ٹیڈل کے مارے جانے پر ۲۵ رجمنٹ کا کمانیر ہوا۔ ۱۲

۲؎ بھنگ گانجہ کے تخم کا ایک جزو ہے۔ ۱۲

۳؎ اشخاص ذیل مارے گئے۔ کپتان میڈ لفٹننٹ وڈ ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کے۔ و صاحبان ذیل زخمی ہوئے۔ میجر ویلی اسسٹنٹ اجٹین جرنیل کپتان کانزے لفٹننٹ ہارڈنگ اینساین پنیفادر دا پنساین بوڈن ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن کے۔ اینساین ماپیرد ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کے۔ لفٹننٹ فیرکوٹ ماسٹر لفٹننٹ بوڈلن ۲۵ نمبر ہندوستانی پلٹن کے۔ ۱۲

کو آگے بڑھنے پر آمادہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے خطرے کا خیال نہ کرکے ۲۵ نمبر کی ہندوستانی پلٹن کو آگے بڑھنے پر ہمت دلائی۔ اس وقت اس میں شک نہیں کہ جرنیل کی خواہش تھی کہ دشمن کو دریا کے پیٹے سے ایک زبردست حملہ کرکے نکال دیا جائے مگر اُن کے ارادے کی تکمیل نہ ہوئی۔

سنگین سے بجز اپنی حفاظت کے اور کیا کام لیا جاسکتا ہے؟ اور یہ بات فوراً ظاہر ہوگئی کہ توڑے دار بندوقوں کی فائرنگ اور تیز تلواروں کی چمک کم ہونے لگی اور انگریزی بندوقوں کی لگاتار اور مہلک فائرنگ کے سامنے جو دریا کے کنارے کے قرب سے داغی جاتی تھیں۔ ہر ایک زندہ شئے صاف ہو جاتی تھی۔ ایک گھنٹے سے زیادہ عرصے تک یہ مہلک معرکہ قائم رہا اور آخرکار جب انگریز فوج دریا کے پیٹے کے اندر اُتری تو لاشوں کے پشتہ پر سے گذری۔ جس میں بہتیرے اب مر رہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے توشدانوں اور کپڑوں میں غالباً اُن کے مشتعل توڑوں سے آگ لگ گئی تھی اور اُن کی جھلسی ہوئی اور اینٹھی ہوئی لاشوں سے ایک خوفناک کیفیت نظر آتی تھی۔ بہت سے بلوچیوں کی لاشیں کنارے کے اوپر اپنے دشمنوں کی لاشوں کے ساتھ پڑی ہوئی خاموش اپنی ہمت اور جرأت کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ نہ کوئی امان کا طالب ہوتا تھا اور نہ امان دیا جاتا تھا۔ ہمارے سپاہی جو تنگ آگئے تھے زخمیوں کو یا تو گولی مار دیتے تھے یا سنگین بھونک کر مار ڈالتے تھے اور وہ لوگ بھی نہ دبتے تھے اور آخری دم تک ہمارے سپاہیوں پر وار کرتے تھے۔

؎۱ دریائے پھلیلی کا پیٹا ایک غار ہے .... جو ایک دریا پر اور زمین میں دریا کے بہاؤ سے ہوگیا ہے۔ یہاں جن کناروں کا ذکر ہے وہ محض اُس غار کے کنارے ہیں۔ بلند کنارہ جس کا ذکر سرکاری کتاب میں ہے وہ ہمارے سامنے کی زمین کے ایک حصے تک تھا۔ کنارے کے نیچے ڈُہرا زینہ تھا۔ جو کشتیوں سے پشتہ ہو رہا تھا۔ ۱۲

دائیں جانب پر حملہ

اس درمیان میں نہ تو توپیں اور نہ سوار غافل تھے اور نہ اُن کی اعانت اُس معرکے کے تصفیہ کرنے میں غیر ضروری تھے۔ آخری جگہ توپوں کی اس قدر تنگ تھی کہ اُن میں سے صرف چار کام میں آسکیں۔ کیپٹن ہنٹ[1] کی توپوں میں سے ایک کو سفر مینا کے لوگوں کی امداد سے جنھوں نے دیوار کے ایک حصے کو بھی توڑ ڈالا شکار گاہ کے رخ بد لگا دیا گیا جس نے وہاں بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا اور بقیہ تین نے پھلیلی کو گراف اور مددر لوگوں کی لگاتار مہلک باڑھوں سے صاف کیا۔

دائیں جانب پر حملہ

لڑائی کی عین رستخیز کی حالت میں رسالے کو حکم دیا گیا تھا کہ دشمن کے داہنے بازو کو اور اول رجمنٹ ہندوستانی پلٹن نے عقب میں جا کر حملہ کیا تھا۔ مگر حکم کی غلط فہمی سے یہ پلٹن داہنے جانب کو مڑکر کچھ دور تک قبل اس کے کہ اُس کے افسر اُسے مجتمع کرسکیں واپس آئی۔ اُسی وقت بے شمار بلوچی گاؤں کے مکانوں اور نالوں سے نکل پڑے۔ ۹ رسالے کے لفٹنٹ کرنیل پٹیل نے جو درجہ دوم کے کمانیر تھے اب تک جنیل کا حکم آگے بڑھنے کا نہ پایا تھا مگر دشمن کی آمد کو روکنے کی ضرورت دیکھ کر اور کسی قدر جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کیپٹن ٹمکر کے اصرار پر انھوں نے کسی قدر رکاوٹ کے ساتھ سواروں کو کارروائی کرنے کی اجازت دے دی۔

بلوچیوں کی شدید مدافعت

وہ وقت بے شک نازک تھا جس وقت نوین رسالہ کا تیسرا دستہ اُس بہادر افسر کی ماتحتی میں آگے بڑھا اور ہمارے پیدلوں اور گاؤں کے درمیان گذر کر دشمن کو پھلیلی کے پیٹے کے کنارے اور اُس کے اندر بھگا دیا۔ بلوچیوں کے ایک گروہ نے جو گاؤں کے عقب میں تھا سخت

---

[1] کیپٹن وہیٹی اور کیپٹن ہنٹ اونٹ اور گھوڑے کے توپ خانوں کے کمانیر تھے۔ ۱۲

مقابلہ کیا جس سے اس بہادر دستہ کو سخت نقصان پہنچا۔ کیپٹن ٹکر[1] نے چھ گولیاں کھائیں اور گھوڑے سے گرا مگر کپتان نیبریٹ نے اُن کی جگہ پر پہنچ کر دوسری جانب دشمن کو بھگا دیا۔ تیسرے دستہ کے عقب میں دوسرا دستہ کیپٹن گیرٹ کی ماتحتی میں گیا جس نے لفٹننٹ کرنیل پٹیل کے موضع پر حملہ کرنے میں اعانت کی۔ اور اول دستہ کیپٹن ڈمیس کے زیر کمان اول نمبر اور ۱۲ نمبر کی ہندوستانی پلٹنوں کے بیچ سے ہو کر گذرا اور اس نے پھلیلی کو عبور کر کے مقابل کے کنارے سے دشمن کو بھگا دیا۔

بلوچیوں کی پسپائی

اس وقت پریوٹ کیپٹن کوکن اجٹین[2] مارا گیا اور تین اور افسر زخمی ہوئے۔ لفٹننٹ کرنیل پٹیل نے تیسرے دستہ کے چند آدمیوں کے ساتھ گاؤں کے احاطوں پر بہادرانہ حملہ کیا تھا بعد کو مددِ دیگر دستہ سے امداد پا کر اُن کو کسی قدر صاف کر دیا۔ ان مقامات اور قرب و جوار کی نہروں اور باغات کی باڑھوں سے نوین رسالہ کا سخت نقصان ہوا۔ سندھی رسالہ ایک ناکام کوشش گاؤں کے گرد جانے کی کر کے جہاں اس کو ایک عمیق نہر نے جس میں دشمن جمع تھے روک لیا تھا۔ ہمارے پیدلوں اور گاؤں کے درمیان دریا میں اُتر گیا اور بخط مستقیم دشمن کے خیمہ تک گیا۔

امرائے سندھ کے خیمہ پر قبضہ

امیروں نے اُسے پہلے ہی سے چھوڑ دیا تھا اور حیدرآباد کو بھاگ گئے تھے مگر بہت سے بہادر لوگ وہاں اب بھی موجود تھے جنھوں نے اصرار کے ساتھ مقابلہ کیا اور بغیر اپنے تعاقب کنندگان کے

---

[1] یہ کہنا باعث مسرت ہے کہ یہ بہادر افسر زخموں سے شفایاب ہوا۔ ۱۲

[2] افسران ذیل زخمی ہوئے۔ پریوٹ کیپٹن اسمتھ۔ لفٹننٹ بلوڈن اور انیاٹین فرتھ کورٹ ماسٹر ۹ رسالہ۔ ۱۲

نقصان کے ہلاک نہ ہوئے۔ کپتان جیکب کا گھوڑا اُس کی سواری میں مارا گیا اور اُس نے لفٹننٹ فِنز جرلڈ کو تعاقب کرنے کے لئے روانہ کیا اُس نے کچھ دور تک تعاقب کیا مگر جب سواروں کے ایک گروہ کے پاس پہنچا جو جنگ میں شریک ہوئے تھے تو اُس افسر کو واپس آنا پڑا۔ سندھی رسالہ کو اُسی وقت اسباب کی حفاظت کے لئے بلا لیا گیا۔ اور بنگالی رسالہ کا ایک دستہ امیروں کے خیمہ پر قابض رہا جو بعد کو جرنیل کے حکم سے جلا کر خالی چھوڑ دیا گیا۔[ل]

جنگ کا خاتمہ

جب انگریز فوج نے قریب ڈیڑھ بجے کے دریا کو عبور کیا تو اُس وقت لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ مگر گولیاں چلنا بند نہیں ہوئی تھیں۔ اور بہت سے دشمن اب تک ارد گرد منڈلا رہے تھے اور جب سرکاری توپیں پھلیلی کے اوپر اور گاؤں اور قرب و جوار کے احاطوں پر لگائی گئیں۔ اُس وقت باغی رفتہ رفتہ منتشر ہوئے۔ جرنیل نے اپنا خیمہ میدان جنگ میں قائم کیا۔ اسباب ایک نشیب زمین کے بیچ میں تھا اور فوج ہتھیار لگائے ہوئے سوئی ہوئی تھی۔

توپ خانہ اور رسالہ کی کارگزاری

اس طور پر یہ دن معرکہ کا ختم ہوا۔ اس موقع پر جو دلیری بلوچیوں نے دکھائی وہ قابل تعریف تھی۔ یوروپین لوگوں نے دلیرانہ اور با استقلال کام دیا اور اس میں شک نہیں کہ سر چارلس نیپیر کے عمدہ نمونے اُن کے ساتھ تازیانہ کا کام کیا۔ سپاہیوں کو اُن کے افسروں نے مستقل اور درست رکھا جن کا طرز ظاہر کرتا تھا کہ وہ اپنی جان فدا کر دینے پر مستعد ہیں۔ اُن کے بغیر سپاہیوں کی حالت کئی بار پسپا ہونے کے بعد مشکل سے بطور خود درست ہوئی۔ توپ خانہ اور رسالہ نے اپنا فرض بخوبی ادا

ل تیس یا چالیس ہزار روپیہ خیمہ میں ملا۔ بیان کیا گیا ہے کہ امیر لاکھوں روپیہ لائے تھے۔ ۱۲

کیا مگر اُن کی کارروائی. بوجہ تنگی میدان کے جہاں اُن سے خاص کر کام لیا گیا. بہت کچھ رُک کر ہوئی ۔ مگر اس امر کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے رسالے کا دشمن کے داہنے جانب بڑھنا غالباً اُس معرکے کے تصفیہ کے لئے. بہت کچھ مؤثر ہوا۔

انگریز فوج کا نقصان ہمارا نقصان اس لڑائی میں بخیال فوج کی قلیل تعداد کے جو شریک جنگ ہوئی تھی۔ سخت ہوا یعنی باسٹھ آدمی مارے گئے اور ایک سو چورانوے زخمی ہوئے جن میں سے اُنیس افسر تھے (ان میں چھ مارے گئے اور تیرہ زخمی ہوئے)[1] دشمن کے چار سو سے زیادہ پھلیلی دریا کے اندر لاشیں تھیں اور غالباً اسی قدر اور میدان کے دوسرے حصوں اور شکارگاہ میں تھیں جو توپوں اور رسالہ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ چونکہ بجز چند[2] استثنا کے امان کسی کو نہ دی گئی تھی ۔ ۔ ۔ اس میں شک نہیں کہ زخمیوں کی تعداد جو بھاگ گئے مُردوں سے زیادہ تھی۔ بلوچیوں کے بیان ہے کہ اُن کا نقصان بہت زیادہ ہوا مگر اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔ اندازہ ہے کہ بلوچیوں کا نقصان انگریزوں سے چھ گنا ہوا ہوگا یہ تعجب انگیز کمی بیشی اس وجہ سے ہے کہ اُن کا پایہ قوی تھا اور جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قواعددانی اور خاص کر اُس کے ایک نتیجہ یعنی تیز اور لگاتار باڑھوں کے مارنے میں ان نمک تھے۔

---

[1] دونوں جانب گھوڑے بہت مارے گئے۔ دشمن کا رسالہ بہت نہیں لڑا مگر. بہت سے بلوچی اپنے گھوڑوں پر سے لڑنے کے لئے اتر پڑے اور اُنھیں دریا کے پیٹے کے اندر باندھ دیا۔ ۱۲

[2] یہ امر قابل بیان کے ہے کہ بلوچیوں نے امان کی امید نہ رکھ کر اپنی حفاظت دم آخر تک کی جس سے اُن کی جان بچانا تقریباً ناممکن تھا۔ ۱۲

حیدر آباد پر قبضہ

دشمن کی کل توپیں جن کی تعداد پندرہ تھی اور جھنڈے وسامان حرب وخیمہ وخرگاہ اور کچھ خزانہ ہمارے ہاتھ آیا اور اُس وقت کا نتیجہ جنگ کا نہایت اہم ہوا۔ دوسرے دو دنوں کے اندر چھ امیر بطور قیدی کے حاضر ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد حیدر آباد[1] پر قبضہ کیا گیا اور جنوبی سندھ انگریزی سلطنت کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔

---

[1] حیدر آباد پر ۲۱ کو ہیجر اور ٹرم کے چلے جانے کے بعد قبضہ ہوا۔ بیان کیا گیا تھا کہ قلعہ میں سرکاری خزانہ دو کروڑ تھا۔ اگر ایسا واقعی تھا تو اس کا ایک بڑا حصہ اس دیر کے باعث ہٹا دیا گیا ہوگا جو کچھ ہاتھ لگا وہ اُس رقم کا چوتھائی تھا۔"

ضمیمہ نمبر ۶

میر نصیر خاں والی حیدر آباد کی داستان۔

شجرہ نسب جس میں ایک شجرہ اُن کے خاندان کا ہے اور سلسلہ بلا شکست حضرت علی علیہ السلام خلیفہ چہارم و خویش جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قایم ہے۔

ہم لوگ امیران سندھ بلوچی ہیں یعنی اُس قبیلے سے نہیں ہیں جو ایران میں کچھ بلوچیوں کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ہماری اصلیت عربی ہے اور ہماری نسل امیر حمزہ بن ہاشم بن عبد مناف سے ہے گو کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ امیر حمزہ حضرت علیؑ کے بیٹے تھے۔

جب اسلام کی توسیع کے لئے حجاز کی فوج اور ابن یوسف نے عنان عزیمت سندھ کی جانب کی اور راستہ میں کچھ اور مکران کے علاقوں کو فتح کیا تو ہمارے مورث تو مفتوحہ ملکوں پر قابض رہے اور بقیہ حملہ آور فوج سندھ کی جانب بڑھتی گئی۔[۱] اُن کی بے شمار اولاد بلوچی کہلانے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد اُن میں سے بعض ڈیرہ اسمٰعیل خاں وڈیرہ غازی خاں میں چلے گئے اور اپنی بود و باش پہاڑ کی چوٹی پر اختیار کی۔ اس وقت میاں شاہ الحمد کلہوڑا نے جو حضرت عباسؓ ابن ہاشم کی اولاد میں ہونے کے باعث عباسی کہلاتے تھے سندھ میں کاشتکاری شروع کی جو اُس وقت میں دہلی کے چغتائی بادشاہوں کی حکومت میں تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس کی اولاد اُس زمین کی جس کی وہ پہلے کاشت کرتی تھی مالک ہوگئی۔ وہ لوگ اعتقاد کے شیعہ تھے اور سید

---

[۱] اصل سے مسٹر جیمس کورکورن نے امیر کی درخواست پر ترجمہ کیا۔ ۱۲

میراں شاہ جون پوری کے مرید تھے۔

کلہوڑا میں قیام

ہمارے پردادا میر شاہ داد خاں اکبر اپنے چچا میر صوبہ دار خاں اکبر سے نااتفاقی کر کے چلے گئے اور کلہوڑا لوگوں کی ملازمت اختیار کی جن کا مذہب بھی انھوں نے قبول کر لیا۔ چونکہ وہ بلوچیوں کے ایک سردار تھے اُن میں سے بہت سے لوگ سندھ میں اُن کے پاس گئے جہاں اُن کے چچا قبیلے کے ساتھ اُن کے شریک ہوئے۔ یہ زمانہ بلوچیوں کے اُس ملک میں اول قیام کا تھا۔

میر صوبہ دار خاں نے خدا کی عبادت کے لحاظ سے ناکت خدائی مناسب سمجھ کر شادی نہ کی۔ اُن کی فیاضی اور دین داری بہت زیادہ تھی اُن کے بھتیجے میر شاہ داد خاں جن کا ذکر ہو چکا ہے اُن کی وفات پر اُن کے جانشین ہوئے۔

نادر شاہ کے حملہ تک (۱۷۳۹ء) سندھ کا صوبہ دار کوئی امیر دربار دہلی کا ہوتا تھا۔ مگر اُس کے قتل کے بعد (۱۷۴۷ء) میاں نور محمد کلہوڑا اُس صوبے کے صوبے دار ہوئے اور احمد شاہ کے پاس خراج بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ صوبے دار قضا کر گئے تو اُن کے بیٹے محمد مراد اُن کی جگہ مسند پر بیٹھے۔

میر شاہ داد خاں اکبر کی اولاد

اُس وقت میر شاہ داد خاں اکبر نے قضا کیا۔ اُن کے چار فرزند تھے یعنی میر جنید امیر چاکر، میر بہرام ایک بیوی سے اور میر فیرو دوسری بیوی سے۔ پہلا بیٹا جسے نادر شاہ بطور ضامنوں کے نور محمد کلہوڑا کے فرزندوں کے ساتھ لے گیا تھا۔ مشہد میں قضا کر گیا۔ شاہ داد کے تمام فرزندوں میں میر بہرام خاں نہایت عقلمند اور نیک تھے۔ چنانچہ وہ بلوچیوں کے سردار بجائے اپنے باپ کے ہوئے۔

قلعہ حیدرآباد کی تعمیر

صوبہ دار محمد مراد کی زیادتیوں سے کلہوڑا خاندان کے امرائے ناراض ہو کر بہرام خاں سے اُس کے نکال دینے کی سازش

کی اور اُسے قید کرکے اُس کے بھائی میاں عطار خاں کو تخت پر بٹھایا۔ اپنے انتخاب میں دھوکا کھاکر انھوں نے اُسے بھی تخت سے اُتار کر قید کردیا۔ اور تاج میاں غلام شاہ کلہوڑا کے تیسرے فرزند کے سر پر رکھا۔ اُس سے اُن کی امیدیں پامال نہ ہوئیں کیونکہ اُس نے کل ملک کو تابع کیا اور حیدرآباد کا قلعہ بنایا۔ اُس کی وفات پر (قریب ۱۷۷۱ء) اُن کے فرزند اکبر میر محمد سرفراز اُن کے جانشین ہوئے۔

فرزند محمد خاں کی تخت نشینی بلوچیوں کے سردار میر بہرام خاں کے دو فرزند تھے۔ میر بجبر خاں اور میر صوبہ دار خاں۔ میر بجبر خاں کی غیبت میں جو اُس کی ناراضگی سے حج کو چلے گئے تھے۔ محمد سرفراز نے اُن کے بھائی اور باپ کو قتل کرڈالا۔ کیونکہ بہرام خاں اولوالعزم تھا اور سرفراز خاں کو اُس کے رسوخ اور دباؤ کا خوف تھا۔ اس امر کی خبر پاکر کلہوڑا امراء نے میر فتح خاں کے ساتھ سازش کرکے قاتل کو قید کردیا اور غلام شاہ کے دوسرے فرزند محمد خاں کو تخت نشین کیا۔ مگر لکھی کے راجہ نے جو ایک زبردست کلہوڑا امیر تھا اُسے تخت سے اتار کر قید کردیا۔ اور عصائے سلطنت محمد خاں معزول کے چوتھے فرزند کے حوالے کیا۔

میر بجبر خاں کی حج سے واپسی اس نازک وقت میں میر بجبر خاں حج سے مسقط وگوادر وکچھ ومکران ہوکر واپس آئے اور قلات میں پہنچ کر نصیر خاں بمرداہی کے پاس گئے اور اپنے باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لئے فوج کے طلب گار ہوئے۔ جب اس سے انکار کیا گیا تو وہ سیدھے سندھ گئے۔ اور وہاں پہنچ کر بہت سے بلوچی اُن کے شریک ہوئے۔ جو غلام نبی کو بُرا سمجھتے تھے کیونکہ انھیں لکھی کے راجہ نے تخت نشین کیا تھا۔ آخرکار ایک معرکہ ہوا جس میں غلام نبی مارا گیا۔ مگر میر بجبر کو جنھوں نے لڑائی میں فتح حاصل کی تھی یہ بات ظاہر تھی کہ گو محمد سرفراز نے اُن کے بھائی اور باپ کو شرارت سے قتل کرڈالا تھا اُن کے سوا اور کوئی شخص کلہوڑا

خاندان کا قابل حکومت نہ تھا۔ اس کے سوا وہ لوگ بچپن میں ساتھ کھیلے تھے اور ابتدائے عمر سے آپس میں اتحاد رکھتے تھے۔

عبدالنبی کی تخت نشینی

اگلے وقتوں کی باتوں کے خیال اور اپنے ملک کی محبت سے میر بجبر نے خاص خاص امیروں کو تعینات کیا کہ وہ محمد سرفراز کے قید خانے میں جائیں اور اُن کو وہاں سے رہا کرکے حشمت و شوکت کے ساتھ ایک ہاتھی پر لائیں تاکہ تاج اُن کو حوالے کیا جائے۔ مگر ان فیاضانہ ارادوں کو انجام دینے کا وقت جاتا رہا۔ کیونکہ غلام نبی کے بھائی عبدالنبی نے جو کلہوڑا کے پانچویں بیٹے تھے میر بجبر کے ارادے کا حال سُن کر تمام شاہی قیدیوں یعنی محمد مراد میاں عطار خاں و محمد سرفراز کو مع اُس کے فرزند میاں نور محمد کے قتل کر ڈالا۔ اس ظالمانہ حرکت کے بعد میر بجبر خاں نے چاروناچار عبدالنبی کو برائے نام تخت نشین کیا مگر عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں رکھی۔

میر بجبر خاں کا قتل

ان واقعات کے بعد ہی عبدالنبی جو اپنے اعزا کے خون سے نہا چکا تھا اپنے ظلم کے لئے ایک مظلوم اور تجویز کر رہا تھا۔ اُس نے سفیر کے طور پر ایک قاصد راجہ جودھ پور کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر وہ بجبر خاں کی ہلاکت میں مدد دیں تو امرکوٹ کا قلعہ حوالے کر دیا جائے گا۔ راجہ نے ان شرائط کو قبول کر لیا اور بارہ راجپوت اس غرض سے روانہ کئے۔ ان لوگوں نے میر بجبر کے دربار میں ایلچیوں کی صورت میں پہنچ کر کہلا بھیجا کہ راجہ جودھ پور نے اُن سے چند عمدہ پیغامات کہلا بھیجے ہیں جو وہ علٰحدہ اور خاص اُن سے کہنا چاہتے ہیں۔ میر بجبر خاں کو ہرچند کہ راجپوتوں کے خونی ارادے سے والی جیسلمیر اور دوسرے لوگوں نے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا تاہم اُنھوں نے اُن لوگوں کو اس خوف سے اپنے روبرو بلایا کہ دوسرا طرز اختیار کرنے سے اُن کی جواں مردی پر حرف آئے گا۔ اس حماقت کی سزا ملی۔ کیونکہ قاتلوں نے دائیں

اتحاد کا وعدہ کرکے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔ اس قتل کے بعد عبدالنبی کلہوڑا امیر بجر کے بیٹے میر عبداللہ اور میر صوبہ دار کے بیٹے میر فتح خاں کے پاس گیا اور اُس فعل کی شرکت سے اپنی اس قدر صفائی کی کہ اُن کو بطور مہمانوں کے اُبھار کر شاہی محل میں لے آیا۔

کلہوڑا خاندان کا خاتمہ

مگر اُس کا ارادہ یہ تھا کہ جوں ہی موقع ملے اُن لوگوں کو مار ڈالے۔ میر فتح علی خاں اور میر چاکر کے فرزند میر سہراب خاں نے اُن بدمعاشوں کے ارادے معلوم کرکے دوسروں کو اس خطرے سے آگاہ کیا مگر جب اُن لوگوں نے اس دوستانہ اور موقع کی احتیاط پر خیال نہ کیا تو میر فتح علی اور میر سہراب دوپہر کو دھوپ میں میر عبداللہ میر فتح خاں اور مرزا کو تن بہ تقدیر چھوڑ کر واپس آئے۔ اُن کی پیشین گوئی اُن تینوں کے قتل سے پوری ہوئی۔ جب یہ ماجرا معلوم ہوا تو میر فتح علی خاں اور میر سہراب خاں نے ایک فوج جمع کی۔ اور کئی سخت لڑائیوں کے بعد اُس بلائے بے درماں عبدالنبی کو ملک سے نکالا۔ اس طور پر سندھ کے کلہوڑا خاندان کا خاتمہ ہوا۔

میر فتح علی خاں کی امارت

اُس وقت میر فتح علی خاں اور سہراب خاں نے شاہی اختیارات لئے اور دہلی کے شاہ تیمور کو نذرانہ اور خراج بھیجا جس نے اُس کے صلے میں میر فتح علی خاں کو بادشاہ کا خطاب دیا۔ وہ اٹھارہ سال تک حکمراں رہے اور اپنے بیٹے میر صوبہ دار کو لودن کا بچہ چھوڑ کر مرے۔

میر فتح علی خاں کے تین بھائی تھے میر غلام علی خاں کرم علی خاں اور مراد علی خاں یہ لوگ اپنے بھائی کی حیات میں اُس کے خاص محرم راز اور مشیر کار تھے۔

ان کی وفات پر (۱۸۰۱ء) اُن کے بھائی میر غلام علی خاں تخت نشین ہوئے۔ محمد صدیق داؤد پوتے نے میر سہراب خاں کے ساتھ کچھ بدسلوکی کی جس پر اُنھوں نے میر غلام علی سے

مدد چاہی اور اُنھوں نے میر سہراب کی مدد کر کے محمد صدیق کو گوادر کے قلعہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کیا مگر اُس کی اطاعت کرنے پر میر غلام علی فاتح نے اُسے اُس ملک کا بادشاہ کر دیا اور پندرہ ہزار روپیہ سالانہ خراج اُس سے متقرر فرمایا۔ مگر اُنھوں نے سنبرل کا قلعہ اپنے قبضہ میں رکھا اور محمد صدیق کو صلح نامہ بحلف کرنے پر مجبور کر کے اُس کے بیٹے بھاول خاں کو بطور ضامن لے لیا مگر اُس کے ایک سال کے بعد اُس لڑکے کو بہ اعزاز اُس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ وہ دس سال تک فرماں روا رہا اور ۱۸۲۱ء میں ایک فرزند میر میر محمد سیزدہ سالہ چھوڑ کر مرا۔

مراد علی خاں کی تخت نشینی

اپنے بھائی کے مرنے پر میر مراد علی خاں جانشین ہوئے۔[۱۹] ہر چند کہ میر کرم علی خاں اپنے بھائی میر مراد علی سے بڑے تھے مگر انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو تخت حوالے کیا جو اُن کی نہایت عزت اور محبت کرتے تھے۔ میر کرم علی خاں اس کے بعد اُنتیس سال تک زندہ رہے اور اُن کی وفات پر اُن کے بھائی تنہا مالک تخت کے تھے۔ یہ ہمارے باپ تھے جنھوں نے اپنے کو خود مختار قرار دیا اور کبھی کسی کو خراج نہ دیا۔ اُنھوں نے تمام سندھ سبزل اور شکارپور اپنی عمل داری میں شامل کیا۔ وہ ہمیشہ اپنے بھائی میر کرم علی خاں کے لئے مغموم رہتے تھے اور دل کے قریب جو اُن کے ایک درد تھا اُسے لوگ اُسی غم سے منسوب کرتے ہیں۔ سات برس اور اچھی طرح بادشاہت کر کے وہ مجھ کو اور میرے بھائی میر نور محمد خاں کو مشترک فرماں روا اقلیم سندھ کا چھوڑ کر مرے۔

ضمیمہ نمبر ۷

سندھ کے جدید حالات کی داستان

معاہدہ مابین مراد علی خاں اور لارڈ ولیم بنٹنگ

ہمارے تخت نشین ہونے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کرنیل ہنری پاٹنجر نے ہماری تصدیق کے لئے وہ صلح نامہ بھیجا جو ہمارے والد مرحوم مراد علی خاں اور لارڈ ولیم بنٹنگ گورنر جنرل میں ہو چکا تھا۔ کیونکہ متوفی امیر کے فرزند ہونے کی حیثیت سے ہم لوگ بھی صلح نامہ مذکور کے شرائط میں شامل تھے۔ اس بات کا یہاں بیان کردینا ضروری ہے کہ اس صلح نامہ سے ہمارے والد نے انگریز تاجروں اور کمپنی کی عمل داری کے سوداگروں کو تجارت کی غرض سے اپنی عمل داری میں بے روک ٹوک آنے کی اجازت دی۔ مگر یہ امر واضح ہے کہ اس اجازت کے دینے میں میں نے خاص کر اپنے باپ کو آمادہ کیا تھا۔ کیونکہ جب کرنیل ہنری پاٹنجر حیدر آباد میں گورنر جنرل کی جانب سے میرے والد کی منظوری تجویز مذکور کی نسبت حاصل کرنے کو آئے تو وہ اس کی نسبت بہت کچھ پس و پیش کرتے تھے اور اگر میں نے زور نہ ڈالا ہوتا تو ہرگز منظور نہ کرتے۔

دریائے سندھ سے گذرنے کی اجازت پر اصرار

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ایک یہی موقع نہ تھا جس میں میں نے اپنا زور اپنے باپ پر انگریز گورنمنٹ کی جانب سے ڈالا تھا کیونکہ اس صلح نامہ کے قبل جب سر الیگزینڈر برنس نے لاہور جاتے وقت میرے والد کو بار بار خوش نما دریائے سندھ سے گذرنے کی نسبت لکھا تھا اُس وقت بھی میری کوشش اور ترغیب دہی سے اُنھوں نے اس درخواست کو منظور کیا تھا۔ افسوس کہ جس وقت میں اس قدر کوشش انگریز گورنمنٹ کے کام میں کر رہا تھا مجھے یہ خیال نہ تھا کہ انگریز گورنمنٹ مجھے اُس کا صلہ

اُس طور پر دے گی جیسا کہ اُس نے اُس وقت سے کیا ہے۔ خیر۔

دوستی کی تجدید چند روز بعد صلح نامہ مذکورہ بالا کے ہمارے پاس تصدیق کے لئے روانہ کرنے کے کرنیل ہنری پامنجر خود ہم لوگوں سے ہمارے والد کے قضا کر جانے کی تعزیت کے لئے ملنے کو آئے۔ اُس کے بعد وہ کچھ گئے اور ہمارے پاس ایک خط لارڈ آکلینڈ کا بھی روانہ کیا۔ اس خط کا مضمون تھا کہ چونکہ گورنر جنرل ہم لوگوں کو بطور دوستوں کے اور انگریز گورنمنٹ کا بہی خواہ تصور کرتے ہیں وہ کسی حیلہ سے ہمارے ملک یا گورنمنٹ پر نگاہ بد نہ کریں گے اس خط کے ملنے سے دراصل ہم کو کچھ اطمینان ہوا۔ ہمارے جی میں کوئی گمان فاسد اپنے ملک کی حفاظت کا نہ رہا۔ مگر یہ نہ جانتے تھے کہ کاتب تقدیر نے ہمارے خط پیشانی پر کیا لکھا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے ایک جلسہ کیا اور باہم غور کیا کہ آیا اپنے دربار میں ایک وکیل انگریزوں کا بلا کر رکھنا چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ ہم نے کرنیل ہنری پامنجر کو اس بارے میں لکھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہرچند کہ کوئی ضرورت ہمارے دربار میں وکیل کی نہیں ہے مگر چونکہ ہم نے درخواست کی ہے تو وہ گورنر جنرل کو ہماری خواہش سے مطلع کریں گے۔ اور ہمارے پاس اس کا جواب بغرض اطلاع دہی بھیج دیں گے۔

کابل کی مہم اس کے تھوڑے ہی دن بعد کرنیل مذکور نے پھر ملاقات کی درخواست کی۔ ہم کو اس درخواست سے نہایت مسرت ہوئی۔ ایسی ملاقات میں کرنیل موصوف نے درخواست کی کہ ہم انگریز فوج کو اپنی عمل داری سے خشکی و تری کی راہ کابل کی مہم پر جانے کی اجازت دیں جب یہ درخواست انگریز گورنمنٹ کی لوگوں کو معلوم ہوئی تو تمام امیروں اور بلوچیوں نے بالاتفاق اس سے انکار کیا اور کہا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی درخواستوں کے منظور کرنے سے ہم لوگ بعد کو کیسے سخت مشکل میں مبتلا ہو جائیں گے۔

مگر چونکہ ہم لوگوں کی نیت بُری نہ تھی اور دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ہم نے اور ہمارے بھائی نے کرنیل ہنری پاٹنجر کی درخواست کو بے تکلف منظور کرنے کا فیصلہ کیا اور بڑی مشکل اور ترغیب سے بلوچیوں کو اس پر راضی کیا۔ چنانچہ اجازت مطلوبہ دی گئی۔ لیکن ہم لوگوں نے کرنیل پاٹنجر کو اُن باتوں سے مطلع کر دیا۔ جو اُن کی خواہشوں کے منظور کرنے سے قبل پیش آئی تھیں۔ اس کے بعد کرنیل پاٹنجر حیدرآباد سے چلے گئے اور دریا کے کنارے خیمہ زن ہو کر انگریز فوج کو بمبئی کی بندرگاہ سے براستہ سندھ کابل جانے کا حکم دیا۔

اہل سندھ کی مشکلات کا آغاز

واقعی ہم لوگوں کو اس اجازت کے دینے کے لئے بہت دکھ سہنے پڑے کیونکہ ہمارے اہل وطن کی منشا کے یہ بالکل خلاف تھا۔ لیکن ہم نے اس امید سے ایسا کیا کہ اگر ہمارے ملک پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو ہم لوگوں کو انگریزوں سے مدد ملے گی۔ مگر تجربے سے جو ہم نے خیال کیا تھا اس کے خلاف ہوا۔ جب انگریز فوج مقام باری غارہ میں پہنچی تو ہم سے کہا گیا کہ فوج کے سامان رسد اور اونٹ اور جہازوں کے لئے جلانے کی لکڑی دیا کریں۔ جس طرح ہم نے اس خواہش کی تعمیل کی اس کا بیان کرنا بے کار ہے۔ ایسے موقعوں پر جیسے ہم نے انگریزوں کی خدمت کی آج تک ہندوستان کے کسی دوسرے فرماں روا نے نہ کی ہوگی۔

انگریز فوج کا خرچ اور اکیس لاکھ روپے کا مطالبہ

جب انگریز فوج مقام جھارک میں حیدرآباد سے چودہ کوس پر تھی سر جان کین نے خلاف معاہدہ اور صلح نامہ جات کے فوج کا خرچ اور اکیس لاکھ روپیہ سالانہ طلب کیا۔ اس مطالبہ کو بھی ہم نے پورا کیا۔ انگریز گورنمنٹ کا یہ معینہ قاعدہ ہے کہ ہندوستانی والیان ملک سے صلح نامہ کرنے میں عبارت نسلاً بعد نسلاً ضرور لکھتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے

کہ وہ صلح نامہ کی میعاد کو اپنی حد آسائش تک محدود رکھتے ہیں۔ چنانچہ مجھ کو اس کا سخت تجربہ ہوا۔

ایک صلح نامہ کے بعد دوسرا صلح نامہ

اس کے بعد ایک نیا صلح نامہ میرے پاس دستخط کے لئے بھیجا گیا۔ جس میں چوبیس شرائط تھیں۔ اور اسے بھی میں نے منظور کیا مگر میرے دستخط کی روشنائی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سر چارلس نیپیر اپنی فوج لے کر سندھ میں داخل ہوئے اور ایک اور صلح نامہ میری منظوری کے لئے بھیجا۔ چونکہ اس کے تحقیر آمیز شرائط کو منظور کرنا دراصل اپنے زوال کا باعث ہونا تھا ہم نے ایک وکیل سکھر میں جرنیل موصوف کے پاس صورت حال کو اصل پیرایے میں ظاہر کرنے کے لئے بھیجا مگر انھوں نے وکیل سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ باتیں کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ لارڈ ایلنبرا کے حکم کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اور اگر ہم لوگ فوراً صلح نامے کو منظور نہ کریں گے تو وہ آتشِ غضب کو فوراً مشتعل کریں گے۔

رئیس خیرپور پر ظلم و استبداد

پھر وہ دریا کو عبور کر کے لاہوری میں خیمہ زن ہوئے۔ اور میر رستم خاں رئیس خیرپور سے اس جگہ کے خالی کر دینے کے لئے کہا ورنہ دوسرے دن اس پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اُس وقت اُنھوں نے اپنے کو امیر کے خاص مکان پر سپاہیوں کے حملہ کرنے کی ذمہ داری سے بری کیا۔ یہ بیچارہ بیکس اور ضعیف جو نہ جانتا تھا کہ کیا نتیجہ ہوگا اس دھمکی سے خوف میں آکر خیرپور سے باجی ہرنر اور وہاں سے کوٹلا کو چلا گیا۔ اس کی نسبت صرف یہی جرم بیان کیا گیا ہے کہ ایک خط انگریز فوج کی ڈاک سے چوری ہو گیا تھا اور یہ شبہ کیا گیا کہ خیرپور کے کسی بدمعاش نے چوری کیا۔[۱]

---

[۱] بعد کو ثابت ہوا کہ یہ فعل علی مراد نے میر رستم کی تخریب کے لئے کیا تھا۔ ۱۲

ضمیمہ نمبر ۸
خاندان امیران حیدرآباد
میر شاہ داد خاں
میر بہرام خان
میر خیرا خان
میر چاکر خان
میر چاہ مندا خان
ایک دختر
میر سہراب خان
میر علی خان
میر بجر خان
میر صوبیدار خان
میر سلیمان خان
میر رستم خان
میر غلام محمد خان
میر زنگی خان
میر کرم علی خان
میر عبداللہ خان
میر غلام علی خان
میر اللہ یار خان
ایک دختر
میر مراد علی خان
میر فتح علی خان
میر صوبہ دار خان
میر تھورو خان
میر غلام حسین خان
میر میر محمد خان
میر محمد علی خان
میر فتح علی خان
میر علی مراد خان
میر غلام حیدر خان
میر محمد نصیر خان
میر یار محمد خان
میر محمد خان
میر نور محمد خان
میر خان محمد خان
میر شاہ محمد خان
میر شیر محمد خان
میر حسین علی خان
میر شاہ داد خان
میر رستم خان
میر عباس علی خان
میر حسن علی خان

ضمیمہ نمبر
خاندان امیران خیرپور
میر چاکر خان
میر سہراب خان ۱۸۴۲ء میں ایک زینہ سے گر کر مر گئے
میر غلام محمد
میر علی خان
میر زنگی خان
میر سلیمان خان
میر غلام شاہ ۲۸ سال
میر علی مردان
میر مراد حیدر ۳۳ سال
میر محمد خان ۴۳ سال
میر چاکر خان
میر علی مراد خان
میر رستم علیخان انگریزی گورنمنٹ کے قیدی ہو کر مرے
میر مبارک خان ۱۹ جولائی ۱۸۳۹ء کو قضا کی
میر شیر محمد ۲۸ سال
میر غلام حیدر
میر علی بخش
نبی بخش ۲۹ سال
حسن بخش
غلام مرتضیٰ ۲۲ سال
میر غلام مصطفیٰ
میر احمد ۴۳ سال
میر غلام محمد ۲۸ سال
میر مظفر خان ۱۳ سال
میر علی مراد خان
میر قدرت محمد قضا کر گئے
علی بخش ۱۳ سال
میر فیض محمد
میر سہراب خان
میر شاہ نواز خان
میر غلام حیدر ۳۷ سال
میر محمد باقر ۲۰ سال
میر علی اکبر ۴۳ سال
میر مراد حیدر قضا کر گئے
میر محمد حسین ۵۰ سال
میر علی مراد ۱۹ سال
میر غلام نبی
میر غلام علی
میر حسین علی
میر حیدر علی
میر علی گوہر ۱۵ سال
میر علی محمد ۳۷ سال
میر فضل محمد
میر علی محمد
میر نصیر خان
میر امام علی
میر لطف علی
میر بخش علی ۱۱ سال
میر امام بخش
میر سہراب
میر نبی بخش
میر خیرا
غلام علی
عبد القادر
اللہ ڈاکر
حسین بخش
امیر بخش ۱۵ سال
میر سلطان علی
میر لطف علی ۹ سال
میر سہراب علی ۱۱ سال

میر رستم کی معزولی

اس پر سر چارلس نیپیر نے میر رستم خاں سے چور کی گرفتاری اور حوالگی چاہی۔ مگر چونکہ میر رستم علم غیب سے واقف نہ تھا۔ اس لئے وہ چور کا پتہ نہ لگا سکا۔ پس جرنیل موصوف نے اُسے حکومت کے ناقابل قرار دے کر فرماں روائی سے خارج کردیا۔ میر رستم خاں کی التجائیں اور التماسیں کچھ کام نہ آئیں میجر جرنیل موصوف نے اس کی کچھ بھی سماعت نہ کی اور بطور تسلی کے حیدر آباد جانے کی ہدایت کی۔ جہاں انھوں نے خود پہنچ کر اُن کے مقدمے کا تصفیہ کرنے کا وعدہ کیا۔

نئے صلح نامے کی تصدیق

ہم لوگوں نے جرنیل موصوف کو آمادہ فساد دیکھکر میجر اوٹرم کو اس کی اطلاع کی۔ وہ فوراً خیر پور سے حیدر آباد میں آئے اور ہم کو بذریعہ خط کے مطلع کیا کہ جب تک ہم سر چارلس نیپیر کے بھیجے ہوئے صلح نامے کی تصدیق نہ کریں گے۔ ہماری سماعت نہ ہوگی۔ ہم نے میجر موصوف کے کہنے کے مطابق کیا۔ ۹ر فروری ۱۸۴۳ء کو وہ ہم لوگوں سے ملنے آئے اور ہمارے کل حالات سُن کر اسی شب کو ایک یوروپین کو ہمارے پاس بھیجنے کو کہا جسے ایک تیز او نٹ پر چارلس نیپیر کے پاس ہم کو بھیجنا تھا تاکہ فوج جو آرہی تھی رک جائے۔ ہم نے ان کے کہنے کے مطابق کیا۔ مگر ۱۱ر فروری کو جو شتر سوار اس یوروپین کے ساتھ گئے تھے۔ واپس آئے اور انھوں نے بیان کیا کہ سر چارلس نیپیر نے اُس کے پہنچتے ہی خیمہ اُکھاڑا اور حیدر آباد کو روانہ ہوئے۔

ہم نے یہ خبر میجر اوٹرم کو دی جو فوراً ہمارے قلعہ میں آئے اور ہم سے بحلف کہا کہ سر چارلس کا ارادہ کچھ بھی فساد کا نہیں ہے۔ بشرطیکہ ہم صلح نامے پر مہر کردیں اور جب ہم نے مہر کرکے حوالے کیا تو انھوں نے کہا کہ اب اطمینان رکھیئے۔ میں صلح نامے کو مع اپنے ایک خط کے سر چارلس کے پاس روانہ کروں گا اور مجھے یقین واثق ہے کہ وہ اسے پاکر فوراً اپنی فوج کو ہٹالیں گے۔ اس وقت انھوں نے ایک خط مع صلح نامے

کے دیا جسے میں نے فوراً ایک شتر سوار کے ہاتھ سر چارلس کے پاس بھیج دیا۔ ہم اسکو وہ شتر سوار واپس آیا اور بیان کیا کہ اس خط کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے یہ خبر فوراً میجر اوٹرم کو دی۔ لیکن انھوں نے اس کا کچھ زیادہ خیال نہ کیا۔ اس پر کل جماعت بلوچیوں کی برافروختہ ہوگئی۔

اکیس لاکھ روپے کی ادائیگی

میرے لیے اُن لوگوں نے اولاً انگریز فوج کو اپنے ملک سے کابل کی عزیمت پر جانے دیا تھا میری ہی خاطر سے اُن لوگوں نے اکیس لاکھ روپیہ فوراً اور تین لاکھ اور سالانہ دینا منظور کیا تھا اور بالآخر جب انگریزوں نے ایک صلح نامے کی خلاف ورزی کرکے دوسرے اور اس کے بعد تیسرے کو رد کیا تو اُن لوگوں نے میری ہی خاطر سے خموشی اختیار کی تھی۔ لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ باوجود ان سب رعایتوں اور خاطرداریوں کے جو انگریزوں کی کی گئیں وہ لوگ مخالفت پر آمادہ ہیں تو اُن کی قوت برداشت جاتی رہی اور مغلوب الغیظ ہو کر انھوں نے میرے احکام کا کچھ خیال نہ کیا۔

حیات خاں کی گرفتاری

جب اُن لوگوں نے سُنا کہ سر چارلس نیپیر نے بلاوجہ حیات خاں کو گرفتار کرلیا۔ اُنھوں نے میجر اوٹرم سے انتقام لینا چاہا۔ جوں ہی مجھے اس کی اطلاع ہوئی میں نے جہان خان اور حاجی غلام محمد کو حکم دیا کہ بارہ چیدہ مسلح لوگوں کو ساتھ لے کر میجر اوٹرم کو اُن کے مقام پر بحفاظت پہنچا آئیں۔ اور اگر بلوچی جو برافروختہ ہو رہے تھے اُن پر حملہ کریں تو اُن کی حفاظت کریں۔ اس طور پر وہ بے خلش اپنی فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ حالانکہ جابجا بلوچیوں کے گروہ انتقام کی نیت سے پوشیدہ ہو رہے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو میں نے میجر اوٹرم کی حفاظت کے لئے منتخب کیا تھا وہ رعب و داب کے لوگ تھے۔ بالآخر جب بلوچیوں نے ریذیڈنسی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا میں نے عین وقت پر میجر موصوف کو مطلع کیا اور میں خوش ہوں

کہ وہ محض اُن تدابیر سے محفوظ رہے. جو ہم نے بطور حفظ ماتقدم کے کی تھیں۔ اسی سے ظاہر ہے کہ میرے خیالات انگریزوں کی نسبت کیا تھے۔

حیدر آباد کی فوج کشی

جب ۱۴ کو شتر سوار نے واپس آکر بیان کیا کہ میجر جنرل بلا خیال ممانعت حیدر آباد پر چڑھے آتے ہیں اور مخالفت پر آمادہ ہیں تو بلوچی. جو پانچ یا چھ ہزار تعداد میں تھے حیدر آباد سے بغرض مقابلہ روانہ ہوئے۔ میں نے یہ سن کر اُن کا تعاقب کیا اور اُن سے کہا کہ اُنھوں نے ناحق ایک دوست کے مقابل مخالفت اختیار کی ہے۔ میں خود بقصد جنگ نہیں گیا تھا۔ اگر میرا یہ خیال ہوتا تو میں نے ابتدا ہی میں ظاہر کیا ہوتا نہ یہ کہ آخری وقت کا منتظر رہتا۔ خود اسی امر سے میری صفائی ہوتی ہے کہ دو دن اور ایک رات تک سمجھانے کے بعد میں نے بلوچیوں کو اظہار مخالفت سے باز رکھا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ جو کچھ میں نے اب تک کہا تھا سب کچھ اُنھوں نے منظور کیا مگر وہ اب اپنی جگہ سے اُس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک انگریزی فوج آگے بڑھتی رہے گی۔ آخر کار وہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ میں ایک وکیل جرنیل کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کروں کہ ہم لوگ اب تک انگریزوں کے دوست ہیں۔

تیسرے دن کی صبح کو جنرل کی فوج نے ہم پر گولہ اندازی شروع کی اور بلوچیوں نے نے بھی مایوس ہو کر جواب دیا. ہماری جانب ہزاروں مارے گئے۔ اور بقیہ منتشر ہو گئے. میں اکیلا میدان جنگ میں اٹھارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گیا۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ سب بھاگ گئے اور انگریز ظلم پر آمادہ ہیں میں حیدر آباد واپس چلا آیا۔

میر نصیر الدین کی خود سپردگی

یہ کیفیت. جو پیدا ہوئی اُس سے مجھ کو نہایت صدمہ ہوا۔ میرے لوگ خود مجھ پر طعن کرنے لگے۔ کہ اگر ابتدا میں میں نے انگریزوں کو ملک میں نہ آنے دیا ہوتا تو آج اُس پر اس طرح ظلم نہ ہوتا۔ اگر میری

خواہش لڑنے کی ہوتی تو صاف ظاہر ہے کہ میں نے حیدر آباد کو چھوڑ دیا ہوتا اور پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوتا۔ جہاں سے میں نے مخالفانہ کارروائی شروع کی ہوتی۔ مگر چونکہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا میں دوسرے دن خود انگریزی خیمہ میں چلا گیا اور میجر جنرل کو اپنی تلوار دے کر کہا کہ "آپ نے مخالفت کیوں شروع کی جس حالت میں کہ میں ہمیشہ آپ کے حسب دلخواہ کوشش کرنے پر آمادہ تھا"۔ جرنیل نے مجھے میری تلوار واپس کر دی اور مسکرا کر کہا کہ "آپ پریشان نہ ہوں پچیس دن کے اندر میں آپ کے معاملات کا تصفیہ کر دوں گا" اور اس کے بعد کہا کہ "آپ اپنی ہمراہی فوج کو رخصت کر دیجئے اور میر رستم خاں کو بلا لیجئے کیونکہ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں"۔

امرائے سندھ کی گرفتاری

جب میں نے فوج کو رخصت کر دیا اور میر رستم خاں آئے تو وہ اور ہم اور میر شاہ داد خاں جو میرے ساتھ تھا قید کر دیئے گئے۔ سر چارلس نے اُس وقت میجر ریڈ اور دوسرے انگریز افسروں کو قلعہ دیکھنے کے بہانے اندر بلا لیا۔ عقلا جو اسے سنیں گے وہ متعجب ہوں گے اور انگشتِ حیرت دندانِ غم سے کاٹیں گے۔ اُس وقت یہ حالت تھی جس وقت ہم لوگ گرفتار ہوئے۔ دیکھنے کے حیلے سے اُن لوگوں نے قلعہ کو لے لیا اور لوٹ و غارت گری اس درجہ تک کی کہ سپاہیوں کی بغل سے ہیرے اور جواہرات مثل ریت کے ریزوں کے گرتے تھے۔

قلعہ حیدر آباد پر قبضہ

قلعہ میں انگریزوں کے تین دن کے داخل ہونے کے بعد میر محمد خان قید کر دیئے گئے اور دوسرے دن میر صوبہ دار خاں قلعہ سے باہر نکالے گئے اور قید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد میر فتح علی خاں اور میر محمد علی خاں میر صوبہ دار خاں کے بیٹے اور میر حسن علی خاں و میر عباس علی خاں میرے اپنے بیٹے بھی قلعہ سے اُس مقام پر لائے گئے جہاں میں تھا۔ خاص کر میرے لڑکے ایسے بے سرو سامان آئے کہ نہ تو اُن کی پیٹیاں تھیں اور نہ تلواریں۔ اور جن گھوڑوں پر وہ سنہری زین تھے

آئے تھے وہ لے لئے گئے۔ اور ہرچند کہ اُن لڑکوں نے اُن کی واپسی کے لئے نہایت انتہائی
تردد کیا مگر وہ واپس نہ ملے۔ خالص سونا اور اشیائے قیمتی بند کرکے بمبئی بھیج دیئے
گئے۔ چند روز کے بعد میر حسین علی خاں مع میر محمد خاں اور میر یار محمد خاں کے بمبئی
بھیج دیئے گئے۔ لوٹ کی مالیت اٹھارہ کروڑ روپے کے قریب تھی۔

امرائے سندھ کے مصائب و آلام

اپنے مصائب کا بیان کرنا بیکار ہے۔ ہمارے بوریئے توشکیں چادریں اور اشیاء پوشیدنی سب لے لی گئیں۔ ہماری
کتابیں تک جو ہم نے دل بہلانے کو رکھی تھیں، انگریزوں نے ہم سے لے لیں۔ جو کچھ
ہماری قسمت میں لکھا تھا وہ آگے آیا۔ میں نہ لارڈ ایلنبرا کی شکایت کرتا ہوں نہ سرچارلس
نیپیر کی نہ کسی اور انگریزی حاکم کی۔ کیونکہ یہ میری تقدیر میں تھا۔ میری قسمت میں
لکھا تھا کہ جن کے ساتھ میں دوستی کروں گا وہ میرے دشمن ہو جائیں گے۔ خدا کا
شکر ہے۔ میں اس داستان کو طوالت دے سکتا ہوں مگر یہ بیکار ہے۔ اس قدر کہنا
کافی ہے کہ اولاً ہم لوگ بطور قیدی کے بمبئی روانہ کئے گئے اس کے بعد سالور، جہاں
سے میر شاہ داد خاں سورت روانہ کئے گئے۔ وہاں ایک سال بسر کرنے کے بعد ہم لوگ
کلکتہ میں لائے گئے۔

یہ امر سوائے تعجب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ بجز گورنر بمبئی کے اس سرکار سے کوئی
ہماری نسبت دریافت کرنے کو نہ آیا کہ ہم کون ہیں اور ہم نے کیا قصور کیا ہے جس کی
یہ سزا ہم کو ملی۔

ضمیمہ نمبر ۸

(۱) سنہ ہجری کے بانوے سال میں مطابق ۷۱۱ء کے خلفاء بغداد نے مذہب اسلام کے جوش حمیت اور بخیال انتقام اُس توہین کے جو سندھ کے بُت پرستوں نے (یعنی ہنود جنھیں مسلمان مصنف ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں)، کی تھی ایک فوج بمقابلہ اُس بادشاہت کے اُسی راستہ سے روانہ کی جو مقدونیہ کے بہادر نے بروقت واپسی بابل ایک ہزار سال قبل منتخب کیا تھا (ماخوذ از سفرنامہ بلوچستان و سندھ مصنفہ پانجر)

(۲) خاندان کلہوڑا پیمبر آخرالزماں کے چچا حضرت عباس کی شاہی نسل سے ہونے کا دعوے رکھتا تھا مگر سندھ میں اُس کی عظمت ایک شخص آدم شاہ نامی باشندہ بلوچستان سے ہوئی جس نے اپنی دین داری اور طاعت گزاری اور ایک مشہور مسلمان واعظ کے شاگرد رشید اور قائم مقام ہونے سے پندرھویں صدی عیسوی میں بہت رسوخ حاصل کیا اور جس کی اولاد اپنے مورث کی طرح دین دار ہونے کے باعث اُس کے مذہبی اختیارات پر قابض ہوئے اور ۱۷۰۱ء تک بطور ولی کے تصور کئے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ اُس وقت اُنھوں نے اورنگ زیب سے خطاب اور جاگیر حاصل کیا۔ جب اس طور پر دنیاوی عہدے کے ساتھ دینی وقعت کا شمول ہوگیا تو اُس خاندان کا رعب وداب بہت جلد بڑھ گیا۔ اور چند سال میں اُن کی عظمت کو اُس وقت عروج کامل ہوا جب ایک فرمان شہنشاہ دہلی کے دستخط و مہر سے جاری ہوا جس سے اُن کے خاندان کا اصل شخص سندھ کا صوبہ دار مقرر ہوا۔

(ماخوذ از تحریر ڈاکٹر جے برنس کے ایچ صفحہ ۱۳ موسومہ ”اے وزٹ ٹو دی کورٹ آف سندھ“)

(۳) جو اُس قوم کے لئے فخر تصور کئے جاتے ہیں۔

(۴) جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو قاہرا میاں نور محمد ٹھٹھہ کے صوبے کے صوبے دار مقرر ہو چکے تھے اور مغل بادشاہ محمد شاہ نے اُن کو تسلیم کر لیا تھا۔ نادر شاہ نے بھی اپنی فتوحات کے بعد اُنھیں سندھ کی حکومت میں قائم رکھا اور شاہ قلی کا خطاب دے کر اُن کے حسن برتاؤ کے لئے اُن کے تینوں بیٹے جن کا امیر کی داستان میں ذکر ہے یعنی مراد یار خاں، عطار خاں اور غلام شاہ خاں کو بطور ضامن کے لے گیا۔ دیکھو تحریرات پاٹنجر و پوسٹنس۔ اس جملہ کی تصریح کے طور پر امیر نے بیان کیا کہ نادر شاہ کے انتقام پر میاں نور محمد نے ملک پر بطور خود قبضہ کر لیا کہ افغانوں کو خراج دیتے رہے۔

(۵) مراد یاب خاں۔ سوال۔ کیا یار خاں سے مراد ہے جسے نادر شاہ بطور ضامن کے لے گیا تھا؟

(۶) پوسٹنس کی تحریر کے مطابق مراد یاب خاں کا جانشین غلام شاہ خاں ہوا جو اپنے بھائی عطار خاں کے معزول کئے جانے کے بعد بالآخر پھر بادشاہ ہوا اور اپنا اختیار قائم کیا۔

(۷) یہ اس لئے مشہور ہے کہ اُس نے سنگ دلی سے کچھ کے راجپوتوں کو ایذا پہنچائی۔ ڈاکٹر جے برلنس نے اپنی تصنیف کے صفحہ ۱۳ میں یوں لکھا ہے: "اپنی عمل داری میں ایک صوبہ اور شامل کرنے کی جانب سے مایوس ہو کر اور ایک قوم کی سخت دلیری سے جو اپنی آزادی کے لئے لڑتی تھی غصے میں آکر اُس نے ایک ایسی تدبیر سے جو صرف ایشیائی لوگوں کو معلوم ہے اُس قوم سے ایک نئے قسم کا اور سخت انتقام لینا چاہا جس کے خراب نتائج آئندہ زمانے کے لئے اُس کے خشم و غضب کے یادگار رہیں گے۔ اس غرض سے اُس نے حکم دیا کہ دریائے سندھ کی مشرقی شاخ کے آر پار اپنی عمل داری میں

ایک بند بنا دیا جائے اور اُس دریا کا پانی بالکل کچھ سے ہٹا لینے کی غرض سے نہریں کھدوادیں اور اس سخت ناراضگی کی کارروائی سے اُس کی یہ خواہش ظاہر ہوئی کہ اُس کا دشمن اپنے نصف محاصل سے محروم ہو گیا۔ ہزاروں خاندانوں کی امیدیں پامال ہوئیں اور ایک عمدہ ضلع چاولوں کی پیداوار کا بالکل ویران ہو گیا۔ واقعی یہ نقصان ایسا ہوا جس کا دفعیہ نہ ہو سکا کیونکہ سیلاب کے جانے سے وہ قطعہ ایک کھارا دلدل ہو گیا ہے اور اُس وقت سے وہ ریاست زوال میں آ گئی ہے۔

(۸) صوبہ دار خاں۔

(۹) کیپٹن پوسٹنس کی داستان میں بیان ہے کہ میاں محمد خان کے نالائق ثابت ہونے پر اُسے معزول کر کے غلام شاہ کے ایک برادر زادے کو تخت نشین کیا۔ مگر اس انتخاب میں بھی نقص پا کر غلام نبی خاں ۱۷۷۱ء میں مسند پر بٹھائے گئے۔

(۱۰) دو قاتل۔ دیکھو تصانیف برنس و پوسٹنس۔

(۱۱) اور میر بہرام خاں کا پوتا۔

(۱۲) یہ اُس بیان سے مختلف ہے جو کیپٹن پوسٹنس اور ڈاکٹر برنس کی داستانوں میں ہے جس میں لکھا ہے کہ بجر خاں کے قتل ہونے پر تالپور قبیلے والے باکل باغی ہو گئے۔ عبدالنبی بھاگ گیا۔ پھر افغان بادشاہ کی مدد سے اپنے تخت پر آیا اور عبداللہ خاں کو قتل کیا اور آخری بار بھاگا۔ اُس نے اپنی زندگی بُرے حالوں بسر کی یعنی۔ افلاس اور ذلت میں جلاوطن ہو کر۔

(۱۳) "یا انتقام کی غرض سے یا تقدیری امر کے باعث اُس نے ناحق بے جا طور پر میر عبداللہ خان تالپور کو بعد اُس کی اطاعت قبول کرنے کے قتل کر ڈالا۔"

(۱۴) کیپٹن پوسٹنس کی روایت[1] کے مطابق فتح علی خاں کے برادر زادہ میر سہراب اور

[1] یا دراصل مسٹر کرد کی روایت کے مطابق۔ جس نے وہاں موجودہ صدی کے ابتدا میں دیسی کاغذات یا زبانی بیانات سے سامان مہیا کیا۔

فتح خاں کے بیٹے میر تارا نے فتح علی کی حکومت سے منحرف ہو کر موہری اور شاہ بندر مقامات میں سکونت اختیار کی جہاں سے تیمور شاہ کو خراج دے کر وہ خود مختار ہو گئے اور اس طور پر ملک کو تین جداگانہ بادشاہتوں میں تقسیم کر دیا۔ لفٹننٹ پاٹنجر لکھتے ہیں کہ فتح علی خاں نے "اپنے خاندان کی مختلف شاخوں کو بڑے بڑے قطعات زمین دے دیئے" جن میں سے میر سہراب اور میر تارا کو زیادہ حصہ ملا۔ جب اس امر کی بابت امیر سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے آخری بیان کی صحت کی تصدیق کی۔ شاہ بندر کی جاگیر میر تارا کو عطا ہوئی تھی۔ اول الذکر کی عمل داری کا صدر مقام خیرپور ہے۔

(۱۵) تیمور شاہ نے سندھ کی کامل حکومت پر نام زد کیا۔ ماخوذ از تحریر لفٹننٹ پاٹنجر۔ کابل کے بادشاہ نے بذریعہ ایک سند کے اس کی حکومت کو بحال رکھا۔ از تحریر کیپٹن پوسٹنس

(۱۶) اس کمی کو بہت سی دلچسپ باتوں سے کیپٹن پوسٹنس کی مکمل و مطول تاریخ میں پورا کیا ہے۔

(۱۷) اپنے بادشاہ ہونے پر اس شہزادے نے فیاضانہ طور پر اپنے منصب عالی کے کاموں میں اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں میر غلام علی خاں کرم علی خاں و میر نادر علی خاں کو شریک کرنے کا ارادہ کیا اور چاروں نے بنام ہنا د امیران سندھ کی سلطنت کرنے کا اتفاق کر لیا۔ جس وقت تک وہ چاروں زندہ رہے تو جس قدر قوی اور یکساں محبت وہ ایک دوسرے کی ظاہر کرتے تھے اُس سے اُن کا معزز خطاب "چاریار" کا ہو گیا۔

(۱۸) میر غلام علی جب ۱۸۱۲ء میں ہرن کا شکار کر رہے تھے تو ایک ہرنی کے حملہ سے ہلاک ہوئے۔ ماخوذ از تحریر پاٹنجر۔

(۱۹) ہر چند کہ میر فتح خاں اپنا کل ملک دبجز اُن حصوں کے جو میر سہراب اور میر تارا کے

تھے جن میں خیرپور اور شمالی اضلاع تھے) اپنے تینوں بھائیوں کو چھوڑ کر مرے جو بعد کو امیران سندھ کہلاتے تھے مگر قدامت کا ضرور لحاظ کیا جاتا ہے۔ ترکہ بقدر نصف بڑے کے لئے (یعنی غلام علی) اور ایک ملک چوتھائی بقیہ دونوں کے لئے تھا۔ اصل امیر کے کچھ زائد اختیارات تھے۔

(۲۰) یہ موجودہ امیران سندھ جواب بلوچی وحشی نہیں رہے اپنے مورثوں سے ایک بڑی صفت ہیں جو تالپور خاندان میں تھے اور جس کے باعث وہ خاندان عرصہ تک ذی اختیار اور قائم رہا نا قابل موازنہ ہیں۔ یعنی اتحاد رکھنا ورنہ میر نصیر خاں کے تحمل کی وجہ باوجود قومی تحریصوں کے کیا کہی جا سکتی ہے۔ یہ امیر جو اس وقت پختگی سن کو پہنچ گئے ہیں اب تک ہر دل عزیز۔ فیاض۔ ذہین اور خوش مزاج ہیں۔ وہ یوروپین لوگوں کی صحبت کے بہت شایق ہیں اور بہت کچھ اختیار نیک و بد رکھتے ہیں مگر اُن کی کل قوت اور اختیار اس بارے میں صرف کیا جاتا ہے کہ حکومت مشترکہ کی تائید ہو اور حال میں ایک افسر نے جو سرحد پر کام کرتے ہیں دونوں بھائیوں کی نسبت مجھ سے بیان کیا ہے کہ ایک دوسرے سے نہایت محبت رکھتے ہیں۔ میر محمد خاں اور صوبہ دار خاں بوجہ اپنے طرز در وِش کے کم مشہور رہیں مگر یہ دونوں کے اختیار میں ہے بالخصوص آخر الذکر کے جس کی ایک قومی بلوچی جماعت ملک میں موید رہی ہے کہ اپنی حرص کو زور دے اور چونکہ اُنھوں نے ایسا نہیں کیا ہے اُس سے اُس کی تائید ہوتی ہے جس کا اظہار اس تصنیف میں کیا گیا ہے۔

ماخوذ از تحریر ڈاکٹر جے برنس اپریل ۱۸۳۹ء دیباچہ صفحہ ۹۔

ضمیمہ نمبر ۹

میر محمد خان

غلام علی کا بیٹا میر محمد خاں خاص امیروں کے رتبہ سے دوسرے درجے پر ہے اُس کا سِن تیئس سال کا ہے اور وجیہہ شخص ہے گو کہ شگافی لب کے باعث کسی قدر بدصورت ہو گیا ہے اُس کو اپنے باپ سے بہت کچھ دولت اور پولٹیکل رسوخ سندھ میں وراثتاً ملا۔ کچھ دنوں تک وہ اپنے چچا کے ساتھ بیٹھتا رہا۔ اور اُن کی طرح اُس کی سلامی حیدرآباد کے پشتہ سے جب کبھی وہ باہر جاتا تھا ہوتی تھی۔ چونکہ وہ سلیم الطبع اور حرص سے مبرا ہے وہ ظاہرا بلا افسوس اپنے تمام سامان شان و شوکت سے مع اپنی جائداد کے عمدہ حصہ کے جس سے اُس کو علی مراد اور اُس کے خاص ملازمین نے مختلف حیلوں سے محروم کر دیا ہے۔ بوجہ ناقابلیت نگرانی یا اپنے معاملات کے انتظام کرنے کے دست بردار ہو گیا۔ وہ ایک عجیب غریب نیک مزاج شخص نمائش اور ظاہرداری سے لاپروا ہے جسے اُس کے مقرب اور ملازمین نہایت پسند کرتے ہیں اور ان میں سے بہتیروں نے اُس کی ملازمت میں بہت کچھ کما رکھا ہے۔ میر محمد خاں کے اہل و عیال نہیں ہیں۔

ماخوذ از تحریر ڈاکٹر برنس۔ اپریل ۱۸۲۹ء صفحہ ۱۵۔

ضمیمہ نمبر ۱۰

میر محمد نصیر خان

میر محمد نصیر خاں میر مراد علی کے دوسرے بیٹے ہیں اور سندھ کے شاہی خاندان میں یہ زیادہ ہردل عزیز اور لوگوں کو مخاطب کرنے والے شخص ہیں۔ اُن کا سِن پچیس سال کا ہے۔ جسم وجیہ گو کہ کسی قدر فربہ ہے طرز وروش سے نہایت ہی شان وشوکت اور چہرے سے امارت نمایاں ہے اور ذرا بھی باپ یا بھائی کی مشابہت سے اُس میں خرابی نہیں آئی تھی۔ خوش قسمتی سے جس قدر صورت میں فرق ہے اُسی قدر سیرت میں بھی ہے۔ میر نصیر خاں اُسی قدر فیاض ہیں جس قدر وہ کنجوس ہیں اور جو کچھ نقد اُن کو ملا تھا وہ فیاضانہ طور پر خرچ کر ڈالا۔ یہ صفت خواہ بری ہو یا بھلی ایسی ہے جس کی ہمیشہ بالعموم تعریف خاص کر ایشیائی ملکوں میں ہوتی رہی ہے۔ صفحہ ۵۹۔

وہ چند تصانیف کے مصنف بھی ہیں جو دیوان جعفری کے نام سے مشہور ہیں۔ "اگر وہ واقعی انھیں کی تصنیف ہیں تو وہ قابل تعریف ہیں"۔

میر نصیر خاں نے ہمیشہ انگریز گورنمنٹ کی نسبت عمدہ خیالات ظاہر کئے ہیں۔ وہ ہمارے ہندوستانی ایجنٹ متعینہ حیدرآباد کے ساتھ ہمیشہ بہ اخلاق پیش آئے۔ اور وہاں میرے زمانہ قیام میں وہ میرے ساتھ بھی بہ نسبت اوروں کے زیادہ توجہ سے پیش آتے تھے۔ وہ مردانہ ورزشوں کے باعث فوج میں ہردل عزیز ہیں اور اس خاندان کے ہونہار لوگوں میں وہ شہرت وعروج حاصل کریں گے جو کسی نہ کسی کو بالآخر حاصل ہوگا۔ وہ کوئی قوی ارادہ یا ذی حوصلہ شخص نہیں معلوم ہوتے مگر یہ کہنا ناممکن ہے کہ اگر کوئی عمدہ میدان اُن کو اپنے حوصلے کے موافق ملے تو اُن کی طبیعت پر کیا اثر پیدا ہوگا۔ خاص کر اس وجہ سے کہ عوام کی رائے بالکل اُن کے موافق حال ہے۔ منہ صفحہ ۶۰۔

ضمیمہ نمبر ۱۱

میر صوبہ دار خاں

میر صوبہ دار خان جیسا کہ امیر کی داستان میں بیان ہو چکا ہے۔ فتح علی خاں یعنی اُس رئیس کے بیٹے ہیں جس کے باعث "تالپور خاندان کو عروج حاصل ہوا اور اپنے باپ کے مرنے کے چند ہی گھنٹے پیشتر پیدا ہوئے تھے۔ جنھوں نے مرنے سے قبل اپنے بھائیوں سے اپنے شیر خوار بچہ کے خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ کئی سال تک وہ میر کرم علی خاں کے متبنٰی فرزند کے طور پر تھے۔ کیپٹن پوسٹنس نے اُن کو ایک منکسر مزاج شخص لکھا ہے۔

اُن کی موجودہ شکل و صورت صغر سنی سے ہی۔ بتلائے مرض مرگی ہو کر اس وقت ضعیف ہو رہے ہیں بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر باوجود یکہ اُن کی جانب سے تغافل کیا گیا اور ڈاکٹر برنس کے جانے کے چند روز تک خاص امیروں (مراد علی و کرم علی) کے تابعین کے زمرے میں رہا کئے۔ انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک کامیاب بغاوت سے اپنے کو اُن کے مساوی درجے پر کر دیا۔ وہ ریگستان میں اسلام کوٹ کے قلعے کو بھاگ کر گئے اور وہاں پانچ یا چھ دن کے بعد دوسرے سازش کرنے والوں سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جن کی تعداد پندرہ ہزار تھی جا کر شریک ہوئے۔ اور وہ حیدر آباد پر حملہ آور ہوئے۔ خاص خاص امیر اس عزیمت کی جرأت سے گھبرا گئے اور انھوں نے عاقلانہ طور پر بذریعہ مصالحت کے معاملے کو طے کیا اور صوبہ دار خاں کو ایک حصہ ملک کا اور حکومت میں شرکت کرنے کا اختیار دیا۔" اُن کے عروج سے خاندان کے اور خاص خاص لوگ نہایت خوش ہوئے۔

مختصر کیفیت تاریخ سندھ کی جہاں تک کہ تحریر ہے

(ماخوذ از تصنیف کیپٹن پوسٹنس موسومہ "ذاتی تجربات سندھ")

برہمنوں کی حکومت مسلمانوں کے فتح کرنے کے وقت تک رہی۔	سنہ ۷۱۱ء
خاندان بنی امیہ کے خلیفہ کا قبضہ ہوا۔	سنہ ۷۵۰ء
اُن سے محمود غزنوی نے فتح کیا۔	سنہ ۱۰۲۵ء
سمرہ فرقہ ذی اختیار ہوا۔	سنہ ۱۰۵۴ء
سوما فرقہ نے سمرہ فرقے کو زک دی۔	سنہ ۱۳۵۱ء
شاہ بیگ ورغون نے فتح کیا۔	سنہ ۱۵۱۹ء
ہمایوں بادشاہ نے اُس ملک سے خراج لیا۔	سنہ ۱۵۴۰ء
فرقہ ترخان ذی اختیار ہوا۔	سنہ ۱۵۵۵ء
اکبر شاہ نے دہلی میں شامل کیا۔	سنہ ۱۵۹۰ء
نور محمد کلہوڑا صوبہ دار ہوا۔	سنہ ء
نادر شاہ نے سندھ پر حملہ کیا۔	سنہ ۱۷۴۰ء
افغان بادشاہت کا مطیع ہوا۔	سنہ ۱۷۵۰ء
کلہوڑا خاندان کو تالپور خاندان نے زک دی۔	سنہ ۱۷۸۶ء
انگریزوں نے فتح کیا۔	سنہ ۱۸۴۳ء

اس طور پر گیارہ خاندان ٹھیک اتنی ہی صدیوں میں تبدیل ہوئے۔